

کن فیکون
فاطمہ عنبرین

کن

فیکون

فاطمہ عنبرین

کن فیکون از فاطمہ عنبرین

کور امیج: خرم امتیاز، نائف پینٹنگ

ای میل: nebula75fatima@hotmail.com

وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

اور کہو کہ اے پروردگار اُن پر رحم فرما جیسے اُنہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا۔

والدین اور میرے اساتذہ کے نام

تعارف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے زندگی کے بارے میں اکثر سوچا ہے،،بہت عجیب رنگ ہیں اسکے تپتی دھوپ جیسے نرم چھاؤں جیسے ٹھنڈی ہوا جیسے بوجھل بادل جیسے دھیمی پھوار جیسے موسلادھار بارش جیسے!! ہر لمحہ رنگ بدلتی یہ زندگی ہمیں ادھر ادھر ہانکتے ہوئے جانے کہاں لیے جارہی ہے؟ بس ہمارے دامن ہر قدم پر رنگوں سے بھرتے جارہے ہیں۔ مختلف سوچوں کا رنگ! مختلف رویوں کی گزرگاہوں پر چلتے ہوئے ہم اتنے عادی ہوتے جاتے ہیں معمولی سی تبدیلی بھی ہمارے اندر الہام کی طرح اترتی ہے۔ بس رویوں کی یہ ہی تبدیلیاں ہم سے مختلف عمل کرواتی ہیں کب کیا کیوں اور کیسے کرنا ہے؟ ہر قدم پر ایک نیا فیصلہ بہت بھاری ذمہ داری ہوتی ہے یہ ایک عمل میں ایک اضافہ ہوتا ہے جو دنیا و آخرت میں کامیابی اور ناکامی کا ضامن ہوتا ہے۔ اور ان ہی سوچوں اور رویوں کو جب صفحہ قرطاس پر اتار دیا جائے تو ہم انہیں شاعری افسانے یا ناولٹس کا نام دیتے ہیں۔

۱۹۹۶ سے میں نے لکھنا شروع کیا اور کبھی نہیں سوچا کہ کوئی مجموعہ شایع کرنے کی ضرورت ہے پھر انٹرنیٹ پر کچھ واقعات تحریر کیے احباب نے پزیرائی کی تو کچھ تحریریں اکٹھے کر کے مجموعے کی شکل دینے کا سوچا۔ کن فیکون کے نام سے میرا پہلا ناولٹس کا مجموعہ حاضر خدمت ہے. قلم کو ہمیشہ ایک ذمہ داری سمجھا ہے بالکل اسی طرح جیسے زندگی میں ہر عمل کو ذمہ داری سمجھا ہے. اب آپ پڑھ کر اپنی رائے سے نوازیے گا کہ ذمہ داری نبھانے میں کتنی کامیاب ہوئی؟

جزاکم اللہ خیرا

فاطمہ عنبرین

جولائی ۲۰۱۶

فہرست



یقین ساحل گماں سمندر

نہیں محبت میرا منصب نہیں

میں تو ہوں خاک نشیں ابھی

کچے ذہنوں کی گیلی مٹی

مجھے کچھ بیج ملے ہیں خوابوں کے

معصوم سے کچے ذہنوں میں

وہ بیج اگانے ہیں مجھ کو

دن رات کی انتھک محنت سے

اگلی بہار کے آنے تک

تازہ پھول کھلانے ہیں مجھ کو

ابھی جرم وفا کی بات نہ کر

یہ خوش رنگ ستم ایجاد نہ کر

یہ ہیرے موتی یہ بحر و بر

ان تک آنے میں زمانے ہیں مجھ کو

بجھتی آنکھوں میں ہمدم!

حیات دم توڑتی ہے

ذرا قطرہ جاں پلا دیکھوں،

سعیٔ لاحاصل ہی سہی

اک دیا بچا دیکھوں

پلکوں سے پلکوں کے جڑ جانے تک

کئی جینے کے بہانے ہیں مجھ کو

نہیں محبت میرا منصب نہیں

سیپ میں بند موتی بنوں؟

ابھی کوہ گراں کی بات نہ کر

ابھی بار گراں کی بات نہ کر

میری کوہ دمن اوقات نہیں

میں تو ہوں خاک نشیں ابھی

نیند کے معاملے میں میں ہمیشہ کی خود کفیل۔۔۔ڈپریشن میں تو اور رج کے نیند آتی تھی اور تھکاوٹ ہو تو سونے پر سہاگہ! آج انڈس ہسپتال میں تیسرا دن تھا۔۔۔دو دن ٹیسٹ اور رپورٹس کی نذر ہوئے اور آج تیسرے دن

امی کے گھٹنوں کا آپریشن ہو چکا تھا۔۔۔ سخت تکلیف کی وجہ سے امی کو غنودگی کا انجیکشن لگایا گیا تھا اور وہ خاصی گہری نیند سو رہی تھیں۔۔۔

ہسپتال کا ہوادار جنرل وارڈ۔ بڑے بڑے صاف شفاف چبوترے اور ان پر لگی چمکتی کھڑکیاں۔ ٹھنڈا ٹھنڈا تاثر دیتے اونچے اونچے نیلے پردے۔۔۔ ہر تھوڑی دیر پر ایک عدد ڈاکٹر راؤنڈ پر آجاتا ساری تفصیل بتا بتا کر حفظ ہو چکی تھی اس لیے اسکا بھی نیند سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا کہ نیند میں بھی آرام سے تفصیلات دہرا لیتی تھی!! اگلے ماہ کی پندرہ کو میرا تین پاروں کا ٹیسٹ تھا اس لیے میری چھوٹی سی بنچ پر میرا واحد ساتھی میرا ترجمہ والا قرآن مجید اور سلیبس کے لحاظ سے تفسیر کی کتابیں تھیں جنہیں پڑھتے پڑھتے میں تھوڑی تھوڑی دیر میں ایک نظر امی کے پر سکون چہرے کی طرف ڈالتی اور پھر باقی مریضوں کی طرف ڈالتی رات کے نو بجے ہی سب مریض سونے والی کیفیات میں تھے اٹنڈنٹ یا تو موبائل پر مصروف تھے یا آپس کی گپوں میں لگے تھے کچھ ڈیوٹی کی تبدیلی کے لیے واپسی کی تیاری میں تھے کچھ ابھی آئے تھے اور مختلف اٹینڈنٹس کو جانچتی نظروں سے "تعلقات کیسے رکھنے ہیں؟" کے طور پر پرکھ رہے تھے میں مسکرا کر دوبارہ اپنے نوٹس میں گم ہو گئی۔۔۔

"کیا حال ہے معلمہ؟" بشریٰ کی زوردار مگر دوستانہ آواز کے ساتھ کھڑکی کے پیچھے سے اسکا ہاتھ بھی میرے کندھے پر اپنی موجودگی کا احساس دلا گیا یقیناً وہ راؤنڈ پر نکلی ہو گی اور کمرے میں مجھے کھڑکی سے ٹیک لگائے دیکھ

کر رک گئی ہو گی

"الحمدللہ تم سناؤبی بی سی ؟؟"میں نے اسکو اسکے مخصوص نام سے پکارا تو وہ ہنستی ہوئی گھوم کر دروازے سے وارڈ کے اندر آ گئی۔ گارڈ کے یونیفارم میں کندھے پر رائفل لٹکائے سخت چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ سجائے بشریٰ ہمیشہ کی طرح بارعب لگ رہی تھی اپنے مخصوص انداز میں اس نے سب ہی بیڈ پر جا کر خیریت پوچھی اور پھر میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی میں نے بنچ پر ذرا سا سرک کر اسکے لیے جگہ بنائی

"سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس مختصر سی بنچ پر سو کیسے جاتی ہو؟ وہ بھی اتنے آرام سے؟ باقی تو سب ہی دو بینچ کا انتظام کر لیتے ہیں یا پھر مریض کے ہی بستر پر جگہ بنا کر لیٹ جاتے ہیں"بشریٰ نے میرے ہاتھ سے تفسیر کی کتاب لے کر بغور دیکھتے ہوئے کہا، میں مسکرائی

"میں نے بھی پہلے دن اس چھوٹی سی بینچ پر آبجیکشن کیا تھا مگر میرے شوہر کہتے ہیں بشریٰ! کہ تیمار دار سونے کے لیے نہیں مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے آتا ہے تو میں اس ڈر سے بینچ نہیں لگاتی ہوں کہ نیند گہری نہ ہو جائے اور امی آوازیں دیتی رہ جائیں میری آنکھ نہ کھلے؟"میں نے مدبرانہ لہجے میں ڈائیلاگ مارنے کی کوشش کی

"حالانکہ اب بھی یہی ہوتا ہے"بشریٰ نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر شرارت سے مجھے دیکھا۔ میں حلق سے ابلنے والے برجستہ قہقہے کو روک نہیں پائی

"کیا کروں؟ یہ میری واحد کمزوری ہے میں فجر سے عشاء تک ایک پیر پر کھڑی رہ سکتی ہوں پر رات کو نیند پر قابو نہیں رہتا" میں نے ہنستے ہوئے اعتراف کیا تو وہ بھی مسکرانے لگی

"یار معلمہ! میرا بہت دل تھا یہ کورس کرنے کا مگر قسمت نے اتنی چھینٹی لگائی کہ آج یہاں وردی پہن کر مردوں کو دھمکا رہی ہوں"

وہ کسی آیت کو بغور دیکھ رہی تھی اور اسکے لہجے میں وہی اداسی اتر آئی جو مجھے ہمیشہ تشویش کا شکار کر دیتی تھی ابھی میں کوئی سوال پوچھنے ہی والی تھی کہ ڈیوٹی نرس نے آکر سامنے والے بیڈ پر ڈسچارج نوٹس دے دیا بشریٰ ڈیوٹی نرس کو دیکھ کر فورا کھڑی ہو گئی اور چہرے سے نرمی ہٹا کر سختی کا تاثر لے آئی اور کچھ دیر معائنہ کر کے باہر نکل گئی۔ میں جانتی تھی اسے بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی وہ فیمیل وارڈ کی گارڈ تھی اور اسے مکمل طور پر چوکس رہنا ہوتا تھا مگر وہ اکثر ڈنڈی مار کر کبھی ادھر اور کبھی ادھر گپیں مار لیا کرتی تھی۔

بشریٰ کے جاتے ہی میں سامنے والے بیڈ پر متوجہ ہوئی وہاں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی دو گھنٹے میں ہی انہیں یہاں سے چلے جانا تھا۔۔۔ ہسپتال سے جانا بھی ایسے ہی خوشی کا باعث ہوتا ہے جیسے قید سے رہائی ملی ہو!! میں نے گہری سانس لے کر اپنی امی کی طرف دیکھا۔"اللہ پاک جلدی سے میری امی کو مکمل صحت عطا فرماتا کہ ہم بھی یہاں سے جا سکیں " ۔

کورنگی کریک میں واقع یہ ہسپتال ایک شاندار چیرٹی ہسپتال ہے جو ہڈیوں

کے علاج میں بے حد شہرت حاصل کر رہا تھا ہم بھی متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے عام سے لوگ تھے۔امی کے گھٹنوں کی حالت اس قدر خراب ہوئی کہ گھٹنوں کا بدلنا لازمی ہو گیا تھا اس لیے ہم یہاں گھٹنوں کے علاج کے لیے آئے تھے میں امی کی اکلوتی بیٹی تھی میرے دونوں بھائی مجھ سے کافی چھوٹے تھے اور فیمیل وارڈ میں خواتین کی پرائیویسی کے خیال سے کسی میل اٹنڈنٹ کو رکنے کی اجازت نہیں تھی۔اس لیے میرا یہاں رہنا لازمی تھا کہ امی کو کسی اور سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔اس ہسپتال کی خاص بات یہی تھی کہ یہاں زور زبردستی اور سفارش کا کوئی کام نہ تھا حالانکہ میرے کزن خود یہاں سرجن تھے لیکن وہ سوائے طریقہ کار سمجھانے کے اور کسی کام میں ہمارے مددگار ثابت نہ ہو سکے تھے۔ ہمیں ایک سال کے بعد کا نمبر ملا تھا۔جب اتنا لمبا عرصہ داخلے کے لیے ملا تو ہم کافی مایوس ہو گئے تھے، چیرٹی ہسپتال میں تو ویسے بھی کون پوچھے گا؟ مگر یہ تھوڑی تکلیف ہمیں داخلے میں اور اپنے بیڈ تک پہنچنے میں پیش آئیں کیونکہ قطار بنانا اور وہ بھی تمیز سے ورنہ گارڈ کے ٹھڈے کھانا پاکستانی قوم کو کبھی گوارا تھا؟اسکے بعد جو وی آئی پی ٹریٹمنٹ ہوا وہ کسی بھی طرح یہاں کے جانے مانے بہترین ہسپتالوں سے کم نہیں تھا۔۔ جگہ جگہ اردو اور انگریزی میں بورڈ لگے تھے کہ " اگر کوئی آپ سے کسی بھی کام کے پیسے مانگے تو فلاں فلاں نمبر پر فون کر دیں ہم سخت تادیبی کاروائی کرینگے "۔ یہاں دور دراز سے علاج کے لیے لوگ آتے تھے کچھ تو گوٹھ (گاؤں) کی طرف سے بھی

آتے جنہیں فون ملانا بھی نہیں آتا تھا پھر کسی اور سے مدد لیتے !
کسی مریض کے کراہنے پر میں اپنے خیالات سے چونکی نماز تو پڑھ لوں میں
نے گھڑی کی طرف دیکھا سوئی دس کے قریب سفر کر رہی تھی ایک لمحے کو
مجھے اپنے بچے یاد آئے۔ میرا بیٹا سو گیا ہو گا اور بیٹی شاید ہوم ورک کر رہی ہو یا
شاید عابدہ کے ساتھ باتیں کر رہی ہو یا پھر سونے کی تیاری؟؟ اللہ سے انکے
حفظ وامان کی دعا کی ملنے کی تمنا کو دل میں دبا کر امی کو دیکھتے ہوئے چپل
پیروں میں پھنسا کر برابر کے بیڈ پر سنیہ کو اشارہ کرتے ہوئے امی کا خیال
رکھنے کو کہا اس نے مسکرا کر سر ہلایا ہسپتال میں سب مریض اور انکے ملنے
والے ایک خاندان کی طرح رہتے تھے ایک دوسرے کی مشکل میں کام آنا
اور اکسی کی غیر موجودگی میں دوسرے کے مریض کا خیال رکھنا خود بخود
لازم ہو جاتا تھا گویا! ! میں واش روم کی طرف آئی کشادہ صاف ستھرے
چمکتے واش رومز۔۔ بیسن کے سامنے لگی بڑی بڑی کھڑکیوں سے نظر آتی
دور پہاڑوں پر جلتی روشنیاں رات کے اندھیرے میں عجیب سا سماں باندھ
دیا کرتی تھیں میں نے خشوع وخضوع کے ساتھ وضو بنایا دل میں ایک بار
پھر بچوں کو یاد کیا امی کی صحت کی دعا مانگی اور دوپٹہ کو اچھی طرح اپنے گرد
لپیٹتے ہوئے نماز کے کمرے کی طرف چل پڑی چمکتے ہوئے ٹھنڈے فرش
پر آخری بار پونچھا لگایا جا رہا تھا آسیہ اور نغمہ نے مسکرا کر سلام کیا اور ایک
طرف پونچھا روک کر میرے گزرنے کا انتظار کیا میں بھی جوابی مسکراہٹ
کے ساتھ خیریت پوچھتے ہوئے آگے بڑھتی چلی گئی نماز کا کمرہ بچوں کے

وارڈ میں بنا تھا نماز سے فارغ ہو کر تمام مریضوں کو نگاہ تصور میں لا کر دم کیا پھر ایک نظر سامنے والے روم میں دیکھا فائق اپنی مما سے لپٹا سو رہا تھا یہ بچہ مجھے بہت زیادہ عزیز ہو گیا تھا میں نے انہیں ڈسٹرب کرنے کا خیال دل سے نکالا اور کمرے کی طرف آ گئی اور پھر سامنے کے بیڈ پر جا کر الوداعی کلمات کہہ کر اپنی بینچ پر ایک کمبل بچھایا اور دوسرا اوڑھ کر لائٹ آف کی اور سونے لیٹ گئی لائٹ اف کرتے ہمیشہ کی طرح ایک کھلبلی مچی ارے دوا تو کھلا لیں، ارے یہ ارے وہ مگر میں نے سب کو ہاتھ ہلایا اور منہ کمبل کے اندر کر لیا۔ ان تین دنوں میں لوگ میری جلدی سونے والی عادت سے مانوس ہو گئے تھے۔۔ میں نے سامنے والے بیڈ پر سر پیچھے کر کے ایک آخری نظر ڈالی اور " باجی کوئی کام ہو تو اٹھا دیجیے گا" کہہ کر آنکھیں موند لیں "اب یہ لوگ تو چلے جائیں گے جانے کون آئے گا؟ اور کیسا ہو گا؟" نیند میں ابھرتے ڈوبتے ذہن میں آنے والا آخری خیال یہی تھا

صبح حسب عادت میں فجر سے ایک گھنٹہ پہلے ہی اٹھ گئی، باہر لاونج میں چہل پہل شروع ہو چکی تھی اس ہسپتال میں چار بار جھاڑو پونچھا اور ڈسٹنگ ہوا کرتی تھی گندگی اور دھول مٹی کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔ بیدار ہونے کی دعا مجھے ابھی ٹھیک سے یاد نہ تھی اس لیے کتاب سے دیکھ کر دعا پڑھی۔۔۔۔ ہمارا وارڈ سٹاف روم کے نزدیک ہی تھا اس لیے صبح ہی صبح درازوں کی کھول بند ہونے اور دواؤں کے پیکٹس کی سرر سرر کی آوازیں

آنے لگتی تھیں سارا عملہ چار بجے سے ہی الرٹ ہو جاتا تھا بیڈ شیٹ اور تکیے

کے کور کے ساتھ مریضوں کے کپڑے بھی ہر بیڈ کے سائیڈ پر رکھ دیے

جاتے تھے اٹنڈنٹ زیادہ تر خود ہی اپنے مریضوں کے کپڑے چینج کروایا

کرتے تھے کسی کے ساتھ کوئی نہ ہوتا تو برابر کے بیڈ سے کوئی یا پھر کوئی

نرس یہ کام کر دیتا۔۔ابھی پونے پانچ ہو رہے تھے اور باہر زندگی گویا

رواں دواں تھی مجھے ہسپتال کی یہی بات سب سے اچھی لگی تھی کہ یہاں

بہت سے کام فطرت کے اصولوں پر ہوتے تھے صبح صبح ہر کوئی چوکس اور

ایکٹو اپنے کام میں مگن ! ورنہ ہماری دنیا میں تو بس پرندے اور دیگر جانور ہی

فطرت کے اصولوں پر باقی رہ گئے ہیں انسان نے تو کھلی بغاوت کر ڈالی ہے

فطرت سے !۔

میں بال سمیٹتے ہوئے بینچ سے اتری اور قد کو تھوڑا اونچا کر کے سائرہ کی

طرف دیکھا وہ بہت آرام سے سیدھی لیٹی ہوئی تھی سر تا پا عبایا پہنے مگر اس

وقت چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ سائرہ سے میری ملاقات پہلے دن وارڈ میں

ہوئی تھی اس وارڈ میں مجھ سے پہلے وہ واحد تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔ اس

ہسپتال میں کوئی پرائیویٹ روم نہیں تھا ہر جنرل وارڈ میں تین تین بیڈ ایک

قطار میں لگے تھے اور پھر ہر بیڈ کے سامنے ایک بیڈ یعنی ہر کمرے میں چھ

بیڈ تھے کمرے کافی کھلے اور ہوادار تھے اور ذرا بھی تنگی کا احساس نہیں

ہوتا تھا سائرہ کی امی کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا ٹانگ کی ہڈی بری طرح مجروح ہوئی تھی اور وہ پچھلے بائیس دنوں سے یہاں رہ رہی تھی کمرے میں داخل ہوتے ہی ہمارا بیڈ پہلا تھا بیچ میں کوئی نہیں تھا اور آخری والے پر سائرہ اپنی امی کے ساتھ تھی مکمل پردے میں صرف اپنی چمکتی آنکھوں سے مسکراہٹ کا احساس دلاتی یہ لڑکی بہت ہی مہمان نواز قسم کی طبیعت رکھتی تھی اس نے مجھے تمام تر چیزوں کے بارے میں آگاہ کیا تھا نماز کا کمرہ، واش روم سٹاف روم، میلے کپڑے کہاں ڈالنے ہیں نئے کپڑے کہاں سے نکالنے ہیں اور سب سے بڑھ کر جنرل وارڈ میں درمیان والے بیڈ کے عین اوپر لگا ہوا باکس دراصل انٹی سیپٹک لوشن ہے ہینڈ واش نہیں۔ جسے تمام خواتین بے حد فراوانی سے ہاتھ دھونے کے لیے استعمال کرتی تھیں۔ میں پہلی بار یہ جان کر خوب ہنسی تھی اور تب سے ہی میری اور سائرہ کی خوب دوستی ہو گئی تھی۔

سائرہ کو جگانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ وہ خود ہی اٹھ گئی۔ میں سوچ رہی تھی آپی کہ آپ اب تک نہیں اٹھی ہیں اور آپ اٹھ گئیں اس نے نقاب برابر کیا اور بینچ سے اتر گئی پھر ہم دونوں ہی واش روم کی طرف چل پڑے بیڈ شیٹ اور مریضوں کے کپڑے تبدیل کرنے کے لیے سٹاف ہر وارڈ میں ٹرالی گھسیٹتا ہوا مستعد نظر آرہا تھا آتے جاتے ایک دوسرے پر فقرے

اچھالتے ہوئے کم عمر سی نرسز ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف دوائیوں کی تقسیم کے ساتھ ساتھ مریضوں کا بی پی اور ٹمپریچر بھی چیک کرتی جا رہی تھیں انہیں ابھی ہمارے وارڈ تک آنے میں دس پندرہ منٹ تھے میں جلدی جلدی نماز پڑھ کر روم تک پہنچنے کے خیال میں تھی امی کو جگا کر جوس پلانا تھا اللہ کرے اب درد میں کمی ہو! سائرہ حسب دستور مجھے مختلف مریضوں کے بارے میں معلومات فراہم کر رہی تھی جسے میں کبھی دلچسپی اور کبھی بے دھیانی سے سنتی رہی نماز پڑھ کر کمرے میں لوٹے تو امی اٹھ چکی تھیں امی کا ہاتھ منہ دھلوایا کنگھی کی امی کو صبح صبح نعت یا حمد یہ کلام سننا بہت بھاتا تھا میرا ابھی شوق پورا ہو جاتا تو میں امی کی فرمائش پر حمد پڑھنے لگی وارڈ میں باقی سب بھی متوجہ ہو گئے تھے

یا اللہ مجھ کو تیری رضا چاہیے

جس سے تو خوش ہو وہ ادا چاہیے

پڑھتے پڑھتے ایک عجیب سا احساس ہوا جیسے کوئی سسکیاں لے کر رو رہا ہو باری باری سب کی طرف دیکھا سب کے چہروں پر شوق کا تاثر تھا کچھ کے چہرے غمگیں تھے مگر کوئی بھی رو نہیں رہا تھا۔ میں نے وہم سمجھ کر سوچ کو جھٹک دیا تھوڑی دیر میں الھڑ سی نرسوں کا ٹولہ ہمارے وارڈ میں پہنچ گیا ساری لائٹس آن کر دی گئیں سارے پردے ہٹا دیے گئے قہقہے

مسکراہٹیں اور ساتھ ساتھ مریضوں کا چیک اپ سب ہی کے لیے یہ لمحات بہت پر لطف ہوتے تھے مریض اپنی اہمیت پر بے حد خوش ہوتے رات بھر درد رہا یا بے آرامی۔ فلاں نرس نے بات نہیں سنی شکایات درج کروا کر عجیب سی تسکینہو جاتی تھی اگرچہ کچھ خاص فائدہ نہ ہوتا تب بھی امی کے چیک اپ کے دوران میری نظر سامنے کے بیڈ پر پڑی ایک کم عمر سی ماڈرن لڑکی کو دیکھ کر مجھے یاد آیا کہ وہ پرانے لوگ تو رات چلے گئے تھے اب یہ نئے لوگ آئے ہیں اس لڑکی کے ساتھ ایک پینتالیس سے پچاس سال کی عمر کی خاتون کھڑی تھیں ٹپ ٹاپ سے درست ڈائی کیے ہوئے گولڈن کھلے کمر تک آتے لئیر میں کٹے بالوں کے ساتھ وہ سٹاف سے کچھ معلومات لے رہی تھیں۔ پھر مڑ کر اس لڑکی کو کچھ بتانے لگیں۔

میں نے نظروں کا رخ موڑ کر امی کی طرف دیکھا۔ آج فزیو تھراپسٹ کو بھی آنا تھا آج سے امی کی ایکسر سائز بھی شروع ہو جانا تھی میں کسی بچے کی طرح امی کا دھیان رکھ رہی تھی۔ تقریباً آٹھ بجے ناشتہ آیا سب اپنے اپنے برتن لے کر آگے بڑھے ناشتہ سامنے والے بیڈ کو میں نے مسکرا کر ناشتہ لینے کا کہا ان خاتون نے انتہائی شائستگی سے منع کر دیا لڑکی تکیہ کا گولہ سا بنائے اس پر سر ٹکائے خاموش سی بیٹھی تھی میں نے ایک لمحے کو بہت غور سے اسکی جانب دیکھا۔ اسکو بظاہر کوئی تکلیف نظر نہیں آ رہی تھی ہاتھ پیر

بھی بالکل ٹھیک تھے پھر میں نے چہرے کی طرف نظر کی اچانک مجھ پر

ادراک ہوا کہ وہ بے حد خوبصورت ہے کھڑے کھڑے نقش والی سادہ سا

چہرہ بھی عجیب سی کشش رکھتا تھا اس نے اپنی سیاہ آنکھیں کسی خاص نکتے پر

جمار کھی تھیں چہرے پر سوچ کا تاثر بہت واضح تھا اسکی عمر بمشکل اٹھارہ

سال ہو گی۔۔۔ میں نے ناشتہ لینے کے دوران اسے مخاطب کیا" السلام

علیکم، کیسے ہو بچے؟" اس نے چونک کر مجھے دیکھا" جی الحمدللہ تھینکس

باجی" اسکی مسکراہٹ بھی بہت پیاری تھی معصوم اور شفاف! مزید بات

چیت بعد پر ڈالتے ہوئے میں ناشتہ لے کرامی کے پاس آ گئی۔ سب کاموں

سے فراغت کے بعد عام طور پر باقی اٹنڈنٹ خواتین سو جاتی تھیں اور میں

اپنی پڑھائی لے کر بیٹھ جاتی۔ مگر آج میرا ارادہ اس لڑکی کے پاس جا کر بیٹھنے

کا تھا میں اسی ارادے سے اٹھی تو وہ بیڈ خالی نظر آیا میرا دل دھک سے رہ

گیا۔ دونوں کہاں غائب ہو گئیں؟؟

میں خاموشی سے آ کر اپنی جگہ واپس بیٹھ گئی اور ان دونوں کے خیال کو

جھٹکتے ہوئے سورہ ملک کی تفسیر کھول کر بیٹھ گئی۔ پڑھتے پڑھتے کسی کے

کراہنے کی آواز پر میں نے سر اٹھایا بیڈ نمبر 78 پر ایک مریض بزرگ

خاتون شاید کسی ضرورت کے تحت پکار رہی تھیں انکی اٹنڈنٹ کینٹین سے

کچھ کھانے پینے گئیں تھیں اور مجھے اپنی ساس کا دھیان رکھنے کا کہہ کر گئیں

تھیں۔ میں نے کتاب بند کی اور انکے پاس آگئی۔ انکا ایک ہفتے پہلے آپریشن ہوا تھا خاصی سرد مزاج اور اکھڑ طبعیت کی خاتون تھیں، یہ بزرگ خاتون واش روم میں پھسل گئیں تھیں جسکی وجہ سے پیر کی ہڈی فریکچر ہو گئی تھی اور قسمت نے ایک انتہائی نفیس اور طرحدار خاتون کو ہسپتال میں لا پہنچایا جہاں وہ کلّی طور پر دوسروں کے رحم و کرم پر تھیں اپنی بہو کو بالکل خاطر میں نہیں لاتی تھیں انکی ایک عدد بیٹی بھی آتی تھی انکے پاس جو خود کو ڈاکٹر بتاتی تھی امریکہ میں رہائش پذیر تھی اور آجکل امی کے ساتھ ہو جانے والے حادثے کی وجہ سے پاکستان آئی ہوئی تھی جبکہ انکی بھابھی کا کہنا تھا کہ یہ وہاں نرسنگ کرتی ہیں بس یہاں آکر رعب جمانے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ!! یہ خواتین کی ٹیڑھی ٹیڑھی باتیں۔ جس سے پوچھو ایک الگ کہانی ہوتی تھی! خیر میں انکے پاس جا کر بہت ادب سے مخاطب ہوئی "جی اماں جی؟ کوئی کام ہے؟" وہ کسمسا کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں گویا تم جاؤ مجھے کسی اور کی ضرورت ہے۔ "امّاں جی! شبانہ بھابھی کسی کام سے گئی ہوئی ہیں آپ کو جو بھی کام ہے مجھے کہہ دیجیے انہیں واپسی میں آدھا گھنٹہ لگ جائے گا" اس تفصیل کو سننے کے بعد میں نے انکی آنکھوں میں ہلکی سی نمی دیکھی مجھے بہت عجیب سا احساس ہوا بے بسی، بے کسی، لاچاری، مجبوری!! کیا حقیقت ہے انسان کی؟ "امّاں! میں بھی تو آپکی بیٹی ہی ہوں آپ پریشان

نہ ہوں میں پین لگادوں گی منہ دوسری طرف کر کے "پردہ چاروں اطراف سے لگا کر ربر کے دستانے ہاتھوں پر چڑھا کر میں انکے بیڈ کے نیچے سے پین نکالنے لگی۔

جب میں پین لے کر جا رہی تھی تو کچھ خواتین نے ناک پر دوپٹہ رکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انکے جسم تمام عیبوں سے پاک ہیں!! جسم تمام عیبوں سے پاک تو جنت میں ہونگے۔ یا پھر دنیا میں احمقوں کی اپنی جنت ہے!! دل میں ایسے تمام لوگوں کے لیے ہمدردی کے جذبات کے سوا کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ جب میں واپس آئی تو ان بزرگ خاتون نے میرا ہاتھ تھام کر تشکر آمیز نظروں سے مجھے دیکھا "اللہ پاک تمہیں بہت نوازے۔"

میرے اندر ایک ٹھنڈک سی اتر گئی۔

"نوازا ہوا ہے امّاں جی!" میری آنکھوں میں میری عزیز بیٹی کی تصویر لہرائی دل اچانک تڑپ اٹھا اس سے ملنے کے لیے مگر فرائض ہمیشہ کی طرح راہ روکے کھڑے تھے۔ امی کے لیے بھی دل تڑپتا ہے مگر جتنا بیٹی کے لیے تڑپتا ہے اتنا نہیں!! جانے یہ کیا راز ہے؟؟ میں دل ہی دل میں اپنی بیٹی کو ڈھیروں پیار کرتے ہوئے امی کے پاس آ گئی انکی دوا کی اگلی خوراک کا وقت ہو گیا تھا وہ دے کر انکے قریب ہی بیٹھ گئی وہ بہت کمزور لگنے لگی تھیں ان

سے باتیں کرتے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک ایک غلغلہ سا اٹھا سارے مریض ایکٹو ہو گئے کوئی ہاتھ ہلا رہا تھا کوئی پیر زمین پر جما رہا تھا۔ میں کچھ حیران سی ہو کر سب کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہی تھی سائرہ کو آواز دے کر پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟

اس نے ہنس کر کہا"ہٹلر آرہا ہے"

"کون ہٹلر؟ "

"ڈاکٹر فرخ!"میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کندھے ہلائے اور سامنے سے گزرتی بشریٰ سے سلام دعا کرنے لگی۔چند لمحوں میں ایک درمیانے سے قد کا نوجوان فریش چہرے کے ساتھ وارڈ کے اندر آیا۔اور ناک کی سیدھ میں سائرہ کی امی کے بیڈ کی طرف آگیا۔"جی جناب؟ پھر؟؟"وہ عقابی نگاہیں سائرہ کی والدہ پر جما کر سنجیدگی سے انہیں دیکھنے لگا وہ بے چاری تیز تیز ہاتھ ہلانے لگیں"یہ دیکھیں ڈاکٹر صاحب اب تو میں ساری ایکسر سائز کر رہی ہوں"میں حیران ہو کر انکو دیکھنے لگی ہڈی تو پیر کی فریکچر ہے یہ ہاتھ کی ایکسر سائز کیوں کر رہی ہیں؟یہی بات ڈاکٹر فرخ نے کہی تو انکا تیزی سے حرکت کرتا ہاتھ رک گیا،

"آپکو دیکھ کر دماغ چل گیا ہے ڈاکٹر صاحب!ورنہ میں پیروں ہی کی ایکسر سائز کر رہی ہوں"اب انکا پیر تیز تیز حرکت کرنے لگا۔میرا قہقہہ

حسبِ‌معمول بلاارادہ تمام بند توڑ کر حلق سے بر آمد ہوا تھاڈاکٹر فرخ نے قدرے خجل ہو کر مجھے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے انکوانگوٹھاد کھایا"گڈ"اور تمام بیڈ سے ہوتے ہوئے ہمارے بیڈ پر آ گئے جب میں امی کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھی تو میری نظر سامنے کے بیڈ پر پڑی اسکا پردہ چاروں طرف سے بیڈ کو گھیرے ہوئے تھا۔اس وقت مجھے فزیو تھراپسٹ سے ساری باتیں سمجھنا تھیں اس لیے توجہ ادھر سے ہٹا کر ادھر مبذول کی۔

امی ڈاکٹر کو اپنے بارے میں بتانے کے بجائے اس سے اسکے بارے میں تفصیل پوچھنے لگیں تھیں۔شادی ہو گئی؟ نہیں؟اچھا کیوں مگر؟اتنی عمر ہو گئی ہے بیٹا اب شادی کر وگے تو آگے جلد فرائض سے سبکدوش ہو سکو گے۔۔

"امی امی امی!"میں نے زبان دانتوں تلے دبا کر امی کا ہاتھ پکڑ لیا اس سے پہلے کہ امی اسکو موت کے منظر تک پہنچا دیتی میں نے بر وقت مداخلت کر کے انکو روک لیا تھا"ڈاکٹر فرخ کچھ حیرت اور تفکر سے امی کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ اسی طرح باتیں کرتی ہیں؟ یا ابھی آپریشن کے بعد؟"انہوں نے مجھے دیکھا تو میں بھی اس بات کو سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ یہ عمل آپریشن کے بعد زیادتی کی طرف مائل ہوا ہے ورنہ امی ہر کسی سے ایسے بات نہیں کرتی

تھیں

"جی شاید۔۔ بلکہ یقیناً ایسا ہی ہے شاید انستھیسیا کی ڈوز کچھ اثر دکھا رہی ہو؟ "

"جی بہت ممکن ہے اگر ایسا ہے تو انہوں نے آئی سی یو میں بھی کچھ ابنارمل حرکت کی ہوگی؟ آپکے علم میں ہے کہ ہوش میں آتے ہی یہ کیسا رویہ اختیار کیے ہوئے تھیں؟" ڈاکٹر فرخ نے اچانک انگریزی میں گفتگو شروع کر دی اور امی نے سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں ہمیں بھی ایسا ہی لگتا ہے وہاں ہم نے ایک سسٹر کو بہت پریشان کیا تھا"
ڈاکٹر فرخ نے آنکھیں پھیلا کر امی کو دیکھا "یہ انگلش سمجھتی ہیں؟"

"جی" میں نے مسکرا کر امی کو اپنے ساتھ لگالیا "یہ ایک ٹیچر رہ چکی ہیں بہت شاندار ماضی ہے انکا!"۔ "ہمم جبھی،،،" ڈاکٹر فرخ کی چمکدار نظریں امی پر لگی ہوئی تھیں "آپ پہلے ایکسرسائز کیا کرتی تھیں؟" اب وہ امی سے بہت اپنائیت سے مخاطب ہوئے تھے "جی بالکل میرا بھانجا ہے ڈاکٹر محفوظ آپ بھی جانتے ہونگے اس نے ہمیں سارا کچھ سکھا دیا تھا ہم بہت آرام سے ایک ایک کلو تک کا وزن اپنے پنجوں پر اٹھا سکتے ہیں" انکشافات پر انکشافات نے ڈاکٹر فرخ کی گویائی چھین لی تھی وہ چند لمحے حیرت سے امی کو دیکھتے رہے وہ اور بھی کچھ تفصیل بتا رہی تھیں تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر فرخ امی

سے بہت دوستانہ انداز میں بات کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے

"بس تو پھر آنٹی اب آپ کو ایکسر سائز شروع کرنا ہے اور اپنے پیروں کو بس اتنا اٹھانا ہے صرف دس تک گننا ہے اور واپس نیچے لے جانا ہے درد ہو تو بھی رکنا نہیں ہے اگر آپ یہ کام کریں گی تو ہم آپکو کل چلائیں گے اور امید ہے کہ آپ بآسانی یہ سب کرلیں گی" انہوں نے مسکرا کر امی کو دیکھا اور پلٹتے ہوئے ایک نظر میری کتابوں پر ڈالی اور سامنے والے بیڈ کی طرف بڑھ گئے۔

میں نے امی کو تھوڑی دیر آرام کا کہا اور خود بینچ پر ٹک گئی دیوار سے ٹیک لگا کر میں بظاہر بہت دور باہر کھڑکی سے نظارے کرنے لگی لیکن میری ساری توجہ سامنے والے بیڈ پر ہونے والی گفتگو پر تھی۔

"اچھا؟ تو آپ اسکو دیکھ کر آئیں؟" ڈاکٹر فرخ کے سوال پر مدھم سی آواز ابھری "جی ڈاکٹر صاحب! مگر وہ تو بہت پین فل ہے۔ اتنے بڑے بڑے سکریو پیروں میں لگے ہیں جو ظاہر ہے گوشت میں پیوست ہیں اور سال بھر سے وہ اسی حالت میں ہے۔ بیڈ نمبر 82 بھی یہی کہہ رہی ہے کہ بے حد پین فل ہے یہ آپریشن اور پھر اتنا وزنی فریم سہارنا، میری بچی۔۔۔" ایک دم ہی الفاظ کی جگہ سسکیوں نے لے لی تھی یہ آواز اس بچی کی تو نہیں تھی شاید وہ اسکی والدہ ہیں!

''جی اسی لیے میں یہ چاہ رہا ہوں کہ آپ ساری سچویشن کو سمجھ لیں بعد میں کوئی شکایت نہیں کیجیے گا یہ سب بہت دردناک ہے اور کم از کم دو سال کے عرصے پر محیط ہو گا اگر مومل برداشت کر سکے تو ہمیں آپریشن پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا!

"مما کم آن۔ مجھے برداشت ہو گا یہ درد پلیز آپ روئیں تو مت" انگلش لہجے میں اردو بولتے ہوئے وہ لڑکی واقعی بہت بہادر لگی تھی

"اللہ پاک اسکے لیے بہت سی آسانیاں دینا" میں کچھ نہیں جانتی تھی کہ کیا ہونے جا رہا ہے میں جاننا چاہتی تھی اور میرا تجسس اپنی جگہ مگر دعا بہت بے اختیار کی تھی میں نے۔

ہم خود تراشتے ہیں منازل کے سنگ راہ

ہم وہ نہیں جنہیں زمانہ بنا گیا!!

بارہ بجے کے بعد کینٹین سے مریضوں کا کھانا آجاتا تھا جس کو سرو کر کے اور پھر برتن دھو کر میں نماز پڑھنے جایا کرتی تھی ابھی گیارہ بجے تھے۔ ڈاکٹر فرخ جا چکے تھے اور سامنے والے بیڈ کا پردہ تھوڑا کھلا ہوا تھا کہ اجازت لے کر اندر جایا جا سکتا تھا میں نے امی کی طرف دیکھا دواؤں کی وجہ سے ہر تھوڑی دیر پر غنودگی طاری ہوتی تھی اب بھی وہ آنکھیں موندے گہری

سانس لے رہی تھیں میں نے موبائل ہاتھ میں اٹھایااور سامنے والے بیڈ کی طرف آگئی ان خاتون نے مسکرا کر میرا استقبال کیا وہ بچی فون پر کسی سے بات میں مصروف تھی سلام دعا کے بعد میں نے ان سے پوچھا کہ یہ آپ کی کون ہے ؟انہوں نے بتایا کہ میری بیٹی ہے پھر دھیرے دھیرے باتیں کرتے ہوئے وہ اسکے بارے میں تفصیل سے بتاتی گئیں

اس کا نام مومل تھا تقریباً دس سال پہلے وہ بچوں کے ساتھ کھلتے ہوئے چھت سے گر پڑی تھی اسکے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی پھر کافی علاج وغیرہ ہوا بظاہر تو سب ٹھیک ہو گیا تھا مگر اسکے الٹے پیر کی نشو و نما ٹھیک سے نہیں ہوئی اور دونوں پیر کے سائز میں تھوڑا فرق رہ گیا تھا اب مومل کی خواہش تھی کہ وہ بالکل نارمل ہو جائے اور جب علاج موجود ہے تو کروانے میں کیا حرج ہے ؟ڈاکٹرز نے دس فیصد چانس کہا تھا ٹھیک ہونے کا ۔مومل کی امی بہت ڈری ہوئی تھیں اس لیے آپریشن سے پہلے ہر طرح کی تسلی چاہتی تھیں ہسپتال میں ایڈمٹ ہونے کے بعد وہ ایسے لوگوں سے مل کر اطمینان کرنا چاہتی تھیں جو اس عمل سے گزر چکے تھے اسی لیے وہ مختلف مریضوں سے مل رہی تھیں اور آج صبح بھی ایک لڑکی سے مل کر آئی ہیں جس کو دیکھ کر انکی ہمت جواب دے رہی تھی۔

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئیں آنکھیں نم ہونے لگی تھیں شاید انکی، میں

ایک گہری سانس لے کر مومل کو دیکھنے لگی، وہ اب تک فون پر بات کر رہی تھی اور مسکراتی ہوئی بہت پیاری لگ رہی تھی۔۔ مومل کی امی کا نام سبین تھا۔۔ کینٹین والے کی ٹرالی کی دھنا دھن سنائی دی تو میں سبین کو حوصلہ دلاتے ہوئے دل میں مومل کی صحت کے لیے دعا کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔ کھانے کے بعد میں نماز کے لیے جانے لگی تو سبین نے مجھے آواز دی۔"فاطمہ ! ذرا مومل کو نماز کی جگہ بتادیں گی ؟"

مجھے بہت خوشی ہوئی ہسپتال آکر بہت کم لوگ نماز کی پابندی کرتے تھے اور مومل کے بارے میں مجھے نہیں لگا تھا کہ یہ بھی نماز پڑھتی ہو گی۔انسان رائے قائم کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے اپنے آپ کو سرزنش کرتے ہوئے میں مومل کو ساتھ لے کر وضو بنانے چلی گئی اس دوران میں نے بہت غور کیا اسکی چال میں بے حد معمولی سا لنگڑا پن تھا جسے اگر دور نہ بھی کیا جاتا تو کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ نماز کے بعد میں نے اس پر نظر ڈالی وہ دعا مانگ رہی تھی، جب فارغ ہوئی تو میں نے پوچھا مومل ! کیا مانگا اللہ سے ؟ "

کہنے لگی " باجی ! میری آجکل بس ایک دعا ہے کہ اللہ پاک میرے شوق میں اپنی رضا بھی شامل کر دے "

"کیسا شوق ؟ "

ہائی ہیل کا شوق !" جانماز لپیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی

میں نے پوری کوشش کی کہ مومل مجھے اپنا دوست سمجھنے لگے اور میں اپنی اس کوشش میں کافی کامیاب ہوئی۔ نماز سے واپسی پر اس نے مجھے بتایا کہ اسے ہائی ہیل کا بہت شوق ہے اور جب وہ اپنی فرینڈز اور بہنوں کو ہیل پہنے دیکھتی ہے تو اسکے دل میں بھی یہ خواہش زور پکڑ جاتی ہے بس اسی شوق کے لیے میں نے آپریشن کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بتا رہی تھی اور میں حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی

"صرف ایک شوق کو پورا کرنے کے لیے تم اتنا بڑا رسک لے رہی ہو مومل؟ "

"شوق صرف نہیں ہوتا باجی ! شوق تو جنوں بھی بن جاتا ہے" وہ کہتے رکی جیسے کچھ سوچ رہی ہو میں نے دخل اندازی نہیں کی اسے سوچنے دیا ہم ہسپتال کے چمکتے کوریڈور میں ٹہلتے جا رہے تھے وارڈ نزدیک آرہا تھا تب اس نے کہنا شروع کیا" میرا فیانسی کہتا ہے کہ مومل تم مجھے ایسے ہی پسند ہو مگر باجی ! میں خود کو ایسے پسند نہیں، سب برداشت ہو جاتا ہے پر اتنے سمارٹ سے لڑکے کے ساتھ چلتے ہوئے لنگڑانا بہت برا لگتا ہے" وہ پھر سے ہنس پڑی مجھے بھی ہنسی آگئی" دیوانی ہو تم "

"جی ٹھیک کہا آپ نے، مگر یہ بات زیادہ اہم ہے کہ میں ہائی ہیل کے

شوق میں درد برداشت کرنے کو تیار ہوں۔"اس نے پھر رک کر کچھ سوچا

" باجی! آپ بیڈ نمبر 82 کی پیشنٹ سے ملی ہیں؟"اس نے اچانک سوال کیا

تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا

"اور سدرہ ممتاز سے؟ جو پچھلے سال آپریشن کروا کر گئی تھی؟ کل اسکا

چیک اپ تھا یہاں، مجھے ڈاکٹر امین نے اس سے ملوایا تھا کل اسکے پیروں

میں جو سکریو لگے ہیں وہ ٹائٹ ہونے تھے اور اسکی چیخیں سن کر مجھے رونا آ

رہا تھا امی بھی تب سے ڈر گئی ہیں یہ سکریو ہر ماہ ٹائٹ ہوتے ہیں اور آج 82

کی سکینہ سے ملے ہم وہ بالکل مشورہ نہیں دے رہی آپریشن کا کہتی ہے تم

بہت چھوٹی ہو ابھی برداشت نہیں کر پاؤ گی "

میں ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی" کیا یہ بہت ضروری ہے مومل؟ تم دس

فیصد پر اتنا بڑا قدم اٹھا رہی ہو؟ "

" نہیں باجی! میں سو فیصد پر قدم اٹھا رہی ہوں اللہ کے بس میں سب کچھ

ہے نا؟؟ "

اس نے نظریں فرش پر جما رکھی تھیں مجھ میں بھی حوصلہ نہیں تھا اسکو

دیکھنے کا

"ارے ہاں باجی! آپ نعت بہت اچھی پڑھتی ہیں" مومل نے اچانک

بات بدل دی تو میں نے سر اٹھایا" تمہیں کیسے پتہ؟ "

"میں نے بھی سنی تھی آج صبح آپکی آواز اور میرا دل بھر آیا تھا" وہ مسکرائی تو مجھے وہ سسکیوں کی آواز یاد آئی میں بھی مسکرا دی ،

"اللہ پاک تمھیں بہت آسانیاں دے مومل !" میں نے دل سے کہا تھا

"آپ چلیں گی سکینہ سے ملنے ؟" ہمارے وارڈ سے پہلے والے وارڈ پر اسکے قدم رک گئے میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے کا کہا اور آگے جا کر امی کو دیکھا سائرہ انکے پاس بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی میں نے اطمینان کا سانس لیا اور مومل کے پاس آگئی "چلو "

بیڈ نمبر 82 کی سکینہ اپنی امی کے ہاتھ سے پھل وغیرہ کھا رہی تھی اسکے پاؤں میں بڑے بڑے فریم گولائی میں فٹ تھے جنکی چوڑائی تقریباً دو فٹ ہو گی اور عقل یہ سوچنے سے قاصر تھی کہ اسکے ساتھ ایکسر سائز کیسے کی جا سکتی ہو گی ؟ بلکہ اسے لگا کر چلا بھی کیسے جائے گا ؟

میرا دل چاہ رہا تھا کہ مومل کو سمجھاؤں یہ رسک نہ لے وہ اسکے بغیر بھی مکمل ہے خوبصورت ہے مگر میرے الفاظ دل میں ہی رہ گئے اور میرے کانوں نے مومل کا جملہ سنا

"سکینہ ! جس دن یہ فریم نکلے گا آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ آپ خود کو کتنا خوش قسمت محسوس کریں گی اللہ سے آپ کے لیے بھی دعا کروں گی کہ آپکو اس درد کے بعد بہت سی خوشیاں اور آسانیاں دے "

ایک اٹھارہ سال کی لڑکی جو خود اسی تکلیف میں گرفتار ہونے والی تھی وہ دوسروں کے لیے کتنا حوصلہ بڑھانے والی تھی میں اپنی کم ہمتی پر شرم سار ہوئی کہ اسکا حوصلہ بڑھانے کے بجائے توڑنے کی فکر میں تھی

سکینہ مومل کا ہاتھ تھامے آنسو بہا رہی تھی جبکہ مومل اسکے ہاتھ کو نرمی سے تھپتھپاتے ہوئے کہہ رہی تھی "ہر وقت گزر جانے کے لیے ہوتا ہے جب خوشی کا وقت گزر جاتا ہے تو تکلیف کا وقت بھی گزر جاتا ہے یہ وقت بھی گزر جائے گا اور ہم ایک دن بہت آرام سے متوازن چال چل سکیں گے"

"ان شاءاللہ" میں نے بے ساختہ کہا اور وہ دونوں مسکرانے لگیں نم آلود مسکراہٹ، تکلیف کے بعد راحت کی امید و ناامیدی کے درمیان والی کیفیت میں گھری مسکراہٹ جیسے خوف کے پیچھے جھانکتی بہادری اور اندھیرے کے پیچھے آتا سویرا جیسے پہاڑوں کے پیچھے سے کرنیں بکھرتا صبح کا سورج!!

وہ سارا دن ہی میرا کسی سوچ کے تحت گزرا امی سے باتیں کرتے، انکو دوا کھلاتے، انکو ایکسرسائز کرواتے، ارد گرد کے لوگوں سے خوش گپیاں کرتے، کسی مریض کو درد کی شدت سے تڑپتے دیکھتے، کسی کا دکھ بانٹتے، کسی کی درد بھری کہانی سنتے، کسی کو فون کا نمبر ملا کر دیتے ہوئے۔۔۔بس

ایک مسلسل سوچ تھی جو دماغ کو آزاد نہیں کر رہی تھی اس سوچ کا کوئی
سرا نہیں تھا بس تھکان کا شدید احساس تھا۔۔ کوئی بار بار کان میں حدیث
کے الفاظ دہراتا تھا "تو غنیمت جان اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے۔"
آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں کاش اے میرے رب! میں تیرا شکر ادا
کرنے کا سلیقہ رکھتی!

ہسپتال کی زندگی دیکھنے کے بعد احساس ہوا تھا کہ ہم آج تک کسی ایک نعمت
کا بھی شکر ادا کر پائے ہیں؟ درد بھری بے بس زندگی جو یہاں کے لوگ
گزار رہے ہیں کوئی بھی صحت مند انسان کہاں محسوس کر سکتا ہے؟

مغرب کے بعد ہی میری آنکھیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔ آج سارا دن
گھر پر بات نہیں کر پائی تھی ٹائم دیکھا تو سات بجے تھے اب پڑھائی سے
فارغ ہونے والے ہونگے سارے بچے۔ میں نے موبائل اٹھاتے ہوئے
سوچا

میں خود بھی ٹیوشن پڑھاتی تھی، اپنے بچے اور ٹیوشن والے بچے اپنی نند کے
حوالے کر کے آئی تھی گھر کے باقی کاموں کی پریشانی عابدہ نے ختم کر دی
تھی

میرے گھر کام کرنے والی لڑکی عابدہ بہت سمجھدار تھی محبت اور خدمت
خلق کے جذبے سے سرشار! اس نے میری غیر موجودگی میں سارا گھر
سنبھال لیا تھا بلکہ وہ رات کو بچوں کے پاس ہی رک جایا کرتی تھی۔۔ میں
ان تمام لوگوں کی بہت شکر گزار تھی جو اس کڑے وقت میں میرا ساتھ

دے رہے تھے

تیسری بیل کے بعد فون اٹھالیا گیا شوہر اور بچوں سے بات کر کے تھکن کا احساس کم ہوا۔۔انہیں کل مجھ سے ملنے آنا تھا اسی سرور میں، میں اس رات میں پڑھائی نہ کر سکی جلدی سو گئی۔۔سونے سے پہلے مومل کے بیڈ کی طرف دیکھا وہ اپنی امی سے باتوں میں مصروف تھی مجھے متوجہ پا کر ہاتھ ہلانے لگی میں نے بھی ہاتھ ہلا کر ایک مسکراہٹ اسکی طرف اچھالی اور آنکھیں موندلیں۔۔

دوسرا دن چھٹی کا تھا۔آج بچے آئیں گے ملنے میری نگاہ بار بار گھڑی کی جانب اٹھ جاتی تھی ہسپتال میں دن کے نو بھی کس قدر مشکل سے بجتے تھے!! ہمارے گھر سے ہسپتال کا راستہ پورے ایک گھنٹے کا تھا آٹھ بجے ان لوگوں کو نکلنا تھا اور نو بجے تک پہنچ جانا تھا پھر ہم نے ناشتہ اکٹھے کرنے کا پروگرام بنایا اتنی دیر میری ایک کزن کو امی کے پاس رہنا تھا پھر ہم واپس آجاتے تو وہ لوگ گھر چلے جاتے اور میں اوپر امی کے پاس۔سب کچھ پلان کے مطابق ہی ہوا تھا۔ساحل سمندر رانڈس ہسپتال کے بہت قریب تھا تو ہم تھوڑی دیر کو وہاں بھی چلے گئے ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں اور سمندر کی جھاگ اڑاتی لہروں نے دل پر چھائی اداسی دور کر دی تھی ہم خوش باش واپس آئے۔ڈاکٹر فرخ نے امی کو وہیل چیئر پر نیچے جانے کی اجازت دے دی تھی۔۔نیچے کا سر سبز ماحول مریضوں کے دماغ پر اچھا اثر ڈالتا تھا اور پھر

امی کو بچوں سے ملنے کی خواہش تھی اسی سوچ کے تحت میں نے ان لوگوں کو رکنے کا کہا اور اوپر آ گئی دو تین خواتین کی مدد سے امی کو وہیل چیئر پر بٹھا کر نیچے لے کر گئی کافی دیر ہم نے خوب باتیں کیں، میرا بیٹا امی کو پورا ہسپتال گھمارہا تھا خوش مگن باتیں کرتی مسکراتی امی! میں شاد نظروں سے انہیں دیکھتی رہی دعا کرتی رہی !

تقریباً بارہ بجے وہ لوگ گئے پھر ہم اوپر آ گئے امی کو بیڈ پر لٹا کر میں بھی آرام سے بینچ پر بیٹھ گئی۔ ہمارے برابر والے بیڈ پر کوئی نئی فیملی نظر آرہی تھی بیڈ پر بیٹھی خاتون سندھی لگ رہی تھیں انکے ارد گرد موجود لوگ بھی اونچے لمبے سرخ سفید سے تھے اتوار کی وجہ سے سب جگہ لوگ نظر آرہے تھے۔ کھانا آگیا تو سب کھانے میں مصروف ہو گئے میں امی کو کھلا کر خود کینٹین گئی آج دال روٹی بنی تھی کھا پی کر واپس آئی۔۔سب کے پردے تھوڑے تھوڑے آڑ کیے ہوئے تھے لہذا میں بھی نماز سے فارغ ہو کر پردہ برابر کر کے پڑھنے بیٹھ گئی۔ ساڑھے تین بجے میں بھی تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گئی ایک گھنٹہ بعد دوائیں آگئیں۔ ملنے کا وقت ختم ہو رہا تھا تیمار دار ڈیوٹیاں بدل رہے تھے سٹاف بھی اپنی ڈیوٹی دوسروں کو ہینڈ اوور کر رہے تھے پانچ بجے تک سب ختم ہو چکا تھا اور ہسپتال کا مخصوص خاموش اور پر سکون ماحول لوٹ آیا تھا۔ جب میں عصر کی نماز پڑھنے جارہی تھی تو مومل کے ساتھ ایک صحت مند مگر پیاری سی لڑکی کو دیکھ کر رکی۔ مومل نے سمجھ کر میرا تعارف کروایا" یہ میری بہن ہیں باجی! ایمن نام ہے شی از میریڈ، آج یہ

رہیں گی میرے پاس" میں اس سے مل کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی نماز کے دوران کسی کی موجودگی کا احساس ہوا نماز کے بعد دیکھا تو سفید چادر میں لپٹی مومل کھڑی تھی میں وہیں بیٹھی رہی ساتھ واپسی کے خیال سے پھر واپسی میں مومل نے بتایا کہ کل اسکا آپریشن ہے۔ میرا دل زور سے دھڑکا تھا (یا اللہ رحم فرمانا)

"تو تم نے آپریشن کا پکا فیصلہ کر لیا ہے مومل؟ "

"فیصلہ تو پکا ہی تھا باجی! آج امی گئیں ہیں گھر کہتی تھیں صدقہ دے کر آئیں گی میرا، پھر میرا آپریشن ہو گا تو کل وہ یہیں ہونگی "

"اللہ پاک بہت اچھا کرے گا تمھارے حق میں" میں نے خدشات کو جھٹکتے ہوئے دعا کی

اس کے بعد سے لے کر اگلے دن تک میں مومل کا بہت خیال رکھتی رہی پتہ نہیں لاشعوری طور پر میرا دل اس بچی سے بہت مانوس ہو گیا تھا رات دیر تک میں مومل اور اسکی بہن سے باتیں کرتی رہی انہوں نے کچھ نعتیں بھی سنیں مومل کے منگیتر کا ذکر بھی آیا۔ احمر! انکی آپس کی پسندیدگی کی وجہ سے سب کیسے راضی ہوئے؟ یہ ایک الگ قصہ تھا مگر سب کو راضی کرنے کا کام بھی مومل نے بہت بے جگری سے کیا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ لڑکی بہت کم عمری میں بہت سے فیصلے کرنے پر اور انکو منوانے پر قدرت رکھتی تھی بہت مضبوط قوت ارادی کی مالک لڑکی ہر لمحہ مجھے اپنے دل کے قریب محسوس ہو رہی تھی

اگلے دن اسکے آپریشن سے پہلے میں جانماز پر بیٹھ کر دعا مانگنے لگی۔ بہتے آنسو اور رحم کی درخواست اور میں کیا کر سکتی تھی اس کے لیے ؟ اسکی امی بھی مستقل تسبیحات میں مشغول تھیں۔ اللہ کیسے کیسے بہانے سے اپنے بندے کو اپنا بنالیتا ہے۔ یہ میں نے ہسپتال کی زندگی میں دیکھا تھا !

مومل کا آپریشن کامیاب ہوا تھا۔ دس دن وہاں رہی مومل اس دوران میرا اور اسکا تعلق اسقدر مضبوط ہو گیا کہ اسکی امی بھی اکثر دن میں دو تین گھنٹے گھر جا کر آرام کر آتیں اور مومل میرے حوالے ہوتی امی کے ساتھ اسکی دوائیں اور ایکسر سائز کا خیال رکھنا مجھے بہت مطمئن کیا کرتا تھا۔ دس دن کے بعد مومل کو ڈسچارج کر دیا گیا اب اسے ہسپتال صرف چیک اپ کے لیے آنا تھا ! جاتے جاتے میں نے اس سے کہا۔۔۔

''مومل ! ایک وعدہ کرو مجھ سے، تم جب بالکل صحت یاب ہو جاؤ گی تو مجھ سے ملنے میرے گھر آؤ گی، ہائی ہیل پہن کر !'' اور وہ کھلکھلا کر اپنی مخصوص ہنسی ہنس دی تکلیفوں کو چھپا کر مسکرانے والے کس قدر عظیم ہوتے ہیں۔۔ میں نے اسکی آنسوؤں سے جھلملاتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اسکے ماتھے پر پیار کیا تھا

ہم تقریباً ڈیڑھ ماہ وہاں رہے امی کے ایک پیر کے ٹانکے میں کچھ مسئلہ ہو گیا تھا لہٰذا دوبارہ آپریٹ ہونا تھا۔ امی بہت پریشان تھیں میں تو اپنی پریشانی کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بہر حال اللہ پاک سارے وقت گزار دیتا ہے

ہمارا ابھی یہ کڑا وقت گزر گیا، بہت کچھ ہے آپ سب کو بتانے کے لیے
سنانے کے لیے پھر کبھی وقت نے اجازت دی تو ضرور شئیر کروں گی۔
بہت سے نئے دوست بنے تھے سندھی بزرگ خاتون بھی مجھ سے بہت
پیار کرنے لگی تھیں اپنے بچوں میں وہ "مٹھڑی امی" کے نام سے مشہور
تھیں اور مجھ سے بھی یہی کہنے کی فرمائش کی جو میں نے بخوشی قبول کیا جب
ہم وہاں سے واپس آرہے تھے تو میرا دل اللہ کے حضور جھکا جا رہا تھا
آنکھوں شکرانے کے آنسو اور ہونٹوں پر اسکی کبریائی۔ دل کچھ اور اللہ کی
عظمت کا قائل تھا آج!

مومل سے میرا فون پر رابطہ تھا ہفتہ دس دن پر ایک آدھ میسج ہمیں ایک
دوسرے کے بارے میں خبر دے دیا کرتے تھے۔ ایک سال کے بعد وہ
کچھ بیزار سی رہنے لگی تھی۔ میں حوصلہ بڑھانے کی پوری کوشش کرتی وہ
پھر سے مسکرانے لگتی۔ دھیرے دھیرے ہمارے آپس کا رابطے کم ہونے لگے
زندگی کی بھاگ دوڑ میں پورے تین سال گزر گئے۔ ایک دن ایک میسج
دیکھ کر میں حیران رہ گئی

دن رات کے آنے جانے میں
دنیا کے عجائب خانے میں
کبھی شیشے دھندلے ہوتے ہیں، کبھی منظر صاف نہیں ہوتے
کبھی سورج بات نہیں کرتا
کبھی تارے آنکھ بدلتے ہیں

کبھی منزل پیچھے رہتی ہے

کبھی رستے آگے چلتے ہیں

کبھی آسیں توڑ نہیں چڑھتیں

کبھی خدشے پورے ہوتے ہیں

کبھی آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں

کبھی خواب ادھورے ہوتے ہیں

یہ تو سب صحیح ہے لیکن

اس آشوب کے منظر نامے میں

دن رات کے آنے جانے میں

دنیا کے عجائب خانے میں

کچھ سایہ کرتی آنکھوں کے، پیماں تو دکھائی دیتے ہیں!

ہاتھوں سے اگرچہ دور سہی، امکاں تو دکھائی دیتے ہیں!

ہاں، ریت کے اس دریا سے ادھر

اک پیڑوں والی بستی کے

عنواں تو دکھائی دیتے ہیں!

مومل کا میسج کافی عرصے کے بعد آیا تھا

"باجی! میں اپنی زندگی سے بہت بیزار ہو گئی تھی ایک سال کے بعد دل بہت شاکی ہو گیا اور ڈیڑھ سال میں تو لگتا تھا میں سب کو کاٹ کھانے لگی

ہوں ہر کوئی بات کرتے ڈرنے لگا تھا مجھ سے۔ پھر ایک دن میں نے سوچا
مجھے کچھ چینج کی ضرورت ہے
مجھے لگتا تھا مومل نام مجھے سوٹ نہیں کرتا اور مجھے اپنا نام بدل کر فاطمہ رکھ
لینا چاہیے اس لیے میں اب مومل نہیں فاطمہ ہوں ایک بہادر لڑکی مجھے
بیزار نہیں ہونا مجھے اپنی زندگی جینا ہے امید قائم رکھتے ہوئے یہ درد یہ
تکلف کبھی تو ختم ہونگی نا؟ مجھے اس وقت کا انتظار کرنا ہے۔ مشکل تھا باجی
بہت مشکل تھا سوچنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آج تین سال بعد
مجھے اس تکلیف سے مکمل نجات مل گئی ہے اب میں آسانی سے چل پھر
سکتی ہوں۔ آپ کو اپنی منگنی کی تصویر بھیج رہی ہوں جو کہ میر یصحت یابی
کی خوشی میں بہت دھوم دھام سے ارینج کی گئی ہے۔"
اس میسج کے بعد اس نے مجھے ڈھیروں تصویر بھیجی ہنستی مسکراتی مومل!
کہیں اپنی بہنوں کے ساتھ کہیں اپنی امی کے ساتھ پھولوں اور تحائف میں
گھری بہادری سے سامنے دیکھتے ہوئے اسکی آنکھوں میں زندگی کے لیے
کھلا چیلنج تھا یا مجھے محسوس ہوا تھا! میرا بہت شدت سے دل چاہا تھا اس سے
ملنے کا مگر وقت اور حالات اجازت نہیں دے رہے تھے بے تحاشا
مصروفیت کے باعث میں تصویر میں ہی ہر منظر کو دیکھ کر دل سے اسکے
لیے دعا کرتی جا رہی تھی آخری تصویر دیکھ کر میں خوشی سے رو پڑی اسکی
سائیڈ پوز سے ایک بے حد جاندار مسکراہٹ والی تصویر تھی وہ بالکل
سیدھی کھڑی تھی ہائی ہیل میں! زندگی میں آزمائشیں تو آتی ہیں سب ہی

کی زندگی حادثات اور تجربات کا مرکب ہوتی ہے مگر ہم نے اس مشکل سے نکلنے کی کتنی سعی کی کتنے ہاتھ پیر مارے اور دکھ اور تکلیف کے لمحات کو کیسے کاٹا یہ بہت معنی رکھتا ہے، رو رو کر گزارنے والوں کا وقت بھی گزر ہی جاتا ہے اور ہنستے مسکراتے موج حوادث سے کھلنے والوں کا بھی مگر دونوں کا انجام بہت مختلف ہوتا ہے ایک اپنے ارد گرد بسنے والوں کو ڈپریشن اور اذیت میں رکھتا ہے جبکہ دوسرا اپنے ارد گرد رہنے والوں کو جینے کا حوصلہ سکھا دیتا ہے میں نے بھی مومل سے جینے کا ڈھنگ سیکھا تھا۔ اسکی مسکراہٹ صرف مسکراہٹ نہیں ایک امید افزا پیغام تھی میرے لیے

ابھی چند دن پہلے میری مومل سے بات ہوئی میں نے اس سے گھر آنے والے وعدے کا پوچھا تو کہنے لگی آفس سے چھٹی نہیں ملتی کچھ دیر بعد اس نے کہا کہ باجی! آفس سے گھر آکر آپ سے بات کرتی ہوں میں حیران ہوئی

"تم جاب کرنے لگی ہو کہیں؟ "

"جی باجی ایک کمپنی میں انٹیریر ڈیکوریٹر کی جاب ہے بہت دنوں بے مصرف زندگی گزاری ہے اب کچھ مصروف رہنے کا ارادہ ہے" تب مجھے پتہ چلا کہ اس نے ان مشکل گھڑیوں میں اپنی تعلیم بھی جاری رکھی تھی آنا جانا بھی کرتی رہی ہے جو کچھ مجھے ناممکن لگتا تھا وہ سب اس نے ممکن کر دکھایا تھا

"کہاں بے مصرف زندگی رہی تمہاری؟ اتنا کچھ تو کر لیا تم نے ماشاءاللہ"

میں نے چند لمحے توقف کیا پھر پوچھا"مومل تم پر ایک کہانی لکھوں؟بہت دل چاہتا ہے ایک بہادر لڑکی کی کہانی لکھنے کو اگر اجازت ہو تو؟"اسکا جواب اگلے دن آیا

"آاآآ۔۔۔ مجھ پر؟؟جی اس میں اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ایم فیلنگ سو لکی، تھینک یو سو مچ لو ویو۔۔"

کیسا لگا آپ سب کو ایک بہادر لڑکی کا یہ مشکل سفر؟؟اپنی رائے سے آگاہ کیجیے گا

اللہ پاک آپ سب کو آسانیاں عطا فرمائے اور دوسروں کے لیے امید جگانے کا سبب بنائے ناامیدی کا نہیں!



۲

تاروں کے قافلے

صحرا کی تپتی دھوپوں میں گلگت کی کٹھن شاہراہوں میں
کشمیر کی اونچی فضاؤں میں سرحد کے گرم کوہساروں میں
جب گونجی صدائے قرآنی میرے دل سے صدا یہ آئی ہے
میری ماں تیری رب سے یاری رہے
اور ترے اجر زیادہ ہوں۔

غفلت کی کہر میں ڈوبے ہوئے ایک روشنی پھوٹتی پائی ہے
جب خانہ دل آباد ہوا تب دل کی فصل لہرائی ہے
جب چھٹتے گئے سب اندھیارے میرے دل سے صدا یہ آئی ہے
میری ماں تیری رب سے یاری رہے اور تیرے اجر زیادہ ہوں

طوفان کئی اٹھتے ہی رہے اپنے بھی زخم لگاتے رہے

بیگانے تہمتیں دھرتے رہے کئی جام زہر کے بھرتے رہے

تیرا عزم مصمم دیکھا تو میرے دل سے صدا یہ آئی ہے

میری ماں تیری رب سے یاری رہے

اور ترے اجر زیادہ ہوں

ہم پھول تیرے گلشن کے ہیں ہم جاری تیرا صدقہ ہیں

ہم تیرا عزم نبھائیں گے قران کے دیپ جلائیں گے

معصوم یہ جذبے بولے تو میرے دل سے صدا یہ آئی ہے

میری ماں تیری رب سے یاری رہے

اور تیرے اجر زیادہ ہوں

غفلت کی کہر میں ڈوبے ہوئے ایک روشنی پھوٹتی پائی ہے

جب خانہ دل آباد ہوا تب دل کی فصل لہرائی ہے

جب چھٹتے گئے سب اندھیارے میرے دل سے صدا یہ آئی ہے

میری ماں تیری رب سے یاری رہے اور تیرے اجر زیادہ ہوں

پرجوش آواز میں ترانہ پڑھتی طالبات کو دیکھ کر ہیڈ اف جامعہ، محترمہ جان جی کی آنکھیں جانے کیوں آج نم ہو گئیں، جب وہ سٹیج پر تشریف لائیں تو تمام طالبات اور اساتذہ نے انتہائی مودب طریقے سے خاموشی اختیار

کرلی۔ "پیاری بچیوں!" جان جی کی مدھر آواز گونجی تو ہزاروں کے جلسے نے بیک آواز کہا" جی جانجی؟" آج میں تم لوگوں سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں یہ جو ہر سال ہم سالانہ اجلاس کرتے ہیں اور یہ جو تم اتنی دل کی گہرائیوں سے یہ نظم پڑھتے ہو تو اسکا مقصد معلوم ہے؟" سب خاموش رہے " ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ فسادات عروج پر ہیں تم لوگوں کو کیا محسوس ہوتا ہے کہ تم جس راستے پر چل نکلی ہو یہ بہت آسان ہے؟ لوگ کھڑے کھڑے تمھیں دہشتگرد اور بنیاد پرست قرار دینگے، اسلام کی بات کر کے تو دیکھو ایمان کا نام لیکر تو دیکھو!" شفیق مسکراہٹ میں رنج کی ہلکی سی آمیزش ہوئی تھی طالبات اور اساتذہ اپنی جان سے پیاری استاد کی تکلیف پر مچل کر رہ گئیں مگر ادب کا تقاضا تھا کہ خاموشی سے

بات کے مکمل ہونے کا انتظار کیا جائے!" ایمان کے راستے پر چلنا بہت مشکل اور پر خطر ہے، جو چل پڑے ہیں ذرا ان سے پوچھ کے تو دیکھو کبھی،

زخم رہبر بھلا ہو ترے اشک کا

میں تو چلتا رہا موتی چنتا رہا

آنسوؤں کا نمک جانجی کے گلے میں گھلا تھا اور ساری فضا میں پھیل گیا تھا "میری شہزادیو! ہمارے نبی سرور کونین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آسانیاں ہمیں دی ہیں ان کے لیے آپ نے کیا دکھ اٹھائے؟ کیا مشقتیں جھیلیں؟ کوئی سمجھ سکتا ہے؟ اگر نہیں تو بس اتنا ہی سوچ لے کہ جس پر

اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں وہ کوئی تو کمال کر گیا ہوگا ناں؟ ہماری زندگی میں تو بس عیاشی باقی رہ گئی ہے اور صبر کس چڑیا کا نام ہے یہ ہم جان ہی نہیں سکتے! ہم تو ایذا کے سارے طریقے سوچنے کے بعد بدلے کے تمام قوانین پڑھنے کے بعد جب ہار جاتے ہیں اور بے بس ہو جاتے ہیں تو صبر کر ہی لیتے ہیں! کیوں؟" جانجی نے مسکراتی نظروں سے مجمع پر نظر ڈالی سب خفت زدہ چہرے کے ساتھ مسکرا دیے، بات تو سچ ہی تھی آج صبر کے معنی یہی ہیں!" لیکن میری بیٹیو! سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ کیا اوصاف و کردار ہوتے ہیں کہ اللہ خود بھی درود بھیجتا ہے اور اپنے بندوں سے بھی بھیجنے کا کہتا ہے؟" جانجی پانی کا گلاس ہاتھ میں لیکر دوبارہ مخاطب ہوئیں پھر پانی پیا اور بات کو وہیں سے جوڑا کہاں سے ٹوٹی تھی۔" جو تمام زمانے کے لئے معلم بنا کر بھیجے گئے تھے انسانوں نے تو انکو بھی نہیں بخشا اور وہ پھر بھی دعائیں ہی کرتے رہے نا اہلا متکے لئے

کبھی اے عنایت کم نظر! تیرے دل میں یہ بھی کسک ہوئی
جو تبسم رخ زیست تھا اسے تیرے غم نے رلا دیا!!!

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثوں کی بات کی جائے؟" جانجی کی بات پر سب مسکرا اٹھے بھلا نبی پاک کے وارثوں کا ذکر آتا اور جان جی کا ذکر نہ آتا؟" آج میں تمھیں یہ بتاؤں گی میری بیٹیوں کہ جانجی کو جانجی بنایا کس نے؟ جان جی کی کہانی تمھیں بس اتنا ہی پتا ہے نہ کہ اس نے دین کی خاطر اپنا گھر بار رشتے دار سب چھوڑ دیے، آج اسکا کوئی نہیں سوائے تم

سب کے ! مگر کیا تم لوگ جانتے ہو کہ جانجی کا تعلق کہاں سے تھا؟ وہ کون تھی؟اور یہاں تک کیسے پہنچی ؟"سب دم بخود سے انہیں ہی دیکھ رہے تھے یہ تو وہ باب تھا جس کو کھولنے کی آرزو سب کے دل میں تھی مگر کھول دینے کی جسارت کسی میں نہیں !

"انیتا ! تمہیں معلوم ہے،اردو کی نئ ٹیچر آ گئی ہیں ؟"

انیتا آج دو دن بعد اسکول آئی تو سدرہ نے اسے کلاس روم میں بیٹھتے ہی خبر سنائی۔

"نئ ٹیچر ؟"خوف اور اکتاہٹ کے ملے جلے تاثر انیتا کے چہرے پر ابھرے،

"ہمم"سدرہ نے بغور اسکا جائزہ لیا اسکا چہرہ متفکر ہو رہا تھا،اتنی مشکلوں سے تو مس عاصمہ سے کچھ ہم آہنگی ہوئی تھی ! اب نئے سرے سے سب کچھ ! تمام سوالوں کے جواب اور ناپسندیدگی کا سامنا ! ہو نہہ ان مسلمانوں کے درمیان رہنا بھی مصیبت سے کم نہیں جانے کب میرے ابّو کا ٹرانسفر یہاں سے ہو گا اور میری جان چھوٹے گی ان سے)انیتا انتہائی بیزاری سے نئ مس کا انتظار کرنے لگی

تھوڑی ہی دیر میں سنجیدہ اور باوقار سی ہستی دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمائے ٹیچرز کا مخصوص گاؤن پہنے کلاس میں داخل ہوئیں۔قدرے ادھیڑ عمر اور

سخت مزاج! یہ پہلا تاثر تھا جو مس شاکرہ کا اسکے دل میں بنا تھا(یہ یقیناً مجھ سے امتیازی سلوک کریں گی)اسکا یقین اس وقت پختہ ہو گیا جب مس شاکرہ نے گڈ مارننگ کے بجائے السلام علیکم کرنے کو کہا!،اور وہ بھی صحیح تلفّظ کے ساتھ! انیتا دو دن کے بعد آئی تھی اس لئے اسکا تعارف ابھی باقی تھا، حاضری کے بعد مس شاکرہ نے اسے کھڑا کر دیا، آپ کا نام انیتا ہے؟"جی"انیتا نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔"آپکی نظر کمزور ہے؟""جی؟"اسنے مزید گھبرا کر حیرت سے پوچھا"اگر آپکی نگاہ کمزور ہے تو پلیز آپ آگے بیٹھا کریں"مس شاکرہ نے کہا تو وہ حیران نظروں سے انہیں دیکھنے لگی،"مدحت بیٹا! آپکا قد لمبا ہے اور آپ سمجھدار بھی ہیں تو آپ ان کو اپنی جگہ دینگی؟ اپنے کمزور ساتھیوں کا ساتھ دینا اللہ پاک کو بہت پسند ہے"انکی شفیق مسکراہٹ کے ساتھ ادا کیے گئے جملے نے مدحت جیسی منہ زور اور خود سر لڑکی کو بھی تابعداری سے بات ماننے پر مجبور کر دیا"مس! شی از ناٹ اے مسلم"دبی دبی سی آواز جانے کس سمت سے آئی تھی، مگر انیتا اپنی جگہ پر دوبارہ بیٹھنے کا سوچنے لگی تھی اسے یقین تھا کہ اب مس شاکرہ کی مہربانیاں ختم ہو جاینگی۔ مس شاکرہ کا چہرہ لمحے بھر کو سرخ ہوا اور پھر دوبارہ مدھم سی مسکراہٹ واپس آگئی"تمام ہم جماعت برابر ہیں جو باصلاحیت ہیں انہیں کمزوروں کی مدد کرنا چاہیے اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں اپنے ساتھیوں اور ہمسائیوں کے حقوق کا علم ہونا چاہیے، آپکو معلوم ہے کہ ہم جماعت بھی ہمسائے ہوتے ہیں۔یہ مس

شاکرہ سے انیتا کا پہلا تعارف تھا۔اس نے آج تک مسلمانوں کے بارے
میں جو کچھ سنا تھا، وہی دیکھا بھی تھا، انکا اخلاقی اقدار سے کوئی خاص واسطہ
نہیں تھا، سب ہی اسکے غیر مسلم ہونے پر اس سے کھچے سے رہتے، مذہبی
تعصب ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا! مگر آج مس شاکرہ نے
انوکھی مثال قائم کی تھی! اور پھر انیتا مس شاکرہ کی نرمی، محبّت اور ہلکے
پھلکے طنز و مزاح کے ساتھ بہترین انداز تربیت کی قائل ہوتی چلی گئی

انیتا! یہ کیا لکھا ہے؟" ایک دن واحد جمع کے ٹیسٹ کی
چیکنگ کے دوران مس شاکرہ نے اچانک ہی انیتا کو کھڑا کر دیا، اب انیتا
قدرے خود اعتمادی کا مظاہرہ کرنے لگی تھی "مس! یہ لکھا ہے شاعر_
شعراء، "اچھا؟" مس شاکرہ پر لطف انداز میں مسکرائیں "میں سمجھی یہ
شاعد-شعداء لکھا ہے!" انکے کہنے پر انیتا اپنی غلطی کو محسوس کر کے ہنس
پڑی، پھر مس نے اسے پیار سے راور د کا فرق سمجھایا جو ساری
زندگی کے لیے اسے کافی ہو گیا! مس شاکرہ کا انداز نہایت منفرد تھا وہ
کسی کی غلطی نظر انداز نہیں کرتی مگر اس پر گرفت اس طریقے سے کرتی
تھیں کہ بچے خود آیندہ وہ غلطی دوبارہ نہ کرتے کلاس میں ایک بچی کی
عادت تھی کہ کاپی کے پیچھے نقش و نگار بنا کر بے دریغ صفحات کو پھاڑا
کرتی تھی اسکا نام شیریں گل تھا، ایک دن مس نے اسے کھڑا کر دیا، شیریں
گل! یہ آپ نے کیا شیریں شیریں گل بنائے ہوئے ہیں!!" شیریں حیران

ہو کر مس کو دیکھنے لگی اور جب مس نے کاپی کا رخ اسکی طرف کیا تو مختلف
پھول اور نقش و نگار دیکھ کر اس سمیت تمام کلاس ہنس پڑی۔ اس دوران
مس شاکرہ مسکراتی رہیں پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے شیریں کو مخاطب
کیا"شیریں بیٹا! ہمیں اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہے، جو چیز جس
مصرف کے لئے ہے اسے اسی مصرف میں لانا چاہیے نا؟ اگر کسی چیز کا
بے جا استعمال ہو تو کیا اس کی پکڑ نہیں ہو گی؟ جبکہ فرمان الٰہی ہے کہ، نیکی یا
بدی اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہو تو اللہ پاک روز محشر اسے
سامنے لے آئیں گے۔ تو کیا تمہارے پاس کوئی وجہ ہو گی کہ یہ صفحات جو
اللہ نے علم کی باتیں درج کرنے کے لئے تمھیں عطا کیے ہیں وہ تم نے
اس طرح کیوں ضائع کر دیے؟" تمام کلاس میں ایسی خاموشی تھی کہ اگر
سوئی بھی گرتی تو آواز سنائی دیتی۔ "اگر تمھیں نقش و نگار بنانے کا یا
مہندی کے ڈیزائن بنانے کا شوق ہے تو اسکے لئے تمہاری ڈرائنگ بک
ہے جسے تم ان کاموں کے لئے استعمال کر سکتی ہو آرام سے!" شیریں
نے نہ صرف اپنی غلطی کا اعتراف کیا بلکہ آیندہ نہ کرنے کا عزم بھی کیا۔

اس طرح کے اور بھی بہت سے واقعات تھے جن کی وجہ سے
انیتا کے دل میں مس شاکرہ کی عزت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا،
اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اسکے دل میں جو کدورت اور ناراضگی
بھری ہوئی تھی وہ دھیرے دھیرے کم ہونے لگی۔

پھر مس شاکرہ کو اسلامیات کا سبجیکٹ پڑھانے کے لئے بھی مقرر کر دیا گیا، انیتا مس شاکرہ کی محبّت میں اپنا ایتھکس کا پیریڈ چھوڑ کر اسلامیات کا پیریڈ اٹینڈ کرنے لگی۔ اسکی ہم مذہب ساتھیوں نے کافی سمجھایا مگر اس نے جیسے کچھ ٹھان رکھی تھی، مس شاکرہ جس طرح قران کا ترجمہ و تفسیر سنایا کرتی تھیں اور مختلف انبیائے کرام کے قصّے سنایا کرتی تھیں وہ سب اسکے لئے بہت حیرت انگیز تھا، گوکہ یہ سب اسکی کتابوں میں بھی تھا مگر انتہائی مختلف انداز میں، آہستہ آہستہ تمام ہم جماعتوں کا رویہ اسکے ساتھ بہتر ہونے لگا تھا وہ سب اسکو اپنے ساتھ لنچ اور مختلف گیمز میں بھی شامل کرنے لگی تھیں۔

اسلامیات کے پیریڈ میں مس شاکرہ جن اسلامی حدود یا احکامات کا ذکر کرتیں انیتا خود انکو اسکی عملی تفسیر پاتی تھی، اس نے پہلی بار مسلمانوں کے بارے میں سنی سنائی باتوں کو غلط پایا تھا۔ وہ مس شاکرہ کی مدد سے باقاعدہ دین سیکھنے لگی تھی انہوں نے بھی کبھی اسکی حوصلہ شکنی نہیں کی اسکے ہر سوال کا جواب دیا اور اس وقت تک دیا جب تک وہ مطمئن نہیں ہو جاتی۔ وہ اکثر اسے اپنے گھر بھی بلا لیا کرتی تا کہ کسی سوال کا تفصیلی جواب دینا ہو تو دیا جا سکے، یہ بھی ایسا ہی دن تھا بہت ساری باتوں کے دوران انیتا کچھ

الجھی الجھی سی لگ رہی تھی مس شاکرہ نے پوچھا تو کچھ دیر کی خاموشیکے بعد اس نے اپنی عزیز استاد سے ایک انوکھا سوال کر ڈالا۔۔۔۔

اگر کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرے تو آپکے یہاں اسکو کتنی جگہ ملتی ہے؟"مس شاکرہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو گئیں سوال ایسا تھا کہ جواب دینا اور اس جواب سے انیتا کا مطمئن ہو جانا دونوں بہت ضروری تھے۔ تم یہ سوال کسی خاص تناظر میں پوچھ رہی ہو انیتا؟"جی ہاں"۔اس نے سر ہلایا تو"کسی غیر مسلم کا ساتھ دینے پر قران مجید میں آیات بھی موجود ہے،نو مسلم کی جان و مال دونوں سے مدد کی جائے گی"ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ انیتا کے چہرے پر بکھر گئی"یہ بات عمل میں ہے مس؟"" میں اپنی حد تک ضمانت دے سکتی ہوں"مس شاکرہ نے برجستہ کہا"آپکو معلوم ہی مس میں ایک مسلمان باپ کی بیٹی ہوں،میری امی پہلے ہندو تھی انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد میرے والد سے شادی کی تھی، مگر قبول اسلام کے باوجود میرے ابّو کے گھر والوں نے میری امی سے وہ سلوک کیا جس کے کرنے کا حکم کسی غیر مسلم کے ساتھ بھی نہیں ہو گا!توبہ کے دروازے تو سورج کے مغرب سے نکلنے کے بعد بند ہونگے ناں؟تو جو پیدائشی مسلمان ہیں انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ بعد میں آنے والوں کو جگہ ہی نہ دیں؟میری امی راتوں کو جاگ جاگ کر روتی تھیں اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتی تھیں،میں نے سنا ہے اللہ کو آنسو کا وہ قطرہ بہت محبوب ہے جو رات کی تاریکی میں اللہ کے خوف سے بہہ نکلا ہو

!اور آپ کہتی ہیں کہ جو شخص اسلام قبول کر لے اسکے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے نیا پیدا ہونے والا بچہ ؟آپ کسی حدیث کا حوالہ بھی دیتی ہیں، مگر میں یہ کیسے مان لوں؟ میں نے تو نئے دین میں داخل ہونے والے کے لئے بہت تنگی دیکھی ہے، میری امی کی وصیت تھی کہ میں مسلمان رہوں مگر مجھے کوئی شوق نہیں لاوارث ہو کر مرنے کا جیسے میری امی۔۔۔"آنسوؤں کا گولہ اسکے حلق میں اٹک گیا اور وہ خاموش ہو گئی مس شاکرہ نے بے اختیار ہی اسکا ہاتھ تھام لیا" بڑے بڑے وارثوں کا مان کرنے والے لاوارث گئے ہیں انیتا! تمہاری امی کے اعلی مرتبے کو اگر تم جان لو تو سب سے پہلے ان کے پیچھے دوڑ لگا دو"""دل تو میرا بھی چاہتا ہے، میری امی نے اور کوئی خواہش نہیں کی ساری زندگی سوائے اسکے کہ میں اسلام میں رچی بسی زندگی گزاروں مگر میرے ساتھ جس طرح کا برتاؤ لڑکیاں رکھتی ہیں یہاں وہ مجھے روکتا ہے مسلمان کہلانے سے، مجھے لگتا ہے میں بھی اپنی امی کی طرح سسک سسک کر دنیا سے چلی جاؤنگی! انہیں انتہائی بیماری کی حالت میں میرے ابو کے گھر والے میری نانی کے گھر چھوڑ اے تھے میری بھی پرواہ نہیں کی انہوں نے"تاسف اسکے لہجے سے عیاں تھا

"مسلمان صرف اللہ کا اسرا ڈھونڈتا ہے انیتا!"مس نے نرمی سے اسکا ہاتھ تھپتھپایا

"مس اگر میں مسلمان نہیں تو صرف اس بات پر کہ میں مسلمان نہیں مجھ
سے تعصّب رکھنا کسی مسلمان کے لئے ٹھیک ہو گا؟" اس نے اچانک سر
اٹھا کر انکی طرف دیکھا
مس شاکرہ خاموشی سے اسے سن رہی تھیں "میں تو اپنے کسی عمل کو کسی
مسلمان کے عمل سے مختلف نہیں پاتی، ہم اپنے عظیم لوگوں کی مورتی
بناتے ہیں آپ عظیم لوگوں کی قبریں سجاتے ہیں، شرک کے جو معنی
آپ بتاتی ہیں اور جو مطلب آپ سمجھاتی ہیں اسکے مطابق تو کسی ہمسائے
سے بھی یہ سوچ کر ملنا کہ آج تعلقات بنائیں گے تو کل فائدہ ہو گا، شرک
ہوا ناں؟؟ یعنی اللہ کی ذات کے سوا کسی اور سے کوئی امید رکھنا! میں نے
تو اپنی ہم جماعتوں کو معمولی سے ربر پر لڑتے دیکھا ہے، تو اخلاق
حسنہ کے طریق پر تربیت کن لوگوں کی ذمہ داری تھی؟ جو احکامات آپ
بتاتی ہیں کیا وہ صرف آپکے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم
) کے کرنے کے کام تھے؟ جو سبق آپ پڑھاتی ہیں اس میں تو پیغام
محبّت پھیلانا ہے، سب کے لئے ایک اللہ کی محبت میں بندھ جانا کافی ہے
تو پھر یہ آپس کے تفرقات جو خود مسلمانوں میں ہیں انکا کیا مقصد؟ یہ تو
ایک اللہ ہی کو مانتے ہیں ناں؟ یا پھر میں یہ سمجھوں کہ مسلمان نام ہی دل
میں تعصب کو پالنے والوں کا ہے! چاہے غیر مسلموں سے پالے یا
مسلمانوں سے پالے!"
"اسکے الفاظ تلوار کی طرح تھے جو مس شاکرہ کے کلیجے کو کاٹتے جا

رہے تھے

(یااللہ مجھے تیرے دین کے کامل ہونے پر کوئی شک نہیں، پر تیرے بندوں نے ترے دین کی شکل اس قدر مسخ کر دی ہے کہ ہر کوئی ہم سے شاکی ہو گیا ہے، میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کروڑوں سلام مگر انکی امت اس لایق کہاں ہے کہ انکی سنتوں کو زندہ کر سکے، لوگوں کی اٹھنے والی انگلیوں کا رخ موڑ سکے ؟اے میرے مالک تو بزرگ و برتر ہے تیری عظمتوں کا واسطہ اپنے دین کی طرف اٹھنے والی انگلی کا رخ موڑنے کی صلاحیت دینا اپنی اس گنہگار بندی کو! مدد یارب العالمین مدد!)اور جب مدد اللہ پاک سے مانگی جائے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے دین پر مدد طلب کرنے والوں کی مدد نہ کرے ؟

"یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ جو سنتیں اور صفتیں آپ اپنے نبی کی بتاتی ہیں انکا سرے سے کوئی وجود ہی نہ ہو اور یہ سب خود کو جھوٹی تسلی
دینے کے لئے کرتی ہوں؟"اپنی بات کہہ کر وہ خود ہی چپ ہو گئی تو مس شاکرہ اسی شفیق انداز کے ساتھ مخاطب ہوئیں "تمھیں پتہ ہے انیتا، دین کی باتیں کرنا بہت آسان ہوتا ہے، دین کی راہوں پر چلنا بہت مشکل ہوتا ہے ؟تم یہ کہہ سکتی ہو کہ مسلمان سہل پسندی کا شکار ہو گئے ہیں، مگر یہ مت کہو کہ یہ باتیں ہی جھوٹی ہیں! جھوٹی باتیں اتنی پائدار نہیں ہوتیں کہ سالہا سال تک دہرائی جاتی رہیں، لوگوں کے پاس قصّے کہانیوں کی کمی نہیں، تم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھو، تمہیں یہ سب جھوٹ لگتا ہے ؟"

انیتا گم صم سی بیٹھی تھی "جھوٹ نہیں لگتا مس میں تو خود اس دین کی سچائی کی قائل ہونے لگی ہوں مگر جب اسکی اچھائی کے بارے میں کوئی لفظ بھی منہ سے نکالتی ہوں تو عجیب عجیب باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور مزے کی بات کسی عام سے مسلمان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا تو جب عام لوگ دین کی سمجھ حاصل نہیں کریں گے تو دین کیسے پھیلے گا؟؟ عام لوگ تو عام لوگوں کے عمل میں ہی دلچسپی رکھیں گے ناں؟ میں آپکو یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ اسلام کے بارے میں بہت سی غلط فہمی پھیل رہی ہے اور مسلمان اب صرف گفتار کا غازی رہ گیا ہے، گفتار سے جہاد نہیں ہوتا اسکے لئے تلوار اٹھانی پڑتی ہے، یہ آپ نے ہی بتایا تھا ناں؟؟ اپنے کردار سے جہاد کرنا، اپنے اخلاق سے جہاد کرنا یہ سب کہاں عمل میں نظر آتا ہے؟ صرف باتوں سے کیا ہوتا ہے، یہاں تو اپس میں کوئی اخلاق نہیں ہے، کسی غیر مسلم کو کس طرح اپنے دین کی طرف مائل کر سکیں گے؟" چند لمحے کے لئے وہ سانس لینے کے لئے رکی" باقی سب چھوڑ دیں مس! قران مجید کی پہلی تعلیم "اقراء" کا کوئی وجود ہے آج؟ اس قدر غلط فہمیاں جو اسلام کے بارے میں پھیل رہی ہیں کوئی ہے جو انکا جواب دے سکے؟ آپکو معلوم ہے انٹرنیٹ پر ایک ویڈیو دکھائی جا رہی ہے آجکل جس میں ایک عورت کو سنگسار کرتے ہوئے دکھایا جا رہا ہے اسکا ٹائٹل ہے" the humans shows humanity"

تو کیا اسلام یہی انسانیت سکھاتا ہے؟ اسکا لہجہ پہلی بار کچھ اکھڑا ہوا تھا" اوہ!

تو یہ بات ہے !"مس شاکرہ نے گہرا سانس لیا گویا بات کی تہ تک پہنچ گئی ہوں" بات ٹھیک ہے تمھاری انیتا ! ہم واقعی علم حقیقی سے بہت دور جا چکے ہیں لسانی، مذہبی تعصبات میں اتنے الجھ گئے ہیں کہ سچ مچ درپیش مسائل نظر ہی نہیں آرہے ہمیں۔ قران مجید کی ایک آیت ہے "کل حزب بما لدیھم فرحون" (ہر جماعت اس مذہب پر جو اسکے پاس ہے خوش رہنے والی ہے) تو ہم پر اب یہی بات صادق آگئی ہے، ہمیں سب سے آسان کام سب کو ناکارہ اور غیر مسلم قرار دینا لگتا ہے، جو باتیں جاننی چاہیں اور جن کے جاننے کو فرض قرار دیا گیا ہے اسکے بارے میں صاف کہ دیتے ہیں کہ اسکو جان لیا تو عمل کی مشکل پڑ جائے گی !"انکے لہجے میں انتہائی دکھ جھلک رہا تھا"اسلام کی تاریخ میں تمام تر سزاؤں کا مقصد یہ ہیں کہ اگلی بار کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے معاشرے میں خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، میں تمھیں ایک حدیث مبارکہ سنا رہی ہوں غور سے سننا اور فیصلہ کرنا کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں کوئی کمی ہے ؟ یا انسانیت کی تکمیل کی سنہری مثال تمھیں یہاں مل رہی ہے ؟"انیتا کا ہر عضو گویا سماعت کا کام دے رہا تھا۔۔

مس شاکرہ نے دل میں رب العزت کو پکارا اور کہنا شروع کیا"
ایک بار جہینہ قبیلے کی ایک عورت اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی"
اور اپنے زنا کے جرم کا اعتراف کیا اور یہ بھی بتایا کہ اسکے زنا کی وجہ سے

ایک زندگی وجود میں آنے والی ہے۔آپ نے اسکے وارثوں کو حکم دیا کہ اس عورت کی دیکھ بھال کریں اور بچے کی ولادت کے بعد اسے دوبارہ بلایا۔بچے کی ولادت کے بعد وہ عورت آپ کے پاس دوبارہ آئی،آپ نے اسکو سنگسار کرنے کا حکم دیا پھر آپ نے اس عورت کی نماز جنازہ پڑھائی کسی صحابی نے آپ سے عرض کی "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایک زانی عورت کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟" آپ نے جواب دیا اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے جو اگر قریش کے ستر گنہگاروں پر تقسیم کر دی جائے تو انکو کافی ہو جائے گی"۔

اتنا کہہ کر مس شاکرہ خاموش ہوئیں اور بغور انیتا کو دیکھا اسکے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔وہ دوبارہ گویا ہوئیں "جو حلال رشتوں کی موجودگی میں حرام کی طرف جاتے ہیں وہ ایسی
سزاؤں کے مستحق ہیں اسکے علاوہ یہ کہ،صرف سنگسار کرنے کو دکھا دینا مکمل بات پہنچانا نہیں ہے،مکمل بات یہ ہے کہ ہم حیات بعد الموت پر یقین رکھتے ہیں،دنیا میں بڑے سے بڑا گناہ ہو جائے،معافی کی گنجائش بھی ہے اور کفّارہ کی بھی!سنگسار ہو جانا آسان نہیں ہے ناں؟لیکن اگر وہ عورت اس جرم کی سزا پانے کو تیّار ہوئی تو اسکے پیچھے کیا وجہ ہو گی؟وہ اللہ کے پاس پاک صاف سرخرو جانا چاہتی ہو گی،جس کو اللہ کی رضامندی کے اگے اپنی جان ہیچ لگی اس پر انگلی اٹھانے کا حق کسی صحابی کو بھی نہیں دیا گیا۔یہ ہے مکمل پس منظر!" مس شاکرہ نے لمحے بھر

توقف کیا پھر اسکی طرف دیکھا"تم زیادہ دور کیوں جاتی ہو؟تمہارے تو اپنے گھر میں مثال موجود ہے، تمہاری امی کی خواہش ہے کہ تم دین اسلام کا پیکر نظر آؤ، تو اگر وہ اس دین سے شاکی ہوتیں تو کبھی اپنی اولاد کے لیے یہ خواہش کرتیں؟ایک ماں کبھی یہ چاہ سکتی ہے کہ اسکی اولاد پر مصائب ٹوٹ پڑیں؟کوئی تو فائدہ نظر آیا ہوگا ناں انہیں، جو تم نہیں دیکھ پا رہی ہو؟" انیتا سر جھکائے بیٹھی تھی انکے الفاظ گویا نور بن کر اسکے گرد پھیل رہے تھے جس میں انیتا کو اپنا راستہ شفاف نظر آرہا تھا

"لیکن مس! یہ حقائق کون سامنے لائے گا؟"انیتا کی آواز کس پاتال سے آتی محسوس ہوئی تھی اسلام کے بارے میں پھیلنے والی غلط فہمیوں کا جواب کون دیگا؟"

مس شاکرہ نے لمحے بھر کو اسکی طرف دیکھا،"جن کے دل کو اللہ پاک اپنے نور ہدایت سے بھر دیں وہ سب یہی کام کرینگے،اپنے دین کی وہ خود حفاظت فرمائے گا یہ اس کا وعدہ ہے، تم صرف یہ سوچو کہ کیا تم اس کام کو کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتی ہو؟؟"انیتا نے چونک کر انکی طرف دیکھا وہی مہربان مسکراہٹ! انیتا کی آنکھوں کی سطح نم ہونے لگی سب کچھ دھندلا ہونے لگا،"انیتا تمہارے دل میں نور ایمان کی چمک میں نے کئی بار محسوس کی ہے اگر اللہ ظلمات سے نور کی طرف راہ دکھا رہا ہے تو گھبرانا مت، دنیا میں سکوں اور آرام تلاش کرنے والی احمق ہیں بھلا یہ دنیا بھی کوئی آرام کرنے کی جگہ ہے؟ یہ تو لعنت کی گئی جگہ ہے، یہاں راہیں تو کسی

کی بھی آسان نہیں، مگر کچھ راہوں کا اختتام روشن اور امن والی منزلوں پر ہوتا ہے، تمھیں اگر کشش محسوس ہو رہی ہے تو ضرور چل نکلو، بہت سارے دیوانے پروانے ملیں گے تمھیں اس راہ پر جو پروانے سے جگنو میں تبدیل ہو جاتے ہیں روشنی سراپا بن جاتے ہیں"

"مگر مس میرا کوئی ساتھ نہیں دیگا، میں بالکل اکیلی پڑ جاؤں گی!"

"اور اللہ تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گے، تم فیصلہ کر لو تو میرے پاس آ جانا ساری دنیا تمہاری مخالف ہو تب بھی میں تمہارے پاس ہوں! انشاءللہ" مس شاکرہ نے اسکا ہاتھ تھام لیا تو اسے عجیب سے تحفظ کا احساس ہوا۔

"میں سوچ کر آپکو بتاونگی"

"میں انتظار کرونگی انیتا!"! مس شاکرہ نے محبّت کے ساتھ اسے الوداع کہا۔

اگلے دن انیتا اسکول ہی نہیں آئی، اور پھر پورا ہفتہ گزر گیا مس شاکرہ انتہائی پریشانی کا شکار تھیں، آخر دس دنوں کے بعد انہوں نے خبر گیری کی خاطر انیتا کے گھر کا فیصلہ کیا، وہ اسکول کے لئے جلدی نکلیں، وہاں حاضری لگا کر وہیں سے بریک ٹائم میں نکل جانے کا ارادہ کیا۔۔اسکول پہنچیں تو وہاں خود سے پہلے انیتا کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئیں الجھے ہوئے بال، ملگجے کپڑے، آنکھیں سوجی ہوئی، چہرے پر کچھ عجیب سے نشانات! وہ خاموشی سے گراؤنڈ میں ایک طرف بیٹھی شاید ان ہی کی راہ دیکھ رہی تھی،

مس شاکرہ لپک کر اسکی طرف بڑھیں "انیتا!" انکے حلق میں آواز گویا اٹک کر رہ گئی "السلام و علیکم! مس میں سب کو چھوڑ آئی ہوں" اسنے خشک لبوں پر زبان پھیری اور بیتابی سے کھڑی ہو گئی "مگر بیٹا! یہ حال تمہارا کیسے؟" انکے سوال پر انیتا دھیرے سے مسکرائی "آپ کہتی ہیں ناں کہ دنیا تو بس آزمائش کی جگہ ہے؟ تو بس تھوڑی سی آزمائش تھی مجھ پر۔۔ مجھے میرے نانانانی نے ایک کمرے میں بند کر دیا تھا انہوں نے مجھے بہت مارا ہے، وہ کس صورت تیّار نہیں ہیں کہ میں مسلمان ہو جاؤں! وہ میرے اسلام قبول کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔۔ بڑی مشکل سے میں نکل پائی ہوں ایک پڑوسی خاتون کی مدد سے، مجھ پر واپسی کے سارے دروازے بند کر دیے گئے ہیں، میں نے کل اپنے ابّو کو فون کر دیا تھا کہ میں اسلام قبول کر رہی ہوں وہ مجھے اپنے ساتھ رکھنے پر تیّار ہوں تو آ کر لے جائیں مگر وہ دوسری شادی کر چکے ہیں اور اپنی زندگی میں میری کوئی جگہ نہیں پاتے، انہوں نے صرف میری مالی مدد کا وعدہ کیا ہے میں نے انکار نہیں کیا، یہ میرا حق ہے ناں مس؟" آنکھوں میں آنسو بھر کر انیتا ان سے مخاطب تھی اور مس شاکرہ نے اسے گلے سے لگا لیا! "آج سے تم میری بیٹی ہو اور تمہارا نام ربیعتہ السلام ہے تم اللہ کے پیارے دین کی بہار بنو گی انشااللہ"

ہم پھول تیرے گلشن کے ہیں ہم جاری تیرا صدقہ ہیں
ہم تیرا عزم نبھائیں گے قران کے دیپ جلائیں گے
معصوم یہ جذبے بولے تو میرے دل سے صدا یہ آئی ہے
میری ماں تیری رب سے یاری رہے
اور تیرے اجر زیادہ ہوں

ربیعتہ السلام! عرف جان جی کے خاموش ہونے کے باوجود انکی کی پر سوز آواز پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی اور جان جی کے چاہنے والے خاموشی سے آنسو بہا رہے تھے

دین کی جو شمع مس شاکرہ کی با عمل زندگی اور مہربان سلوک نے روشن کی تھی وہ آج روشنی کا مینارہ بن چکی تھی، ایسے استادوں پر سلامتی ہو جو اپنے خوبصورت کردار کی روشنی میں کتنے ہی مسافروں کو راہ دکھا جاتے ہیں، جنکی آواز کتنے ہی بھٹکے ہوئے قافلوں کے لیے بانگ درا ہوتی ہے!

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلوں کو میری صدا درا ہو!

زندگی کی کٹھن راہوں پر اپنوں سے دور ہو کر جانجی نے کس قدر عزت اور امان پائی ہے اسکا حساب کون لگا سکتا ہے؟ بس نبی پاک صلی اللہ علیہو سلم کے وارثوں کا یہی تو انعام ہوتا ہے، مشقتیں، صعوبتیں، اذیتیں! زندگی نے کسی کے ساتھ اچھا سلوک بھی کیا ہے؟ مگر سنت کو تھامے رکھنے والوں کی اذیتوں کے کیا ہی کہنے! علم سیکھنا علم سکھانا، بس خار زار راہ پر

چلتے چلے جانا!!اگر آسان ہوتا یہ راستہ تو ہر کوئی نہ لپکتا اس راہ پر؟ مگر یہی تو اللہ پاک کی رضا کا راستہ ہے،اور جو اسکا حکم مانے اس راہ پر چل نکلے تو پھر اس راہ کا انعام بھی تو اللہ کے پاس ہی ملے گا ایسا انعام ایسا اکرام جو دنیا کی مشکلات سے گھبرانے والے تصور بھی نہیں کر سکتے۔جن سے اللہ محبّت کرتا ہے انہیں دنیا و آخرت میں عزت سے نواز دیتا ہے،بس پہلا قدم اٹھانے کی دیر ہے!!اور پہلا قدم ہی تو سب سے مشکل ہے ناں؟۔اگر انیتا کو اسکے گھر والوں نے چھوڑ بھی دیا تو کیا؟اس نے اللہ کو تھاما اللہ نے اسے تھاما۔آج ربیعتہ السلام ملک کے سب سے بڑی جامعہ کی بانی ہیں انکے نام پر لوگوں کی نگاہیں جھکیں یا نہیں دل ضرور جھک جاتے ہیں اللہ اور رسول کے راستے پر چلنے والوں کا نام ہی تو زندہ رہے گا باقی تو ہر چیز کو فنا ہے!

مالک تیری دھرتی کے سینے پر
کچھ لوگ ہیں تاروں سے اجلے

قران کے تھامے گلدستے
پلکوں پہ موتی چمکیلے

یہ بندے تیرے البیلے سے
مالک تیری دنیا کے میلے میں

ہیں دیوانے یہ کہلاتے

ایمان کی بھٹی میں مسکاتے

شاعر تو نہیں پر راتوں میں

تیری وحدت کے ہیں گن گاتے

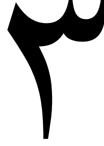
ترے دین کی گلگوں راہوں پر

گر کر اٹھتے اٹھ کر بڑھتے

یہ بندے ترے البیلے سے

مالک تیری دنیا کے میلے میں





کن فیکون

ایک بات ہے اللہ تعالی ہمیں کسی اور چیز کی محبت میں مبتلا ہونے ہی نہیں دیتا! جس چیز کے بارے میں گمان ہونے لگے کہ اسکے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ وہی چیز چھن جاتی ہے بدلے میں بہترین چیز ملتی ہے مگر شروع میں احساس نہیں ہوتا کہ ہمیں بہترین بدل دیا گیا ہے!! اللہ پاک کی نعمتوں کا ادراک خود پر کیسے کریں؟؟ وہ ہمیں سب سے مایوس کر کے اپنی طرف بلاتا ہے، یہ انعام ہے ناں؟

میرے گھر میں ایک لڑکی کام کرنے آتی تھی۔ فرضی نام سعدیہ رکھ لیتے

ہیں۔ جب میری بیٹی دو ماہ کی تھی (جو کہ اب ١٤ سال کی ہے)

تبسے میرے ساتھہے، انتہائیمحبتاورپیار کرنے والیبچوں پر جانچھڑکنے والی!

پڑھی لکھی نہیں تھی مگر ہنر مند تھی دنیا کا کوئی کام ہی ہو شاید اسے آتا نہ

ہو پتیلی میں ڈھکن پھنس گیا، سعدیہ نکالے گی، پنکھے کا کپیسٹر خراب ہو گیا

سعدیہ ٹھیک کر دے گی، موبائل میں خرابی ہے؟ سعدیہ ہے ناں! آج

مہمان آنے والے ہیں دعوت کا مینو سعدیہ بتائے گی اور پھر چیزیں بھی

وہی مہیا کرے گی اسکے علاوہ کوئی گڑ بڑ ہو گئی پکانے کے دوران تو سعدیہ

ٹھیک کرے گی، کسی کی طبعیت خراب ہے سعدیہ کو پتہ ہے ٹوٹکے کا، کڑی

پتہ چاہیے سعدیہ کو درخت کا پتہ ہے، بال کالے کرنے ہیں؟ سعدیہ مہندی

لا کر دینگی جو بالوں کو لال نہیں کرے گی، وزن بڑھ رہا ہے؟؟ سعدیہ کو

پتہ ہے کے مسور کی دال شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کو کس فرق کے

ساتھ ابالنا اور پینا ہے! وہ مصالحوں کے ڈبے بغیر پڑھے پہچانتی تھی جو کہو

بہت آرام سے وہی نکال لاتی سب اکثر حیران ہوتے۔۔ سعدیہ تم پڑھنا

نہیں جانتی تو کیسے پہچانتی ہو یہ نام؟ وہ بہت مزے سے کہتی "کون کہتا ہے

میں پڑھنا نہیں جانتی؟ PHD کیا ہوا ہے میں نے" مجھے ہنسی آجاتی واقعی

پی ایچ ڈی ہے تو !

پھر ایک وقت آیا وہ مجھ سے اور میں اس سے الگ ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ کہتی ثمر باجی! جب میں بوڑھی ہو جاؤ نگی تو مجھے اور تو کوئی نہیں پوچھے گا آپ کے پاس رہوں گی آکر! آپ مجھے پڑھانا میں آپکے کھانے بنادیا کروں گی! اس نے شادی نہیں کی تھی بھائی کے بچوں کو پڑھانااور انکو بہترین مستقبل دینا اسکا واحد خواب تھا اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ آج جو محبت وہ ان بچوں سے کرتی ہے اور جس طرح ان پر جان چھڑکتی ہے اس طرح نہ بھائی اسکی قدر کریں گے نہ ہی اسکے بچے! میں ہنس کر کہتی تم نہ بھی کہو تو بھی مجھے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑنا۔۔ میں اسکی قربانیوں کا سارا حال جانتی تھی اس نے کس طرح اپنے والدین کی خدمت کی۔۔ اسکا باپ شرابی تھا اکثر نشہ کر کے گھر آتا اور مار پیٹ کرتا وہ اپنی ماں کو بچاتی خود زخمی ہو جاتی سب سہہ جاتی مار اپنے باپ کے لیے بھی دعا ہی کرتی پھر جب اسکے باپ کا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ معذور ہو گیا تو میں نے ایک بار سعدیہ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے "اچھا ہوا ثمر باجی! وہ بیمار ہو گیا اب کم از کم نشہ تو نہیں کرے گا ناں؟؟ مزید گناہ کمائے، اس سے بہتر ہے معذور رہے مجھے اسکی خدمت بار نہیں! اور واقعی اس نے ثابت کیا کہ اسے خدمت بوجھ نہیں لگی کبھی، پورے چار سال وہ بستر پر رہا مگر سعدیہ اور

اسکے بھائیوں نے اسکی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ میں ان سب باتوں کو جانتی تھی اور دل سے اس بہادر لڑکی کی قدر کرتی تھی! ہمارے درمیان مالک اور نوکر والا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ کچھ لوگ اس بات کو بالکل برداشت نہیں کر پاتے تھے کبھی اسکو میری نیت پر مشکوک کرتے کبھی مجھے اسکی اوقات یاد دلاتے، مگر عجب خاموش معاہدہ تھا ہمارے درمیان نہ میں اسکی مخالفت کرتی نہ اسکے دل میں میری طرف سے بال آیا۔ ہم کبھی ایک دوسرے کو لوگوں کی بات بتاتے کبھی مصلحتاً نہ بھی بتاتے لیکن ایک بات طے تھی کہ ہم کبھی ایک دوسرے سے بددل نہ ہوتے۔ گھریلو معاملات ہوں یا باہر کے ملکی ہوں یا غیر ملکی ہم سب ڈسکس کرتے، اسے پڑھنے کا شوق نہیں تھا بڑے فخر سے بتاتی تھی کہ بچپن میں ابّا نے اسکول میں داخل کروایا مگر وہاں کسی استانی نے ڈانٹا۔ میں بھلا کسی کی ڈانٹ کھالوں؟؟ آدھی چھٹی ہوئی تو اسی ٹیچر کے سر پر پتھر مار کر بھاگی اسکا سر پھٹ گیا وہ دن اور آج کا دن میں کبھی اسکول نہیں گئی!! مگر اسکے باوجود اسکی معلومات زبردست تھی۔

میں نے سالہا سال کی محنت کے بعد اسکے دل میں یہ شوق جگایا، اسنے پڑھنا شروع کیا۔۔ ایک سال میں وہ قران مجید کی دو سورتیں پڑھ چکی تھی اور ساتھ ساتھ اردو کے چھوٹے موٹے حروف بھی! ہماری محبتوں کا یہ عرصہ

اتنا لمبا ہو گیا کہ ہم اس محبت کو اپنا کمال سمجھنے لگے۔ ہم کبھی ایک دوسرے سے بد دل نہیں ہو سکتے، ہم کبھی ایک دوسرے کا برا نہیں چاہ سکتے، ہمیں کوئی الگ نہیں کر سکتا!! ایسے میں شاید ہم دونوں ہی اللہ کی عظیم ذات پاک کو فراموش کر چکے تھے! ہم کیا ہماری اوقات کیا؟؟ جب اسکی عظمت پر بات آجائے تو وہ ثابت کر ہی دیتا ہے کہ صرف میری ہی ذات ہے جو بے عیب جسکے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا جو دلوں میں محبت ڈالتا بھی ہے اور اسی کمال سے نکال بھی لیتا ہے کہ بے قدر انسان ایک دوسرے کی خامیاں گنواتے اور ایک دوسرے کو الزام دیتے رہ جاتے ہیں !

میرے دل میں ایک دن بیٹھے بیٹھے ایک عجیب خیال آیا اور اس ایک خیال نے میری دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔

مجھے کئی سالوں سے یہ خوش فہمی لاحق تھی کہ مجھے اللہ نے بات کرنے کا بہترین ڈھنگ اور انداز دیا ہوا ہے۔ میں کسی سے کوئی بھی بات بڑی آسانی سے منوالیا کرتی تھی، اس انداز گفتگو کے ساتھ مجھے تھوڑا بہت دینی و دنیاوی علم بھی حاصل تھا جسکے ساتھ میں لوگوں کو بہت مہارت کے ساتھ اپنی بات پر قائل کر لیتی تھی۔ میرے گھر والے خاص طور پر ساس سسر میری تعریف میں رطب السان رہتے تھے، سچ تو یہ کہ میں تمام کام اللہ کی رضا کے لیے ہی کرتی اور میری نیت بھی صاف اور کھری ہوتی تھی بہت کم ہی میں کسی کا برا سوچتی تھی، اور عمل تو کبھی نہیں کرتی۔ شاید اللہ پر یہ

بھروسااور نیت کا یہ کھراپن ہی میری اتنی کامیابیوں کا باعث ہو! مگر سعدیہ کے معاملے میں میرے ساتھ کچھ عجیب ہی ہوا۔ چلیں میں آپکو تفصیل سے بتاتی ہوں۔

میرا ایک بھائی تھا جو کہ سننے اور بولنے سے محروم تھا کافی جگہ اسکے رشتے کی بات چلائی تھی ایک جگہ کسی نے ایک نابینا لڑکی کا مشورہ دیا مگر امی پریشان تھیں کہ ایک بول نہ سکے، سن نہ سکے اور دوسرا دیکھ نہ سکے تو کیسے زندگی کی گاڑی چلے گی؟؟ مجھے بھی اتفاق تھا اس بات سے۔ پھر ہم نے سعدیہ سے بات کی کسی کا رشتہ بتائے، اسجد (میرا بھائی) کے لیے۔ وہ انتہائی ذمہ دار اور سمجھدار لڑکا تھا، بس ایک ظاہری عیب نے اسکو دنیا کے لیے ناقابل قبول بنا دیا تھا، یا شاید ہمیں کچھ جلدی تھی ورنہ اللہ نے تو بعد میں اسکے نصیب ایسے کھولے کہ زمانہ حیران رہ گیا! ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ سعدیہ نے چند رشتے بتائے مگر بات نہ بنی۔ ایسے ہی ایک دن ایک جگہ کچھ لوگ اسجد کو ناپسند کر کے گئے امی بہت دل برداشتہ سی ہو رہی تھیں میں اور سعدیہ امی کے پاس بیٹھی انکو حوصلہ دے رہے تھے "امی آپ فکر نہ کریں یہ سب لوگ خود دل کے اندھے ہیں اس لئے انکو کوئی بے عیب کیسے نظر آئیگا؟" امی کے آنسو دیکھ کر سعدیہ ہمیشہ کی طرح جذباتی ہو گئی، وہ امی سے بہت محبت کرتی تھی بالکل اپنی امی کی طرح! اچانک ایک عجیب خیال میرے دل میں آیا (تو پھر سعدیہ ہی کیوں نہیں؟) مگر میں اس وقت خاموش ہو گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ ہمارے اپنے گھر میں کوئی تیّار نہیں ہو گا شاید امی بھی

نہیں باوجود اسکے کہ وہ سعدیہ سے بے پناہ محبت کرتی ہوں !
پھر میں نے موقعہ نکال کر امی سے بات کی " نہیں بیٹا تمھارے ابّا کہاں
مانیں گے ؟؟ " امی نے چھوٹتے ہی سارا بار ابّا کے سر ڈال دیا۔ اور آپ
راضی ہیں ؟؟ میں نے کھوجتی نگاہوں سے امی کو دیکھا چہرے پر تذبذب کی
لہر ! میں خاموش ہو گئی " امی دیکھ لیں، اسکی محبت اور خلوص گھر کو گھر بنا
دینگے اور پھر جہاں بھر کی تجربے کاری ہے اس میں آپ تو جانتی ہی ہیں
سب ؟ جو کام ہم جیسی پڑھی لکھی لڑکیاں بھی نہ کر پائیں اکیلے وہ کر لیتی ہے
،اسجد کو سنبھال لے گی آکر۔ تعلیم کی کمی ہے وہ بھی دھیرے دھیرے کور
ہو جائے گی پڑھ رہی ہے، باقی آپ خود پڑھا لیجے گے آپ تو خود ماشاءاللہ
پرنسپل رہی ہیں کالج کی ! خاندان بھی اچھا ہے اسکا غربت کی وجہ سے گھر
سے نکلی ہے مجبوراً آپ کے پاس آجائے گی تو اسکو یہ ضرورت بھی نہیں
رہے گی "۔ " مگر تم نے تو کچھ اور بتایا تھا اسکے بارے میں ؟ " امی نے مجھے
کچھ یاد دلانے کی کوشش کی جو میں قطعی یاد کرنے کے موڈ میں نہیں تھی
" پیار ویار عشق محبت ! یہ سب شادی سے پہلے کے ڈرامے ہوتے ہیں جب
شادی ہو جاتی ہے تو سب ٹھیک ہو جاتے ہیں، اور پھر ہم اچھی ہی طرح سے
رکھیں گے اسکو اس حالت سے کہیں اچھی حالت میں رہے گی وہ آپ
صرف رضامندی ظاہر تو کریں " امی سوچ میں پڑ گئیں " سعدیہ سے بات
کرنے سے پہلے تمھارے ابّا سے بات کرنا ہو گی "
" اس سے پہلے آپ خود کو راضی کریں دل مان جائے تو بتا دیجیے گا جلدی

کوئی نہیں مگر خواہ مخواہ دیر بھی ٹھیک نہیں!" پھر امی کئی بار میرے گھر آئیں میری بات کے بعد سے انکا زاویہ نگاہ تبدیل ہوا ہو گا اور وہ تھوڑا الگ رخ سے اس پر غور کرنے لگی تھیں۔ ایسا ہی ایک دن تھا میں امی سے باتوں میں مشغول تھی

۹ بجے سعدیہ ہمارے گھر آئی سفید رنگ کا خوبصورت چکنکے سوٹ میں ملبوس دھلا دھلایا سراپا، عجیب سیرونقا اور نور اسکے چہرے تھا۔ امی بے اختیار ماشاءاللہ کہہ اٹھیں! وہ گویا شرمندہ سی ہو گئی "امی آج مدرسے میں ٹیسٹ ہے ناں تو ٹیسٹ والے دن یونیفارم میں جانا ہوتا ہے، تو میں گھر سے پہن کر آ گئی سب کو بتا دوں گی کہ آج کام کم کرونگی میرا ٹیسٹ ہے"

مجھے ہنسی آ گئی "کیا بات ہے کیا بات ہے سعدیہ باجی کی" میں بہت پیار آنے پر اسے سعدیہ باجی ہی کہا کرتی تھی۔ "اچھا تو اللہ نے اتنی اچھی صورت دی ہے اب تو شادی کر ہی لو سعدیہ! بڑھاپے میں آسرا رہے گا!" امی کی بات پر میرا دل بیٹھنے لگا (اللہ خیر امی کہیں اس وقت نہ کہہ جائیں، مجھے تو انتہائی اچھے موقع کو دیکھ کر حالات اپنے حق میں سازگار کرنے کے بعد بات چھیڑنی تھی) اف میرا سمجھداری کا زعم! "نہیں امی شادی تو میرے راستے میں کسی موڑ کا نام ہی نہیں ابھی مجھے بہت کچھ کرنا ہے" وہی پرانی بات کہتے ہوئے اس نے مدد طلب نظروں سے میری طرف دیکھا جسے کہہ رہی ہو ثمر باجی! آپ تو سب جانتی ہی ہیں ناں؟؟"

"امی چلیں ذرا جھنڈی کٹوا دیں ناں بہت دیر لگتی ہے" میں نے بھی موقع

غنیمت جانااور امی کو دوسری طرف لگایا۔

وہ دن تو خیر و عافیت سے گزر گیا مگر ایک دن وہ حسب عادت اسجد کی تعریف کر رہی تھی کہ بے ساختہ ہی امی کہہ اٹھیں "تو سعدیہ تم ہی کر لو اسجد سے شادی "پل بھر کو جیسے اسکو سانپ سونگھ گیا۔"

پھر وہ ہنس پڑی "میں تو اب جنت میں شادی کروں گی اسی سے جس کو آج تک نہیں بھول پائی "میں نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ اس نے برا تو نہیں مانا کم سے کم!" مگر دیکھ لو سعدیہ کوئی حرج تو نہیں "اسکی ہنسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں بے اختیار کہہ گئی "مجھے بڑا آسرا ہے تمہارا سعدیہ "لوہا گرم دیکھ کر میں نے ایک اور چوٹ لگائی اور سعدیہ کے چہرے پر تاریکی لہرا گئی۔

مجھے شک نہیں ہے یقین ہے کہ یہ وہ جملہ تھا جو شاید سعدیہ کو اتنا برا نہیں لگا تھا جتنا میرے رب کو!

اسکے چہرے کی تاریکی دیکھ کر میرے دل کو کچھ ہوا تھا، میں نے امی کی طرف دیکھا (کہاں تو امی ابا سے بات کے بغیر یہ فیصلہ کرنے کو تیار نہیں تھیں اور کہاں ان سے بات کیے بغیر اتنی جلدی مچادی، اور مجھے بھی جانے کیا ہو گیا تھا!) میں نے شکوہ کرتی نظریں امی پر ڈالی پھر اپنے آپ کو ملامت کی! پھر سعدیہ کی طرف دیکھتے ہوئے ہنسنے لگی، "چلو چلو کام نمٹاؤ اپنا باتوں میں وقت برباد کرتی ہو اور روز مجھے کہتی ہو آئندہ باتیں نہیں کرونگی سارا وقت نکل جاتا ہے آپ کی باتیں ختم نہیں ہو تیں!" میں نے بھرپور کوشش کی تھی کہ میری باتوں کا تاثر زائل ہو جائے اور وہ اس بات کو مذاق

سمجھ کر اپنے کام میں لگ جائے، اور اس وقت تو ایسا ہی ہوا۔ وہ سر جھٹک کر اپنے کام میں لگ گئی۔

پھر تین ماہ گزر گئے، رمضان کی تیاریوں میں، میں اس بات کو تقریباً بھول ہی چکی تھی امی کا دھیان بھی اب دوسری طرف مرکوز ہو گیا اور ہمارے لیے جیسے اس بات کی اب کوئی اہمیت نہیں رہ گئی، فی الحال اسجد کے رشتے کی تلاش بھی رک گئی ویسے بھی رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا تھا مصروفیت بڑھ گئی تھی ساتھ ساتھ میرا قرآن مجید کی تلاوت کا جنوں بھی! میں سعدیہ سے اکثر کام کہہ کر اپنی مصروفیت میں لگ جاتی، مگر میں کچھ دنوں سے محسوس کر رہی تھی کہ جتنے خلوص اور لگن کے ساتھ وہ پہلے کام کرتی تھی آجکل نہیں کر رہی ہے۔ میں نے سوچا شاید طبیعت ٹھیک نہ ہو یا کوئی گھریلو پریشانی ہو جس کی وجہ سے اکثر اسکی بے توجہی بڑھ جاتی تھی، پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عید قریب ہے اور وہ سب گھر والوں کے کپڑوں کے بارے میں پریشان ہو، میں زیادہ تر اسکو رمضان سے پہلے ہی پیسے دے دیا کرتی تھی مگر اس بار میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ میں نے اس کے سامنے ذکر چھیڑنے کا فیصلہ کیا۔ "ثمر باجی سب کام ہو گئے ہیں اب میں چلوں؟" سعدیہ میرے پاس آئی "سموسے بنوانے تھے ناں آج؟ دوبارہ آؤ گی پھر؟" میں نے غور سے اسے دیکھا "دوبارہ؟" وہ سوچنے لگی کئی منٹ گزر گئے بالآخر میں نے اسکو دوبارہ مخاطب کیا "سعدیہ!" "جی؟" وہ ایک دم چونک سی گئی "تم ٹھیک ہو ناں؟" میں نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسکو بٹھایا وہ

گہری سانس لے کر رہ گئی "جی "تم کیوں کچھ دنوں سے عجیب حرکتیں
کرنے لگی ہو؟ کچھ کہا جاتا ہے کچھ سنتی ہو بیٹھے بیٹھے غائب ہو جاتی ہو؟"
میرے کہنے پر وہ کچھ دیر سر جھکا کر بیٹھ گئی "مجھے خود نہیں پتہ بس مجھے سب
سے نفرت ہو رہی ہے" پھر اچانک اس نے سر اٹھایا "اور سب سے زیادہ
تکلیف دہ یہ ہے کہ مجھے سب سے زیادہ نفرت آپ سے ہو رہی ہے "میرا
دل اسکی بات پر ایک لمحے کو رک گیا "مجھ سے؟" پھر میں ہنس پڑی "توبہ
پوری پاگل ہو گئی ہو تم، اور یہ نفرت بھی ویسی ہی ہو گی ناں جیسے تم نے
ایک بار اپنی عزیز ترین دوست نائلہ سے محسوس کی تھی؟" "ہاں بالکل
ویسی ہی بغیر کسی وجہ کے" لمحے بھر کو وہ خاموش ہوئی جیسے الفاظ ترتیب
دے رہی ہو میں نے اسے ٹوکا نہیں "مجھے لگتا ہے ہماری محبت کو کسی کی نظر
لگ گئی ہے، مجھے کوئی دعا بتائیں باجی! میرے دل کی کیفیت عجیب ترین
ہو رہی ہے میں آپ سے دور نہیں رہ سکتی" وہ ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر
رونے لگی تو میں سچ مچ گھبرا گئی "اچھا اچھا تم رومت میں ابھی دعائیں بتاتی
ہوں تمہیں اللہ بہتر کرے گا" میں نے اسے گلے لگا لیا "مگر سعدیہ اسکی
کوئی وجہ تو ہو گی ناں؟؟ کوئی بات بری لگی ہے تمہیں میری؟ مجھے سچ میں
یاد نہیں اگر ایسا کچھ ہوا ہو یا میں نے کبھی کچھ کہہ دیا ہو؟ پھر بھی میں
معذرت کرتی ہوں" مجھے واقعی کچھ یاد نہیں آیا مگر اسکا مستقل عجیب رویہ
بار بار یاد آرہا تھا اور ذہن اس الجھن میں تھا کہ پہلی بار اسکا یہ عجیب رویہ
کب ہوا اور کس بات پر؟ مگر مجھے کچھ یاد نہ آیا۔ یاد بے شک نہ آیا ہو مگر

محسوس ہورہا تھا کہ کچھ غلط ہوا ہے۔ کیا؟ اس نکتے پر آکر بے بسی طاری ہو جاتی۔ سعدیہ بھی کچھ بتا نہیں پارہی تھی، مگر اسکی یہ بات کہ "مجھے سب سے زیادہ نفرت آپ سے محسوس ہورہی ہے" یہ میرے لیے عجب ذلت آمیز احساس تھا جس کو میں نے بھرپور ظرف کے ساتھ نظرانداز کرنے کی کوشش کی تھی، ساتھ ساتھ اسے یہ تسلی بھی دی کہ ہم کبھی جدا نہیں ہونگے، تم ابھی پریشان ہو دباؤ کا شکار ہو ٹھیک ہو جائے گا سب" پتہ نہیں اس نے میری بات سمجھنے کی کوشش کی یا نہیں مگر مجھے یہ سب کہنے کے بعد وہ اور زیادہ کام سے لاپرواہ ہوگئی۔ میں اسکی تمام تر لاپروائی کو اسکی ذہنی الجھن کا نتیجہ سمجھ کر نظرانداز کرتی رہی، رمضان کا مبارک مہینہ اپنے اختتام پر تھا چوبیس روزے مکمل ہوگئے تھے آج کی رات عبادت کی رات تھی میں افطار کی تیاریوں میں مصروف تھی ساتھ ساتھ سعدیہ کو کام کی ہدایت بھی دے رہی تھی جو اسے عید کے حوالے سے انجام دینے تھے، کافی دیر بولتے رہنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ سعدیہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آرہا۔ "سعدیہ!" میں نے زور سے آواز دی تو ویکیوم کرتے ہوئے اسکے ہاتھ رک گئے اس نے میری طرف دیکھا "جی؟" "تم میری بات سن رہی ہو؟" میں نے خفگی سے اسے دیکھا "نہیں" وہ روکھے پن سے مسکرائی "میں دبئی جانے کا ارادہ کررہی ہوں" "کیا؟" بالکل موضوع سے الگ اور حیرت انگیز بات سن کر میری چیخ نکل گئی "اور تم تو کہتی تھی میں کبھی اپنا ملک چھوڑ کر نہیں جاؤنگی؟ تمہیں فرزانہ آپا (میری کزن) نے

کینیڈا میں کتنا بلایا مگر تم نہیں مانی۔۔میں نے بھی کہا تھا اس وقت تو تمھارے ابّو کی حالت بھی اتنی خراب تھی انکا علاج کتنا سہل ہو جاتا؟اور وہ ڈاکٹر صاحبہ نے سعودی عرب بلایا مگر تم نے حامی نہ بھری،اب ایسی کون سی ضرورت رہ گئی ہے جسکے لیے تم باہر جاؤ گی؟""ضرورتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں ثمر باجی!زندگی کے ساتھ چلتی ہیں اب بچے بڑے ہو رہے ہیں انکا خرچہ پورا نہیں پڑتا اسکول مدرسہ کتابیں کپڑے جوتے۔کوئی ایک ضرورت ہے؟"وہ مجھے بے اطمینان کر کے خود اطمینان سے اپنے کام میں مصروف ہو چکی تھی اسکا یہ انداز نا قابل برداشت تھا میرے لیے۔

"تمہیں لگتا ہے کہ باہر جانا تمہاری ضرورت ہے یا مجھے چھوڑ دینا تمہاری خواہش؟"میرے دل کی بے قراری ہونٹوں پر آ گئی۔وہ ساکت سی ہو گئی "نہیں باجی آپکو چھوڑ کر کیوں جاؤں گی؟آپ سے رابطہ رہے گا ناں ہمیشہ، پیسے تو آپ کے اور بھائی جان کے اکاؤنٹ میں ہی بھیجونگی آپ بچوں کو بھیج دیجیئے گا"اسکے لہجے کا روکھا پن اچانک ہی کہیں غائب ہو گیا تھا میرے دل کی بے چینی کو چین آیا،جانے کیوں ذلت کا ایک عجیب سا احساس مجھے اسکے رویے سے ہونے لگتا تھا۔میں سب کچھ برداشت کر سکتی تھی مگر یہ رویہ نہیں اور وہ بھی سعدیہ کا جو ہمیشہ میری انتہائی عزت اور قدر کیا کرتی تھی۔

حالات کے ان ہی پیچ و خم کے ساتھ زندگی کے معمولات طے ہوتے رہے اور سعدیہ کے بیشتر کام میں ہی نمٹاتی رہی یوں عید کا دن آ گیا آج وہ آئی مجھ سے کھنچے کھنچے انداز میں عید ملی میں اسے سب کام بتا کر ملنے ملانے چلی گئی

واپس آئی تو زیادہ تر کام ادھورے پڑے تھے "یااللہ "میں چکرا کر رہ گئی اور پہلی بار انتہائی غضبناک ہو کر اسکو فون کر بیٹھی "تمہارا دماغ اب بالکل ہی اوٹ ہو گیا ہے سعدیہ ؟تم سارے کام ادھورے چھوڑ کر چلی گئی ؟؟؟"

میرے تایا کا انتقال ہو گیا ہے میں وہاں ہوں "اسی روکھے پن سے جواب آیا جو آجکل اسکا خاصہ تھا میرے تن بدن میں آگ لگ گئی میں نے دھڑ سے موبائل ایک طرف پھینکا "کل آجائے ذرا اسے فارغ کرتی ہوں خواہ مخواہ پاگل بنا رکھا ہے مجھے !" شیطان نے اپنے وعدے کے مطابق میرے خیالات میں ایک چنگاری رکھ دی اور میرا دل و دماغ دھڑا دھڑ جلنے لگا۔

مگر اگلے دن سعدیہ کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر میں غصے کے باوجود پھر کچھ نہ کہہ سکی۔ مگر اب میرے اندر یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اصل بات جان کر رہوں گی "سعدیہ !آج تم مجھے بتا کر جاؤ گی کہ آخر تمہیں کیا ہوا ہے ؟ میری کونسی بات تمہیں اتنا تکلیف دے گئی ہے وہ پہلے تو رونے لگی پھر کہہ اٹھی "آپ نے مجھے ایسا سمجھا کہ میں رشتے تلاش کرنے نکلی ہوں ؟میں تو معمولی سی کام کرنے والی ہوں آپ نے مجھے اتنا ذلیل سمجھا؟میں آپ سے یہ امید نہیں رکھتی تھی ثمر باجی "اسکے آنسو بہتے جا رہے تھے اور میں نے اپنا سر تھام لیا "سعدیہ اتنی پرانی بات ؟ہم نے تو ایک خیال کے تحت ایسا کہا تھا پھر تم نے انکار کیا تو دوبارہ کہاں نکلی یہ بات ؟اور تمہاری ذلت کہاں سے ثابت ہوئی ؟"اس نے کچھ نہیں کہا مگر اگلے دن وہ نہیں آئی میں نے بہت سے فون کیے تو جواب میں شام کو اسکا میسج آیا" ثمر باجی ہمارا ساتھ

یہیں تک تھااپ کسی اور کو رکھ لیں اپنے گھر" مجھے پتہ تھا کہ اس نے میسج
کسی سے کروایا ہو گا وہ ابھی اتنا نہیں جانتی تھی کہ میسج لکھنے اور پڑھنے لگے
۔۔ میرے دل کی کیفیت انتہائی عجیب تھی" اگر سعدیہ نے مجھے چھوڑ دیا تو
میرا کیا ہو گا؟ اور خود اسکا کیا ہو گا؟" میں نے گھبراہٹ میں امی کو فون ملایا
امی نے اور ہی عجیب باتیں شروع کر دیں" وجہ بھی سب پوچھیں گے جلنے
والے اپنے دلوں کو ٹھنڈا کریں گے وہ سب کو وجہ بھی بتائے گی ہماری
عزت تو دو کوڑی کی ہو گئی تھی۔ ہائے ثمر اپنے بھائی کے لیے ایسا انتخاب
کیا تم نے اور پھر اس نے بھی ٹھوکر مار دی!"" امی آپ کو اس وقت سعدیہ
کی ذہنی حالت کا اندازہ ہے؟" میں حیران تھی (میری امی اتنی خود غرض
ہیں؟) میرا دل پہلے ہی بے قرار تھا اور زیادہ بے قرار ہو گیا
"کہاں جاؤں؟ "
الا بذکر اللہ تطمئن القلوب
جانے کس نے سرگوشی کی تھی؟ اور میں سجدے میں گر گئی۔

آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ میں سجدے میں دنیا اور آخرت کی بھلائی نہیں
مانگ رہی تھی۔ میں سجدے میں سعدیہ کی محبت واپس مانگ رہی تھی!
(سعدیہ سے معافی مانگ لو) رو رو کر بے حال جب میں نے سجدے سے
سر اٹھایا تو دل میں آنے والا پہلا خیال یہی تھا۔" سعدیہ کے گھر جانا ہے
مجھے" میں جانماز طے کرتے ہوئے پکا فیصلہ کر چکی تھی۔ مگر مجھے اسکے گھر

جانے کی ضرورت نہیں پڑی ایک دن وہ مجھے راستے میں ہی مل گئی "سعدیہ میرے ساتھ چلو ذرا" میں نے قدرے سختی سے کہا اس نے کوئی جواب نہیں دیا خاموشی سے آگئی میرے ساتھ ۔۔ "بات اتنی سنجیدہ نہیں تھی جتنی تم نے بنالی ہے، ایسے مت کرو ہماری محبت میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظرانداز کرنے کی گنجائش تو ہے ناں؟ یا نہیں؟" میں نے اسکا ہاتھ تھام کر بات شروع کی "ثمر باجی اب میں یہاں کام نہیں کروں گی یہ طے ہے باقی آپ جو مرضی کہہ لیں میں آپ کو جواب نہیں دونگی پلٹ کر" اسکا وہی روکھا انداز مگر مجھے اس بار غصّہ نہیں آیا "سعدیہ! تم مجھے معاف نہیں کرسکتی ہو؟ میرے دل کے کسی گوشے میں بھی تمھیں تکلیف دینے کا خیال نہیں تھا۔ میرا بھائی مجھے بہت عزیز ہے مجھے اسکی خامیاں بھی خامیاں نہیں لگتی، میں بھی اس سے اتنا ہی پیار کرتی ہوں جتنا تم اپنے بھائی سے کرتی ہو، تمہارا بھائی بھی تو نکما ہے کوئی کام نہیں کرتا تمھارے پیسوں کا آسرا رکھتا ہے تو تمھیں پھر بھی اسکا اور اسکی بیوی کا خیال رہتا ہے ناں؟؟ اسی طرح مجھے بھی ایک پل کو بھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ میرا بھائی بظاہر عیب والا ہے اور تم کتنی بھی اسکی تعریفیں کرلو مگر ہو تو ایک عام انسان ہی ناں؟؟" میری آواز میں آنسوؤں کی نمی گھلی تھی "نہیں باجی ایسا نہیں ہے!" وہ تڑپ کر رہ گئی آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ ایسا نہیں ہے آپکا بھائی ڈاکٹر یا انجنیئر ہوتا سننے بولنے والا ہوتا تو بھی میں شادی نہیں کرتی، آپ نہیں جانتی ہیں کیا؟ میں جس سے محبت کرتی ہوں بس اسکا خیال نہیں نکل

سکا آج تک میرے دل سے""''اسے تو خیال نہیں آیا تمہارا کبھی!''میرا
لہجہ چبھتا ہوا تھا اس نے غور سے مجھے دیکھا''خیر مجھے بس تم سے معافی مانگنا
ہے۔ میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا نہیں تھا مگر پھر بھی تمہیں تکلیف دے
بیٹھی ہوں تو میں اللہ کے واسطے تم سے معافی مانگتی ہوں''میں نے ہاتھ جوڑ
دیئے تو اس نے میرے ہاتھ پکڑ لیے''ایسے مت کریں باجی! میں نے آپکو
معاف کیا اور آپ بھی مجھے معاف کر دیجیے گا اور بھول جایئے گا کہ میں
کبھی یہاں کام کرتی تھی''اسکا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے بہلا رہی ہو اگر سچ
مچ معاف کر دیتی تو کام کرنے پر اعتراض نہیں کرتی ناں؟""نہیں کام
نہیں کروں گی اب آپکے پاس اسکے لیے آپ مجھے معاف کر دیں!''اسکا یہ
انداز نیا نہیں تھا وہ جس کے پاس سے بھی کام چھوڑتی ایسے ہی اچانک
چھوڑتی اور پھر کبھی اسکے گھر نہیں جاتی، ایسے کئی قصّے مجھے معلوم تھے مگر
میں نے ہمیشہ چسکے لے کر ایسے قصّے سنے تھے۔ آج جب میرے ساتھ ایسا
ہی ہو رہا تھا تو دل ان تمام لوگوں کا درد بھی محسوس کر رہا تھا جو اس سے پہلے
اس تکلیف سے گزرے ہونگے۔(ایک سبق اور ملا تھا آج زندگی کا) میں
نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ سعدیہ میرے ساتھ بھی ایسا سلوک کرے گی
جیسا اوروں کے ساتھ کرتی تھی''تم میرے تمام خاندان والوں کے گھر
جاتی ہو سعدیہ! تم نے سب کو بتایا بھی ہو گا کہ تم نے میرا کام چھوڑ دیا ہے
اور وجہ بھی بتائی ہی ہو گی؟؟''امی کی بات مجھے ایک دم ہی یاد آئی تھی''
نہیں سب کو تو نہیں مگر نورین بھابھی اور امی کو بتائی ہے وہ بہت اصرار کر

رہی تھیں "اس کی آنکھیں کسی بوجھ سے جھکی تھیں "نورین اور امی ؟یعنی میری ساس؟"میری آواز چیخ کی طرح برآمد ہوئی تھی حلق سے "تم جانتی ہوناں کہ وہ لوگ کیا ردعمل ظاہر کریں گے ؟""تو کیا ہوا آپ تو کہتی ہیں ناں کہ آپ نے کوئی غلط کام نہیں کیا مجھے رشتہ کا کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے یہ، پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟"اس نے جانچتی نظروں سے مجھے دیکھا شرمندگی کا ہلکا سا احساس جو کچھ دیر پہلے جاگا تھا اب غائب ہو چکا تھا اسکے چہرے سے۔"میں پریشان نہیں ہوں سعدیہ! مگر تمھارے انکار کے بعد میری کیا پوزیشن بن رہی ہے اسکا اندازہ ہے تمھیں؟ میں سب سے ٹکر لے سکتی تھی تمھارے اقرار کے بعد، اب مجھے کس انداز میں لوگوں کو فیس کرنا ہے یہ تم سمجھ سکتی ہوناں؟ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی اتنا بڑا امتحان ڈال گئی ہو مجھ پر؟"مجھے حیرت کے جھٹکوں نے بے حال کر دیا تھا سعدیہ پر میرا کونسا راز، راز تھا؟ سب جانتے ہوئے، میری ہمدم وساتھی ہوتے ہوئے وہ اتنی بری طرح شکنجے میں جکڑ گئی مجھے؟"یا اللہ میں کہا جاؤں؟"سعدیہ کی شرمندگی اسکے چہرے سے عیاں ہونے لگی۔"باجی! مجھے خود نہیں پتہ کہ میں یہ سب کیسے کر گئی بس مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا وہ سب، اور میں نے پہلے سب کچھ نہیں بتایا تھا ان لوگوں کو، نورین بھابی نے بہت عجیب باتیں کی تھیں میرے متعلق۔۔"وہ لمحے بھر کو رکی "عجیب بات؟؟"میں بے چینی سے کہہ اٹھی اسکا لمحے بھر کا توقف مجھ پر صدیوں کی طرح بھاری تھا"آپکو یاد ہے

ناں آپکی امی کے آپریشن کے زمانے میں جب آپ امی کے پاس ہسپتال میں ہوتی تھیں تو میں آپکے گھر رکی تھی بچوں اور بھائی کی دیکھ بھال، ناشتہ کھانااور دوسرے کاموں کے لیے ؟"اس نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا" بھول سکتی ہوں میں بھلا؟ تمھارے احسانات ہیں مجھ پر" میں سوکھے لبوں کے ساتھ بس اتنا ہی کہہ سکی۔۔اس وقت کوئی اپنا ہی ایسے کام آتا ہے جس طرح اس نے میرے گھر کا خیال رکھااور اپنا گھر بار چھوڑ کر میرے گھر رہی تھی سب ہی حیرت میں پڑ گئے تھے

" خیر احسان تو اگر گنے جائیں تو آپ کے ہی زیادہ ہونگے مجھ پر" وہ تلخی سے مسکرائی "نورین بھابھی نے ناقابل برداشت بات کی تھی اور پوچھا کہ " ثمر نے تمھارے کردار پر بات کی کیا؟ یا انکی کوئی چیز غائب ہوئی ہے ؟" مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اتنا گھٹیا پن" میں حیرت سے ساکت ہو گئی (اور پھر اپنا آپ بچانے کے لیے سعدیہ نے سچ بتادیا؟ اور نورین بھابھی ؟ اور امی ؟ سب کو اتنی جستجو تھی ؟)

إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا

تم بچو بہت زیادہ گمان کرنے سے پس بے شک بعض گمان جھوٹ ہوتے ہیں اور نہیں تم ایک دوسرے کی باتیں چپکے چپکے سنا کرو اور نہیں تم ایک دوسرے کے عیب تلاش کیا کرو اور نہیں تم دنیا میں بہت دل لگاؤ اور نہیں تم ایک دوسرے سے حسد کرو(کچھ باتیں پوشیدہ رہیں تو سب کا بھلا ہوتا

ہے اپنے معاملات تو سنبھلتے نہیں ہم سے دوسروں کی کتنی فکر کرتے ہیں ہم
!) غم واندوہ نے میرے جسم کو سن کر دیا اور میرے احساسات انتہائی
عجیب ہونے لگے (نورین بھابھی میری سگی بہنوں کی طرح محبت کرنے
والی دکھ درد سننے، بانٹنے والی، انہوں نے ایسا کہا؟ اور سعدیہ نے کیا
کیا؟؟؟) کتنی ہی دیر میں خاموشی سے بیٹھی ایک سمت کو گھورتی رہی "مجھے
بھی دکھ ہے کہ میں نے انکو یہ سب بتایا مگر انہوں نے بہت عجیب انداز میں
بات کی تھی" سعدیہ نے اپنی صفائی دینا چاہی تھی "تم نے اور کسی کو نہیں
بتایا؟؟" میری آواز مجھے خود بھی سنائی نہیں دے رہی تھی "نہیں، بس، وہ
روزینہ باجی کو۔۔ میں بہت زیادہ تکلیف میں تھی ثمر باجی اس وقت آپ
نے جو کچھ کہا تھا وہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا مجھے خود بھی افسوس ہے
اس بات کا""اور سب کے کہنے میں آکر سب کی باتوں کو مان کر تم نے
میری بات کو اپنی تذلیل مان لیا؟ تم نے مجھے چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا؟"
میں نے جیسے اسکی بات سنی ہی نہیں میں تو گویا کڑیوں سے کڑیاں ملا رہی
تھی اور خود پر اذیت ناک حیرتوں کے در کھول رہی تھی "نہیں بس
شاید۔۔۔ یہ بات ہے کہ بہت زیادہ گھستے ہیں تو شاید نتیجہ یہی آتا ہے"
روزینہ کا جملہ سعدیہ کے لبوں سے برآمد ہوا تو کرب انگیز مسکراہٹ
میرے ہونٹوں پر ٹھہر گئی "اور یہ پتے کی بات روزینہ نے بتائی ہو گی
تمہیں؟" سعدیہ ایک دم چپ سی ہو گئی کچھ دیر ہم دونوں خاموش رہے
إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعاً

بے شک انسان پیدا کیا گیا ہے بے صبر ادل کا کمزور

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعاً

جب پہنچے اسے برائی وہ سخت گھبرانے والا ہوتا ہے

وإذامسہ الخیرمنوعا

اور جب پہنچے اسے بھلائی تو روکنے والا ہوتا ہے

کوئی ایک بات بھی تو جھوٹ نہیں ہے میرے رب کی۔ میں، سعدیہ نورین بھابھی، روزینہ باجی ہم سب اپنے اپنے مقام پر مکمل طور پر ناکام تھے بالکل ناکام اپنے ذاتی فائدے کا سوچنے والے اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگنے والے، دوسروں کی غلطیوں سے فائدہ اٹھانے والے، رشتوں کو توڑنے والے اور رشتوں کو ٹوٹتا دیکھ کر خوش ہونے والے! خود پر بھلائیوں کے در بند کرنے والے۔۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے اپنی امت کو کہ روز محشر سخت گرمی میں صلہ رحمی کرنے والے عرش کے سائے میں جگہ پائیں گے۔۔۔ ہم بھلا عرش کے سائے میں کہاں جگہ پا سکیں گے روز محشر؟؟) آنسو پلکوں کا بند توڑ توڑ کر میرا گریبان بھگتے جا رہے تھے (کل میں سعدیہ کی بے جگری اور بے مروتی کو اسکا ٹیلنٹ کہا کرتی تھی، لوگوں کو راستے میں کھڑے کھڑے بے نقط سنانے کی عادت کو اسکی صاف گوئی کہا کرتی تھی، اسکا سب کے گھروں کے معاملات مجھ سے شئیر کرنے کو آپس کی انڈرسٹینڈنگ کہا کرتی تھی اسکے کہیں کام چھوڑ دینے کے چسکے لیا کرتی تھی اور آج میری کوتاہی اور غلطی کا فائدہ میرے

اپنے اٹھا رہے ہیں۔اور سعد یہ سب کو بھرپور موقع دے رہی ہے مجھ پر ہنسنے کا۔ سعدیہ! جس پر میں اپنے آپ سے بڑھ کر بھروسا اور گمان رکھتی تھی!)"تو تم مجھ سے اپنے تمام تر رشتے توڑ دینا چاہتی ہو؟" میں نے آنسو صاف کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا "نہیں باجی! ہم رابطے میں رہیں گے، اور پھر بچوں سے ملنے تو میں آتی رہوں گی "اسکا سر جھکا ہوا تھا" تمہیں یہ محسوس ہوا ہے کہ تم کو سب نے میرے خلاف کیا ہے؟؟" میں نے اسکی شرمندگی سے کچھ اخذ کرنا چاہا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا" اچھا باجی! میں چلتی ہوں" وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی" میں اتنا جانتی ہوں کہ میں نے آپکو بہت تکلیف دی ہے اور میرے بار بار سامنے آنے پر یہ تکلیف بڑھے گی، کم نہیں ہو گی" وہ پلٹ گئی" مگر میں اب بھی تم سے اپنا رشتہ توڑنا نہیں چاہتی میں رشتہ توڑنے والوں میں شامل نہیں ہونا چاہتی سعدیہ!" جانے کیوں انتہائی متنفر ہونے کے باوجود میں نے اسے پکارا، میرے دل اور دماغ دو الگ الگ فیصلے کر رہے تھے!

مجھے تو ایسا ہی لگا تھا کہ میں نے اسے پکارا تھا مگر وہ جانے کیوں رکی ہی نہیں

اسکے جانے کے بعد میں دیر تک سوچتی رہی" میں نے پکارا بھی تھا یا نہیں؟؟"ہر بار جواب اپنی مرضی کا تو نہیں ملتا ناں؟؟ مجھے بھی نہیں ملا۔ میں نے اس بار رمضان میں ان تمام درس کی محفلوں میں شرکت کی تھی جس میں صلہ رحمی کے حوالے سے بات ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ میں کبھی بھی رشتہ توڑنے والوں میں نہیں ہو نگی (انا اور خودداری پر

بھرپور ضرب لگنے کے بعد یہ بہت مشکل بھی لگ رہا تھا) مگر میری تمام اچھائی کی کوشش برائی میں کیوں بدل جارہی ہیں آجکل؟آخر ایسی کیا غلطی ہو گئی ہے مجھ سے کہ اللہ مجھے کامیاب ہونے ہی نہیں دے رہا میرے ارادوں میں؟سوچ سوچ کر میرا دماغ شل ہو گیا مگر کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

دو دن اسی کشمکش میں گزر گئے کہ اب اس سے بات کروں یا نہ کروں! دو دن بعد امی ایک لڑکی کے ساتھ میرے گھر آئیں میں نے اسے نہیں پہچانا میں تو اسکی گود میں معصوم سی پیاری گڑیا سی بچی کو دیکھ رہی تھی جو بمشکل دو ماہ کی ہو گی ٹھنڈا یخ پانی پینے کے بعد امی نے مجھ سے کہا"پہچانو اسے" میں نے بغور اسے دیکھا"بختاور!"میرے منہ سے بے اختیار نکلا وہ لڑکی بے ساختہ مسکرا اٹھی"پہچان لیا باجی نے"میں نے اٹھ کر اسے گلے لگالیا "تم کب آئیں پنجاب سے؟شادی کے بعد تو غائب ہی ہو گئیں تھی کتنے بچے ہیں؟کتنے دنوں کے لیے آئی ہو؟"میرے سوالات گویا ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے"کام ڈھونڈ رہی ہے یہ آجکل یہاں پر اور فی الحال واپسی کا ارادہ نہیں ہے"امی نے مجھے بتایا تو میں نے سر ہلایا"اچھا اچھا مل جائے گا کام یہاں کونسی کمی ہے کام کی"امی اور بختاور نے ایک دوسرے کو دیکھا اور میرے دل پر ایک اور چوٹ پڑی(تو امی اسکو میرے پاس کسی مقصد سے لائی ہیں۔انسانوں کو بھی ہم چیزوں کی طرح ایک کے بعد ایک بدل دینے میں کتنی جلدی دکھاتے ہیں)

بختاور کی امی ہمارے گھر اس وقت کام کیا کرتی تھی جب میں آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی بختاور بہت چھوٹی سی تھی شاید آٹھ نو سال کی، میری اس سے بہت دوستی ہو گئی تھی اپنی کتابیں اسٹیشنری اور دوسری چیزیں میں اس سے شئیر کرتی رہتی مگر اسکو سب سے زیادہ شوق میک اپ اور کپڑوں کا تھا میں اسے ہر طرح کی چیز لالا کر دیتی رہتی اور لوگ حسب عادت مجھے ٹوکا کرتے "اب ماسی تاسی کی بیٹیوں سے بھی تم دوستی کرو گی؟ اپنا مطلب نکلتے ہی ایسا چونا لگا کر غائب ہو گی کہ ہاتھ ملتی رہ جاؤ گی" ایک تو یہ ہمارا طبقات کا کمپلیکس ہمیں مار گیا ہے میری اس وقت بھی یہی سوچ ہوا کرتی تھی کہ تمام انسان ایک سے ہوتے ہیں تھوڑے اچھے اور تھوڑے برے ہم خواہ مخواہ کسی کو اچھائی کی اور کسی کو برائی کی علامت بنا لیتے ہیں کبھی طبقہ اور کبھی ہماری دل کی مرضی! ہمیں بس یہ لگتا ہے کہ فلاں شخص میں صرف خوبیاں ہی ہیں اور فلاں شخص میں صرف خامیاں ہی ہیں۔۔ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ ہماری نظر میں اچھے شخص کی برائی اور ہماری نظر میں برے شخص کی اچھائی ہم سننا ہی نہیں چاہتے! شخصیت پرستی سے بڑی بیماری اور کیا ہو گی، جو آنکھوں پر پڑا غفلت کا پردہ سرکنے ہی نہیں دیتی۔ بہر حال پھر تیرہ سال کی عمر میں بختاور کی امی نے اسکی شادی کر دی اسکی عمر سے دگنے شخص کے ساتھ! ہماری امی نے اسکی امی کو بہت سمجھایا کہ ایسا نہ کرو مگر اسکو بختاور پر شک تھا، کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اور شادی وہیں کرنا چاہتی ہے!" پسند کی شادی میں کیا برائی ہے؟ اچھا ہے جہاں وہ شوق سے

نکاح کرے گی وہاں خوش بھی رہے گی "امی نے کہا مگر بختاور کی امی کے پاس بھی کافی سارے جواب تھے "ہم گردن کٹوا دیتے ہیں مگر پسند کی شادی نہیں کرتے "اس جہالت پر ہنسنا ہے یا رونا ہے اس بارے میں میری سمجھ اس وقت بہت کم تھی لہٰذا میں چپ ہی رہی تھی۔ پھر سننے میں آیا کہ بختاور اپنے نکاح کو تسلیم نہ کرتے ہوئے کسی کے ساتھ دوسرے شہر بھاگ گئی ہے۔ میری عمر اس وقت ایسی نہیں تھی کہ بڑے اپنے تمام معاملات مجھ سے بھی شئیر کرتے لہٰذا بہت سی باتیں مجھے پتہ نہیں چل سکیں سوائے اس کے کہ دو ماہ بعد بختاور کو ایک تھانے سے برآمد کیا گیا ہے! پھر وہ آج پچیس برس بعد میرے سامنے تھی! پہلے سے کہیں زیادہ سمجھدار اور اچھا مزاج رکھنے والی! غم واندوہ اور تجربات کی ہزاروں کہانیاں اسکے چہرے کی ہر لکیر میں رقم تھیں۔

"تمھارے کتنے بچے ہیں بختاور؟" میں نے اسکے ہاتھ سے معصوم سی بچی کو اپنی گود میں لیا "میرے تو چار بیٹے ہیں باجی چاروں بڑے ہیں سب سے چھوٹا بھی

۹ سال کا ہے یہ تو تاجور کی یہ بیٹی ہے اسکو بڑی بیماریاں لگ گئی ہیں اب کہاں بچے پلتے ہیں اس سے، مجھے اب شہر میں ہی رہنا ہے اپنا گھر بنانا ہے بچوں کے رہنے کا ٹھکانہ کرنا ہے، میاں میرا ابیمار رہتا ہے اسے گاؤں میں ہی چھوڑ آئی ہوں ابھی کچھ آسرا ہو جائے تو یہیں بلا لیں گے ابھی تو ہم خود بہنوں بھائیوں کے در پر پڑے ہیں۔ "

"انشاءاللہ" میں نے دھیرے سے کہا"تم آنا پھر بختاور! میں دیکھوں گی تمھارے لائق کوئی کام" میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے کہہ گئی تھی" زندگی اور خوشی کی ایک لہر میں نے اسکی چہروں کی لہروں میں دیکھی تھی!
(یااللہ! فیصلے تو سب تیرے ہی ہیں ناں؟ ہم تو بس عمل کرنے والے ہیں)
دل میں بے قراری اور قرار کی ملی جلی کیفیت کو میں خود بھی نہیں سمجھ پارہی تھی !

پھر تین دن اور گزر گئے دل و دماغ کی کشمکش کبھی ایک دم بڑھ جاتی اور کبھی ایک دم کم ہو جاتی سعدیہ کو فون کرنے کا پختہ ارادہ کرتی اور اسکا نمبر ملا کر کاٹ دیتی! اسی دوران مجھے ایک دن راستے میں سعدیہ کی مدرسے والی باجی ملیں "کہاں غائب ہے سعدیہ؟ ہفتہ بھر ہو گیا ہے اسکا کوئی پتہ نہیں اچھا خاصا چل نکلی تھی اب تو چھوڑنا نہیں چاہیے اسکو قران مجید""جی پوچھتی ہوں آج ہی فون کر کے" میں نے جواب دیا اور گھر آکر اسے فون ملادیا اور انتہائی استقامت کے ساتھ فون پکڑ کر بیٹھی رہی۔۔"السلام علیکم" چوتھی گھنٹی پر اس نے فون اٹھالیا لہجے میں اپنائیت لگی مجھے، تھوڑی حیرت بھی ہوئی میں سمجھی تھی کہ وہ فون نہیں اٹھائے گی"وعلیکم السلام سعدیہ باجی! کیسی ہو جناب؟" میں نے جھومتے دل اور بشاش لہجے کے ساتھ جواب دیا (لگتا ہے دماغ اس ایک ہفتے میں کچھ ٹھکانے پر آگیا ہے)"زندہ ہوں" تھوڑی سی پژمردگی اسکی آواز میں در آئی"" یہ بتاؤ تم نے مدرسے جانا کیوں چھوڑا ہے؟" میں نے مخصوص سختی اور اپنائیت کے ملے جلے

انداز میں پوچھا چند لمحے خاموشی طاری ہو گئی "بتاؤ کیا پوچھ رہی ہوں میں ؟" "نہیں باجی چھوڑا تو نہیں ہے مگر ابھی ہمت نہیں ہو رہی ہے اسلئے نہیں جا رہی ہوں مجھے آدھے سر کا درد رہنے لگا ہے بہت زیادہ پیچھے گردن میں بھی تکلیف ہے کام بھی نہیں ہوتا اب مجھ سے، سر نہیں جھکا پاتی ہوں" میرے دل میں درد کی عجیب سی لہر اٹھی تھی "اتنے زیادہ منفی خیالات کے ساتھ یہی حشر ہوتا ہے سعدیہ! اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے تم کیوں اپنے دل کو اتنی تکلیفیں دیتی ہو؟" "آپ سے آج بات ہو گئی ہے ناں باجی! آج کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں" پتہ نہیں اس نے دل سے اقرار کیا تھا یا مجھے ٹالا تھا! "سعدیہ! تمہیں لبنیٰ باجی بہت پوچھ رہی تھیں تم مدرسے جا کر انکو بتادو ورنہ تمہارا نام کاٹ دیا جائے گا تم وہاں جانا مت چھوڑنا" "جی انشاءاللہ" اس نے کہا "کل آؤ گی میرے پاس؟" میں نے بڑی آس سے پوچھا تو وہ کہنے لگی" پتہ نہیں کیوں فون پر بات کر رہی ہوں تو بہت اچھا لگ رہا ہے مگر سامنے جانے کا سوچتی ہوں تو کچھ عجیب سا لگتا ہے۔۔" ایک لمحہ توقف کے بعد اسنے کہا "اچھا ٹھیک ہے آجاؤں گی" میرے دل میں جیسے خوشی کے مارے پھول کھلنے لگے تھے۔

مگر اگلا دن اپنے ساتھ بہت سارے عجائبات لے کر آیا۔ سعدیہ ابھی آکر بیٹھی تھی اور مدرسے کے بارے میں کچھ باتیں بتانے لگی تھی اور میں نے اسکے چہرے پر پہلے والی اپنائیت دیکھ کر یہ سوچا ہی تھا کہ شاید اللہ نے مجھے سعدیہ واپس لوٹا دی ہے! کہ دروازے پر گھنٹی بجی، میں نے چونک کر

گھڑی کی طرف دیکھا(بختاور!)سعدیہ بختاور کو غائبانہ بہت اچھی طرح جانتی تھی یہ تو ممکن نہیں تھا کہ میں جھوٹ سچ کرتی!(یااللہ!میں کہاں پر غلط ہوں؟ یا تو ہی کوئی فیصلہ فرمادے اب میں بہت بے بس ہوں بہت زیادہ)اس دعا کے بعد میں نے اپنے دل میں اطمینان اترتا محسوس کیا تھا اور سعدیہ اپنے مخصوص انداز میں دروازہ کھولنے بڑھ چکی تھی

چند لمحوں بعد بختاور اور سعدیہ دونوں آگے پیچھے اندر داخل ہوئیں، میں ایک گہری سانس لے کر رہ گئی "السلام علیکم"بختاور نے مسکرا کر مجھے سلام کیا اور آرام سے نیچے قالین پر بیٹھ گئی میں اس سارے عرصے میں سعدیہ کے تاثرات دیکھتی رہی بظاہر کوئی فرق نظر تو نہیں آیا تھا"وعلیکم السلام۔ کسی ہو بختاور؟ سعدیہ سے ملیں؟ یہ ہمارے گھر کے فرد کی طرح ہے"میں نے مسکرا کر سعدیہ کا تعارف انتہائی اپنائیت سے کروایا"جی ملی ہوں" مخصوص مسکراہٹ اسکے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی سعدیہ نے بھی خوش اخلاقی سے حال احوال دریافت کیا

"تم دونوں چائے پیو گی ناں؟ میں بنا کر لاتی ہوں"میں کچھ دیر کے لیے ان دونوں کو باتیں کرنے کا موقع دینے کا سوچ کر اٹھ گئی واپس آئی تو دونوں سکوں سے دو سکھیوں کی طرح خوش گپیوں میں مصروف تھیں"میں اسکو کہہ رہی ہوں باجی کہ ادھر ادھر خوار ہونے سے بہتر ہے آپ کے گھر کام کرلے"سعدیہ کی بات پر میں نے تڑپ کر سعدیہ کو دیکھا(اب بھی یہ بھاگ رہی ہے مجھ سے)"اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اسکو ضرورت بھی

ہے ناں آجکل ہر کوئی ہر کسی کو نہیں رکھتا جب تک پرانی جان پہچان نہ ہو یا
بھروسا نہ ہو میرے تو گھر ابھی لگے ہوئے ہیں آپکا بھی پکڑوں گی تو وقت
کی کمی ہو گی اسکو ضرورت بھی ہے اور ہم تینوں کی سہولت بھی"
اسکے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا جس سے میں کچھ اخذ کر سکتی بس اتنا کہ وہ
ابھی میرے پاس کام کرنے کے لیے خود کو تیّار نہیں پاتی ورنہ یہ سب
باتیں کب سوچتی وہ؟"تم نہیں کرنا چاہتیں؟تو ایسے ہی سہی تمہارا دل
صاف ہو ہی نہیں سکتا اب شاید میں کتنی بھی کوشش کرلوں کام کا کوئی
مسئلہ ہے ہی نہیں جو چاہے کرلے بختاور تم کپڑے استری کرلو پہلے پھر
سب کام سمجھادوں گی""جی باجی وہ تو میں کردوں گی مگر یہ سعدیہ باجی کی
روزی ہے میں کیسے اس پر لات ماردوں؟آپ کا کام یہی کریں گی میں آتی
جاتی رہوں گی"بختاور کپڑوں کا ہینگر اتارنے کے لیے کھڑی ہوئی"""
روزی وزی اللہ کے ہاتھ میں ہے بختاور تو کام شروع کر میرا نصیب تو نہیں
لے سکتی ار تیرا میں نہیں لے سکتی"سعدیہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی
"اچھا ثمر باجی چلتی ہوں کہاسنا معاف"اس نے اپنا عبایا پہنا اور چل پر آج
میں نے اسے آواز نہیں دی وہ خود ہی پلٹی"ہم بختاور ایک بات اور"
"جی؟"میں خاموشی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی"باجی کے باقی گھر بھی تم
سنبھال لو روزینہ اور نورین باجی کے گھر!""سعدیہ تمہیں میرا کام نہیں
کرنا ہے ناں؟مت کرو مگر اسکو خواہ مخواہ مت پھنساؤ"میں ایک دم سے چلا
اٹھی"ہاں سعدیہ باجی ان سب کا بہت عجیب مزاج ہے میں سب سے

جواب سوال نہیں کر سکتی اور پھر نورین باجی کے کام بھی بہت ہوتے ہیں
میں نہیں کر سکتی، منع بھی مجھ سے نہیں کیا جاتا" بختاور نے تقریباً ہاتھ جوڑ
دیے "ارے کچھ نہیں ہوتا بختاور! دھیرے دھیرے سب سیکھ جاتے ہیں
منع بھی کرنا آجائے گا اور اپنا حق لینا بھی آجائے گا!" سعدیہ کی بات پر
میرے اندر برچھیاں چل رہی تھیں (ہاں جیسے تمہیں آگیا) زہریلے انداز
میں سوچتے ہوئے میرا ذھن کسی بھی اچھی اور مثبت سوچ سے خالی ہو رہا تھا
کیوں ثمر باجی ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟ سب ہی سیکھ جاتے ہیں یہ بھی
سیکھ جائے گی میری طرح" وہ میری طرف مری اور میرے منہ سے بے
اختیار ہی تین لفظ نکلے "اللہ نہ کرے" وہ جیسے چوٹ کھا کر پلٹی "کیا
مطلب؟ اللہ نہ کرے؟ میں بہت بدتمیز ہوں؟ کتنی بار آپ سے بدتمیزی
کی میں نے؟ یہ بات میرے دل پر لگی ہے جا کر"" تم نے بدتمیزی کی یا
نہیں یہ بحث بعد میں کر لینا مگر ایک بات طے ہے بختاور اور کہیں کام
کرے یا نہ کرے اسکی مرضی ہے تم اسے مجبور نہیں کرو گی، اور میری
باتوں کا برا ماننا ہے اس بات پر تو اب تم نے گویا قسم لے رکھی ہے تو برا ماننا
ہی ہے تو مانو پھر میں کہاں تک روک سکوں گی؟؟" میں نے بھی شاید پہلی
بار اتنے اٹل لہجے میں اس سے بات کی تھی وہ ایک جھٹکے سے مڑی اور واپس
پلٹ گئی۔ بعد میں مجھے اپنی بات اور لہجے کی تلخی کا اندازہ ہوا تھا مگر اب
سعدیہ کو بلانے یا بات کرنے کی کوئی طلب نہیں پاتی تھی میں اپنے دل میں
(بہت زیادہ ڈی گریڈ کر دیا ہے اس نے مجھے اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں

بنتی)۔

جیسے جیسے وقت گزرتا رہا میرے دل میں اسکی یاد بڑھتی چلی گئی جانے کیوں؟ بس وہ یاد آئی ہر لمحے ہر چیز میں سے اسکے وجود کی خوشبو محسوس کر کے مجھے اچھا لگتا آج بختاور کو میرے گھر کام کرتے سال ہونے والا ہے رمضان شروع ہونے والے ہیں کوئی کام ایسا نہیں جس میں سعدیہ کی یاد نہ ہو کبھی آنسو پلکوں پر ٹھہر جاتے ہیں کبھی دل کی حالت عجیب ہونے لگتی ہے بختاور نے کبھی نہیں پوچھا سعدیہ نے کام کیوں چھوڑا میں نے بھی نہیں بتایا مگر اسکا ذکر ہمیشہ رہا اچھے لفظوں میں۔ بختاور میں غیبت کی عادت نہیں تھی کسی کی برائیاں کرنا اسکا کام تھا ہی نہیں اب تو اور بھی زیادہ محتاط ہو گئی تھی مگر کبھی کبھی مجھے سعدیہ کے لیے بہت اداس دیکھتی تو کہہ اٹھتی "آپ سعدیہ باجی سے مل آئیں جا کر ایک بار" میں مسکرا کر رہ جاتی اور دل میں سوچتی (ہاں ایک بار تو ضرور ہی جاؤں گی بھلا کیا کرے گی وہ؟ اپنے گھر آنے والوں کی عزت کرنا اسکا شیوہ گھر سے تو نہیں نکالے گی، مگر مجھ سے وہ اتنی متنفر ہو چکی تھی کہ شاید مجھے دیکھ کر گھر سے چلی جائے) دل کا سناٹا بڑھ جاتا اس خیال کے ساتھ۔ میں نے کبھی شعوری کوشش نہیں کی تھی کہ اس کا برا سوچوں مگر صرف میں اکیلے رشتے نبھا نہیں پا رہی تھی میں ایک عام سی انسان تھی جو کہ بہت خاص بننے کی کوشش کرتی رہتی تھی! مگر اکثر ناکام رہتی۔

ایسے ہی اس دن رمضان کی چاند رات متوقع تھی جب بختاور مجھے سعدیہ

سے ملنے کا مشورہ دے رہی تھی میں نے اس سے عجیب سوال کر دیا"تم اپنے نکاح کے بعد کہاں چلی گئی تھی بختاور؟"وہ چند لمحے خاموش ہو گئی" بس جی شیطان ہے ناں انسان کے ساتھ ہر لمحے وہ لے گیا تھا، میں کسی کی باتوں میں آگئی تھی مگر اللہ سے بہت معافی مانگی ہے میں نے وہ غفور الرحیم ہے مجھے ضرور معاف کرے گا، مجھے میرے سسرال والوں نے بہت عزت دی ہے باجی کبھی بھول کر بھی میرے میاں نے مجھے طنز نہیں کیا کہ میں بھاگ کر چلی گئی تھی، ابھی بھی اسکی بیماری کی وجہ سے میرے حالات خراب ہوئے ہیں تو میں ہزاروں دعائیں مانگتی تھی کہ مجھے بس آپکے پاس کام مل جائے میرا اور کوئی۔۔""بس بختاور!"میں ایک دم چیخ پڑی کہیں وہ آسرا کا لفظ نہ کہہ دے میں خوف زدہ ہو گئی"آسرا بس اللہ کا اور کسی کا نہیں کبھی بھول کر بھی کسی سے مت مانگنا تم نے اس سے مانگا ناں؟ تمہاری ضرورت میری الفت سے بڑی تھی الفت ضرورت نہیں ہوتی بس دل لگا رہتا ہے اس میں!"میری آنکھیں نم ہو گئیں دل اللہ رب جلیل کی بارگاہ میں جھکا جا رہا تھا سجدے کی طلب بڑھنے لگی اور اس بار صرف اس رب سے اسکو مانگنے کے خیال سے میں اٹھ کھڑی ہوئی

میں نے اس ایک سال میں بہت کچھ دیکھا اور سوچا تھا بختاور کی ضرورت کا نہ مجھے پتہ تھا نہ سعدیہ کو مگر اللہ پاک کو ہمارے ذریعے اور سبب سے اسکو

ٹھکانہ نصیب کروانا تھا سو اس عظیم ذات نے جو چاہا کروا دیا، سعدیہ نے میرا بہت لحاظ کیا تھا اور شاید آئندہ بھی کرتی رہتی اور اس لحاظ و مروت میں بختاور اپنی جگہ نہیں بنا سکتی تھی کبھی بھی۔۔ میں وقتی طور پر جتنی بھی بددل ہوتی ہوں اور کچھ غلط انداز بھی اختیار کر لیا کرتی ہوں مگر میرے اندر انتہا کی مروت اور خلوص بھی تھا ٹوٹی پھوٹی ہی سہی اللہ کی رضا کے لیے بھی کوشاں رہتی تھی نیت بھی صاف کرنے کی کوشش کرتی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میری ذات پر کیا گیا کوئی حملہ کبھی مجھے کسی سے تعلق توڑنے پر مجبور نہیں کرتا تھا میں آنا پرست نہیں تھی! یہ سب صفات بختاور کے لیے بہت سود مند ثابت ہو سکتی تھیں شاید اس لئے اللہ نے اسے میرے گھر کا راستہ دکھانے سے پہلے اسکی جگہ میرے گھر میں بنائی تھی؟؟

رمضان کا چاند نکل آیا تھا سب ہر طرف شور شرابا تھا سعدیہ کے لیے میرے دل میں جو بدگمانی تھی آج وہ بھی نکل گئی میں مغرب کی نماز کے بعد دعا مانگ رہی تھی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر میرے دوپٹے پر گر رہے تھے" یااللہ! میں تیرے فیصلے پر راضی برضا ہوئی آج۔ میرا سعدیہ سے رشتہ دنیا میں بھی جوڑ دینا اور آخرت میں بھی تو جب سب رشتے داروں کو آپس میں ملائے گا تو میرا اور اسکا ساتھ رکھنا اور میرے ان تمام رشتے داروں کے دل مجھ سے اور میرا دل ان سے جوڑ دینا جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے خفا ہو جاتے ہیں یااللہ ہم نہیں جانتے تیری مصلحتیں، ہم صدموں پر الحمد للہ کہنے والے بن جائیں ایک دوسروں سے بدگمان ہو کر اختلاف میں

نہ پڑے رہیں ہمارے دلوں کی تنگیوں کو تو نے جنت میں جانے سے پہلے
دور کرنے کا وعدہ فرمایا ہے تو ہمارے دل اس دنیا میں بھی ایسے ہی پاکیزہ
کر دے ہمیں تیری ذات کے لیے ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا کرنا تجھ
سے دوری کے لیے نہیں۔۔اس ماہ رمضان کی برکتیں ہم پر یوں نازل فرما
کہ ٹوٹے ہوئے دل جڑ جائیں بچھڑے آپس میں مل جائیں اور محبتیں اور
مروتیں تیری خاطر ہو جائیں۔آمیں یارب العالمین"!



۴

سوہنی دھرتی

سوہنی دھرتی

اتنے ترے قرض!

ذرا چین ملے

جو ادا ہو

میری بے توقیر سی

ہستی سے

بس یہی فرض

"بیٹا! اتنے سارے کپڑے، اور سب ہی اتنے خوبصورت"!

بوا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں "اسکی رلی تو بہت بڑی ہو گی۔"

"اور بے حد خوبصورت بھی "عطیہ نے آنکھیں مٹکائیں تو بوا بھی ہنس پڑیں

"بڑی رلی کو بنانا بھی مشکل کام ہوتا ہے مگر خیر اب بنانی تو ہے۔ہاں ہاں بھئی! اس میں تو شک نہیں اتنی خوبصورت رلی شاید ہی کبھی بنی ہو" بوا کی بات پر وہ جھوم جھوم گئی

"میرا برسوں سے ارادہ تھا بوا! کہ اس بار آپ میرپور جائیں گی تو مجھے رلی بنوانی ہی ہے۔ مگر ہر بار کوئی نہ کوئی مسئلہ ہو جاتا! اس بار اللہ نے ساتھ دے ہی دیا ہے بس آپ اگلے ماہ جب آئیں گی تو ساتھ ہی لائیے گا "

اے بی! ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمایا کرو! کوشش کروں گی ضرور وعدہ نہیں ہے۔شاید اکتوبر تک آجائے" !

"۵ . . ۲ کے ہی اکتوبر میں آجائے تو مہربانی ہو گی "وہ قدرے چڑ کر بولی

"ہاں ہاں۔ضرور انشاءاللہ پہلے ہی آجائے گا" بوا مسکراتے ہوئے اپنی چادر اوڑھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں !

عطیہ کی رمضان کے بعد شادی تھی اسکی امی ازلی سلیقہ مند! اور یہ سلیقہ عطیہ میں بھی موجود تھا، یہی وجہ تھی کہ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود انہوں نے بہت عمدہ نہ سہی مناسب سا جہیز تیّار کر ہی لیا تھا۔ کہ

لڑکے والے بہت اچھے بھی تھے تب بھی جہیز سے انکار نہیں کیا تھا انہوں
نے! عطیہ کی ایک ہی دوست تھی ممتاز۔ بے حد محبت کرنے والی اور
ملنسار وہ میر پور خاص کی رہنے والی تھی والد کی جاب کی وجہ سے کراچی
میں مقیم تھی۔ اسکے گھر میں جاکر عطیہ کو ہمیشہ روایتی انداز کی زندگی ملتی
سب سے زیادہ جس چیز نے عطیہ کو متاثر کیا وہ انکے گھر بچھی ہوئی مختلف
کپڑوں سے بنی ہوئی خوبصورت رلیاں تھی۔ عطیہ نے دل ہی دل میں
فیصلہ کیا ہوا تھا کہ ایک خوبصورت سی رلی اپنے جہیز کا حصہ ضرور بنائے
گی۔ ممتاز سے اس نے ذکر کیا تو ممتاز نے اپنی بوا کا بتایا جو کہ اکثر میر پور آتی
جاتی رہتی تھیں اور رلی لانے لے جانے کا کام بھی ان ہی کا تھا۔ تب سے
عطیہ بوا کا پیچھا لیے ہوئے تھی کبھی بوا جی بیمار کبھی انکا کوئی بچہ بیمار کبھی
عطیہ کی کترنیں پوری نہیں! آج دو سالوں بعد یہ نوبت آئی تھی کہ اس
نے رلی کے لئے تمام جہاں سے کترنیں جمع کر کے بوا جی کے حوالے کر ہی
دی تھی۔

*________________*__________________

____

رمضان کی شروعات اور اکتوبر کی پانچ تاریخ کو ہی رلی آگئی! رنگ برنگی خوبصورت اور دلکش! عطیہ تو دل وجان سے فدا تھی اس رلی پر سب کو دکھا کر فارغ ہوئی تو اچھی طرح تہہ لگا کر پیک کر دیا !

ماہ رمضان اپنی رحمتیں لٹاتا رواں دواں تھا کہ اچانک ایک قیامت خیز گھڑی نے سب کچھ نگل لیا! آٹھ کی صبح کو گویا قیامت کی خبریں گشت کر رہی تھیں۔ایک تباہ کن زلزلے نے کئی جانیں لے لی تھیں اور بہت زیادہ مالی نقصان بھی ہوا تمام چینل بالاکوٹ، آزاد کشمیر مظفرآباد میں سب سے زیادہ تباہی دیکھا رہے تھے سب کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا کیوں کہ سب قدرت کی مرضی کے آگے بے بس تھے !

اذا زلزلت الارض زلزالها

سحری وہ پر سکون تھی سب روزہ دار تھے۔
سارے تھے ان میں پارسا کچھ داغ دار تھے

بعد از نماز فجر کچھ کاموں میں کھو گئے

باد نسیم خنک تھی سو باقی سو گئے

غافل تھے بے خبر تھے وہ بے نیاز تھے

لیکن قضا کے پاس پوشیدہ راز تھے

سانسوں کو تسلسل کی مہلت قلیل تھی

اس کا تھا کچھ ثبوت نا کوئی دلیل تھی

اب تم کو سناتا ہوں اک گھر کی کہانی

میں نے سنی ہے بات یہ اک ماں کی زبانی

کہتی ہے قضا لے گئی خاوند کو مرے دور

بچوں کے لئے جینے کو ہو گئی مجبور

میں حوصلے کے ساتھ انہیں پال رہی تھی

تھا مجھ پہ کڑا وقت جو میں تال رہی تھی

کرتی شبانہ روز میں کپڑوں پہ کڑھائی

دو وقت کی روٹی اور بچوں کی پڑھائی

جانے قضا سے ہو گئی اس روز کوئی بھول

اس وقت میں قرآں کی تلاوت میں تھی مشغول

لرزی زمین ایک دم سے آیا زلزلا

یہ موت کی جانب کے سفر کا تھا مرحلہ

نکلی تھی گھر کے صحن میں دیکھوں ہوا ہے کیا

میرا مکان میرے ہی بچوں پہ آ گرا

چیخی تھی مری بچی دھاڑے تھے مرے لعل

ان کو بچا سکوں میری تھی کیا مجال

بے یار و مددگار پاگل سی کھڑی تھی

گنگ تھی زبان آنکھوں میں آنسو کی لڑی تھی

عمر بھر کی ہائے مری لٹ گئی پونجی

بچوں کی صدا بارہا کانوں میں گونجی

عید آئے گی تو پانچ روز چھٹی کریں گے

مانی نہ بات آپ نے تو کٹی کریں گے

وہ عید سے پہلے ہی رستے میں کھو گئے

بچے مرے مکان کے ملبے میں سو گئے

ہر طرف ایک حشر برپا تھا سب ہی حیران تھے سب ہی دکھی تھے۔ کیا کیا جائے؟؟ پھر حیرت ٹوٹی حقیقت کی دنیا میں قدم رکھا گیا عمل؟؟ کوئی عمل بھی ہو تو حالات قابو کے جائیں حکومت کو ہوش آیا۔۔ حزب اختلاف کے ساتھ معاہدے شروع ہوئے۔

لوگوں کا چونکہ اس حکومت پر شروع سے ہی اعتماد نہیں تھا اور لوگوں کا یقین تھا کہ یہ حکومت چوروں کا ایک ٹولہ ہے اس لیے دل ماننے کو تیار ہی

نہیں کہ زلزلہ زدگان کی بحالی کا سارا سسٹم فول پروف ہوگا اور حکومت
کے لوگ اس میں گھپلا نہیں کریں گے۔۔ پھر ہر جگہ سے امداد آنا شروع
ہوگئی زلزلے کے موقع پر پوری قوم ایک ہوگئی تھی اور پھر ذمہ داری کا
احساس حکومتی سطح سے آگے بڑھا نوجوانوں نے گلی محلے میں گروپس بنا کر
سامان اکٹھا کرنا شروع کیا ٹرکوں پر ٹرک بھر بھر کر جا رہے تھے۔ لوگوں
کے دلوں میں شکوک و شبہات بھی تھے اور انہیں یہی محسوس ہوتا تھا کہ
ہم بھیج دیں اور سامان پہنچے ہی نہ ؟؟؟ مگر پھر اگلے خالی ٹرک کے آجانے کا
شور اٹھتا اور وہ سب بھول بھال کر اپنا سارا سرمایہ اپنوں تک پہنچنے کی فکر
میں لگ جاتے !

سامان لے جانے والے ٹرکوں پر ملی نغمات لگے تھے نوجوانوں کے چہرے
شدت جذبات سے سرخ تھے کچھ کر گزرنے کا خیال انہیں توانائی بخش رہا
تھا

وطن کی مٹی گواہ رہنا گواہ رہنا !

"یااللہ رحم !" عطیہ کی امی سجدے میں گری اپنے رب سے رحم کی
درخواست کر رہی تھیں اور عطیہ اپنے جہیز کے بکس کے پاس بیٹھی سامان
نکالتے ہوئے، وقفے وقفے سے باہر سے آنے والی قوم کی محبت سے سرشار
آوازیں سن رہی تھی

اے میرے جنت نشین عزیزوں
وہ ساری مائیں وہ ساری بہنیں

بزرگ سارے وہ سارے بچے

جو تم نے چھوڑے

ہمارے ہی درمیاں بسے ہیں

ہمارے ہی درمیاں بسیں گے

سبھی وسائل کو یکجا کر کے

سبھی مسائل کو حل کریں گے

یہ تمہاری امانتیں ہیں

امانتوں کو سنبھال رکھنا

ہماری تہذیب ہے پُرانی

اے میرے جنت نشین عزیزوں

یہ عہد ہم تم سے کر رہے ہیں

یہ عہد ہم تم سے کر رہے ہیں

اسی دوران عطیہ کے ابو نے ٹی وی کھول کر دیکھنا شروع کیا تا کہ پتا چل سکے کہ کتنا نقصان ہوا ہے اور تمام ٹی وی چینل پر بالا کوٹ، آزاد کشمیر مظفر آباد میں سب سے زیادہ تباہی کا بتا رہے تھے۔ اور اس کے بعد جب اگلے دن جگہ جگہ لاشیں دکھا رہے تھے اس کے بعد ٹی وی پر لوگوں کے گھر دکانیں سب کچھ ختم ہو گیا اور کتنے ہی معصوم بچے بھی اس زلزلے کی نظر ہو گئے ایک لڑکا زلزلے کا حال بتا رہا تھا عطیہ نے دل تھام کر سننا شروع کیا۔

"میں صبح جب اٹھا تو بہت تیز ہوا چل رہی تھی ہر طرف اداسی چھائی ہوئی

تھی۔ جیسے ابھی کچھ برا ہونے والا ہے اور وہی ہوا تھوڑی ہے دیر بعد جب
میں گھر میں اپنی امی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ کہ امی آج دن کچھ اداس سا
لگ رہا ہے امی نے کہاہاں مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے اس کے بعد اچانک
سے ایک زوردار جھٹکا آیااور سب کچھ ہلا کرر کھ دیامیں نے اپنی امی کا ہاتھ
پکڑااور ایک درخت کو مضبوطی سے پکڑ لیاوہ درخت اتنی تیزی سے ہل رہا
تھاجیسے ہمیں بھی ساتھ اچھال رہاہوایک عجیب ساخوف آنے لگازمین
جیسے اچھل رہی ہواس کے بعد زلزلہ تو تھم گیالیکن جب آفٹر شاکس کا
سلسلہ شروع ہواتولوگوں کی رات کی نیندیں اڑ گئیں لوگ خوف زدہ ہو
گئے تھے کہ کہیں پھر سے زوردار زلزلہ نہ اجائے اور یہ سلسلہ مسلسل
جاری رہا!"عطیہ کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں۔۔
پھر کچھ سروے کرنے والی ٹیموں نے بتاناشروع کیا۔
"اس کے بعد جب ہم ایبٹ آباد گئے تو وہاں بھی تباہی مچی ہوئی تھی اور
لوگ بہت ہی خوف زدہ تھے اس زلزلے نے لاکھوں لوگوں کی جان لی اور
ہزاروں لوگ معذور ہوئے اور لاکھوں لوگ اپنے گھروں سے محروم ہو
گئے۔ ہمارے ملک کے ہزاروں نہیں، لاکھوں لوگ اِس وقت عجیب و
غریب کیفیت میں مبتلاہیں، ماؤں کے بچے بِکھر گئے ہیں، گھروں کے گھر
برباد ہو گئے ہیں، لوگ برباد ہو گئے ہیں۔ کئی لاکھ ایسے لوگ ہیں جو کہ اِس
وقت خوراک کے مُنتظر ہیں۔ اس وقت ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم ایک
جسم کی مانند ہیں اور اپنے ملک کے ہر فرد کا دکھ ایسے ہی محسوس کرتے ہیں

جیسے آنکھ کی تکلیف سارا جسم محسوس کرتا ہے! آپکی بھیجی ہوئی ایک چھوٹی سی مالی اور غذائی مدد بھی انکے لئے آپکا تحفہ ہو گا ایک کلو چاول کا پیک یا ایک چادر ہی سہی!" کسی پروگرام کے میزبان کی بات پر عطیہ کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ ٹپکا اور اسکے ہاتھ میں پکڑی رلی میں جذب ہو گیا!

میزبان نے پھر کہنا شروع کیا

"میری گزارش اِس میں یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر اگر اعتماد کا بحران بھی ہو تو لوگوں کے اندر ایک ایسی طاقت ہونی چاہیے کہ وہ خود آگے بڑھیں اور ایسے راستے تلاش کریں کہ جن سے بہر حال اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے پہنچ سکیں۔ اِس المیے میں اپنا کردار مجھے بھی ادا کرنا ہے، آپ کو بھی کرنا ہے، ہر شخص کو ادا کرنا ہے۔ اِس میں اگر اتنا سخت اخلاقی بحران پیدا ہو گیا ہے کہ ریاست پر، اُس کی مشنری پر لوگوں کا اعتماد نہیں رہا تو بہر حال خدا کی زمین خالی نہیں ہو جاتی۔ ابھی بھی ایسے ذرائع موجود ہیں۔ آخر ریڈ کراس کی تنظیم موجود ہے، بعض ایسی جماعتیں اور تنظیمیں موجود ہیں جن پر لوگ کسی حد تک اعتماد کرتے ہیں۔ تو میرا احساس یہ ہے کہ آگے بہر حال بڑھنا چاہیے، راستے تلاش کرنے چاہیئں۔ راستے بند نہیں ہو جاتے۔

یہ ہم جانتے ہیں کہ جس علاقے میں اس وقت آفت ہے وہاں کے اکثر یتی علاقے ایسے ہیں جن کی خواتین گھروں سے باہر نہیں آتیں۔ آج وہ خواتین کھلے آسمان تلے بیٹھی ہیں۔ تو وہاں سائبان کی بہت ضرورت ہے۔ اور یہ میں اور آپ نہ بھولیں کہ یہ میرے اور آپ کے گھر کو خواتین بھی

ہو سکتی تھیں یا ہو سکتی ہیں۔ نیکیوں میں اپنا حصہ ڈالیے اللہ آپکو سات گنا لوٹانے کا وعدہ کر چکا ہے"

عطیہ نے اپنے سامان کو ایک ڈبے میں بند کر کے آخری گرہ لگانے سے پہلے اپنی جان سے پیاری رلی کو غور سے دیکھا(اتنی حسین رلی! کیا پتہ سامان پہنچ بھی پائے یا نہیں؟؟ کوئی اور ہی اڑا لے جائے بیچ میں؟ خواہ مخواہ دے دوں میں) پھر ایک سر جھٹکتے ہوئے سے اس نے وہ رلی تہہ کی اور باقی سامان میں باندھ دی!

من یقرض اللہ قرضا حسنا ! میں اپنے ہی لوگوں کو اپنی پسند کی چیز نہ دی تو اللہ کو کیا جواب دوں میں نے اللہ کی راہ میں اپنوں کو کیا دیا؟؟ سب کی نیت اسکے ساتھ مگر اجر تو اللہ کے ذمہ ہوا ناں؟؟

وہ اس ڈبے کو بند کر کے امی کے پاس آئی "امی یہ سامان بھی ٹرک میں رکھوا دیں یہ ہماری طرف سے ہموطنوں کو حقیر سا نذرانہ ہو گا"

امی نے جانماز لپیٹتے ہوئے نم آنکھوں کے ساتھ اسکو دیکھا "یہ تو تمہارا۔۔"
وہ اتنا کہہ کر رک گئیں

"امی ہمارے گھر والے مشکل میں ہیں میری استطاعت بس اتنی ہی ہے، بے جا جہیز تو ویسے بھی ناپسندیدہ چیز ہے دین کی نگاہ میں اور وہ بھی جب ماں کا جگر چھلنی ہو تو جہیز بچانا ٹھیک ہے یا ماں کی پکار پر لبّیک کہنا؟؟" امی نے خاموش مگر سوالیہ نگاہ اسکی طرف ڈالی عطیہ انکا سوال پڑھ کر مسکرا دی

"امی! اگر کوئی ان مشکل حالات میں بھی بغیر جہیز کے مجھے قبول نہیں کرتا

تو اسکا قبول نہ کرنا میرے حق میں بہتر ہے ناں؟" بس آپ ابو سے کہیں یہ سامان باہر بھیجیں نیا ٹرک لوڈ کیا جا رہا ہے کچھ تو قرض ادا ہو ہی جائے گا"

امی نے عطیہ کے ماتھے پر پیار کیا اور سامان لے کر باہر نکل گئیں!

*

__*

اے میرے جنت نشین عزیزوں

ہمیں یہ دنیا بتا رہی ہے

کہ تم پہ اپنے پہاڑ ٹوٹے۔۔

تمہاری اپنی چھتوں نے تم کو کچل دیا ہے

زمیں نے تم کو نگل لیا ہے

سو مر گئے تم

یقین جانو یہ سب غلط ہے

مرے نہیں تم۔۔۔۔ مرے تو وہ ہیں۔۔۔ جو بچ رہے ہیں

تمہاری فرقت میں جی رہے ہیں

تمہیں خبر کیا کہ مرنے والوں کے بعد جینا

عذاب ہے۔۔۔۔۔ اور عذاب ایسا کہ جس پہ آئے

سنبھل نہ پائے۔۔۔ وہ مرنا چاہے تو مر نا پائے

اے میرے جنت نشین عزیزوں۔۔۔ مرے نہیں تم مرے تو ہم ہیں

یقین نہ آئے تو اپنی روحوں کو بھیج دیکھو

وطن میں ہیں جس قدر بھی آنکھیں

وہ آنسوؤں سے بھری ہوئی ہیں

تمام چہروں پہ وہ قیامت جو تم پہ ٹوٹی

بہت نمایا لکھی ہوئی ہے

لبوں کو دیکھو تو یوں لگے گا کہ مسکرائے

انہیں تو صدیاں گزر گئی ہیں!

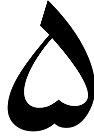
*___________*___________

عطیہ نے کچن میں برتن سمیٹتے ہوئے ٹی وی پر کسی کی آواز سنی اور مسکرانے لگی

"شمال کے علاقوں میں کشمیر کی تاریخ کا بدترین زلزلہ آیا سینکڑوں کوہستانی بستیاں ملیامیٹ ہو گئیں مگر اپنے ہم وطنوں کا جذبہ دیکھ کر میں پورے یقین سے کہ سکتا ہوں کہ اسقدر نقصان کے باوجود ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے انشاءاللہ۔ان قدرتی آفتوں کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو کوئی سندھی سندھی رہتا ہے نہ کوئی پنجابی، نہ کوئی پٹھان نہ کوئی بلوچی

"ہم پاکستانیوں کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ تھوڑے پاگل ہیں لیکن کچھ بھی کر سکتے ہیں"

■



نالہ فریاد

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

قدسی الاصل ہے، رفعت پہ نظر رکھتی ہے

خاک سے اُٹھتی ہے، گردُوں پہ گزر رکھتی ہے

عشق تھا فتنہ گرو سرکش وچالاک مرا

آسماں چیر گیا نالہء بیباک مرا

"أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذا دَعاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوء "

" 'کون ہے جو بے قرار کی فریاد کو سنتا ہے جب وہ بے قرار اس کو آواز دیتا ہے اور کون ہے جو دور کرتا ہے اس کی مصیبت کو؟"

تین دن سے ابو وینٹیلیٹر پر تھے۔آج انہیں ہوش آیا تھا اور آج انکے پاس مجھے رکنا تھا جب میں ابو کی حالت کو دیکھنے MICU پہنچی تو ایک لمحے کو میری روح کانپ گئی سینکڑوں مشینوں کے درمیان جو چیز انکی زندگی کا احساس دلا رہی تھی وہ انکی آنکھیں تھیں میں انکے پاس گئی اور انکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا انہوں نے میرا ہاتھ زور سے دبایا اور انکے ہونٹوں نے حرکت کرنے کی کوشش کی انکے منہ میں ایک موٹی سی ٹیوب لگی تھی جو انکی حلق سے ہوتی ہوئی سانس کی نالی سے گزر رہی تھی جسکی وجہ سے ہونٹ بند نہیں ہو رہے تھے۔میں سمجھ نہیں سکی انکی بات انہوں نے دوبارہ کوشش کی میں نے پوری توجہ مرکوز کر کے انہیں دیکھا اس لمحے میری سننے کی حس آنکھوں میں سمت آئی تھی اور میں نے سنا وہ ایک چار حرفی لفظ ادا کر رہے تھے "پانی" میں ایک دم چلا اٹھی "ابو! پانی؟" انکے چہرے پر بات سمجھے جانے کے سبب ہلکا سا اطمینان ابھرا اور وہ دوبارہ مزید جوش سے اپنے ہونٹوں کو حرکت دینے لگے میں نے قریب کھڑی مونیٹرز کو چیک کرتی نرس سے بے اختیاری میں کہا "یہ پانی مانگ رہے ہیں" اس نے میری طرف دیکھا "اپنے دماغ کا علاج کروائیں" اس نے تو صرف مجھے

دیکھا تھا یہ جملہ تو اسکی آنکھوں نے کہا جو میں نے اپنی تیز ہوتی حسیات کے باعث سن لیا تھا پھر اس نے پلٹ کر ابو کو دیکھا ہلکا سا ہمدردی اور ترس کا تاثر اسکے چہرے پر نظر آیا اور معدوم ہو گیا میں جانتی تھی پانی ابو کے لیے زہر ہے اسوقت۔

"آپ مل چکی ہیں پیشنٹ سے اب آپ جائیں پلیز" نرس نے میری طرف دیکھ کر نرمی بھرا سخت جملہ ادا کیا میں نے ایک نظر ابو کی طرف ڈالی انکی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ نکل تھا اور چہرے پر لگی ہوئی بے شمار ٹیوبز کے پیچھے غائب ہو گیا" یا اللہ! یا ارحم الرحمین!" میرے دل نے پوری طاقت سے پکارا تھا

"آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے اسے صاف کر دیں" میں نرس سے کہہ کر الوداعی نظر ابو پر ڈال کر پلٹ آئی۔ دل و دماغ کی عجیب کیفیت تھی جو ناقابل بیان ہے وٹینگ روم میں آکر اپنی تسبیح نکالی "کیا پڑھ رہی تھی میں؟" کچھ یاد نہ آیا مگر آنکھ سے آنسو اور تسبیح کے دانے گرنے لگے ابو! میرے ابو! میں نے آپکے مانگنے پر پانی نہیں دیا! یا اللہ کب ناقدری کر دی ہم نے اس نعمت کی؟ کوئی بھی لمحہ کوئی بھی پل جب ہم نے ابو کی باتوں پر بیزاری ظاہر کی ہو میں اس پل کے لیے معافی مانگتی ہوں۔ آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر تسبیح کے دانوں کے ساتھ لڑیاں بنا رہے تھے مجھے یاد آیا کہ ابو کھانے

سے پہلے پانی پینے کے عادی تھے اگر کبھی ہم میں سے کوئی پانی رکھنا بھول جاتا تو بہت ناراض ہوتے۔ ہم سب بھی ابو کی ضرورت پوری کرنے کے لیے صرف انکی آنکھوں کے اشارے دیکھتے تھے۔ کوئی سوچ نہیں سکتا تھا کہ ابو پانی مانگیں گے اور میں نہیں دونگی۔ لیکن۔۔انسان کی بے بسی کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی لمحے فون کی گھنٹی بجی میرے شوہر کا فون تھا میں موبائل ہاتھ میں لے کر باہر آگئی "از ایوری تھنگ اوکے ؟" انہوں نے پوچھا" جی سب ٹھیک ہے ڈاکٹرز بہت مطمئن ہیں پار ٹلی وینٹ پر ہیں مگر۔۔ مجھ سے ابو کی حالت دیکھی نہیں جارہی" میں ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی انہوں نے مجھے کافی دیر سمجھایا جو مجھے سمجھ میں آیا یا نہیں مگر انکی پریشانی کا خیال کرکے میں نے انہیں سمجھ لینے کا یقین دلایا اور فون بند کر کے اپنی سیٹ پر واپس آگئی دوبارہ ہاتھ میں تسبیح اٹھائی دماغ میں صرف ابو کا بے بس انداز اور ماضی میں انکی پیار بھری ناراضگیاں تھیں جو کبھی کبھی ہمیں ناگوار بھی گزرتی تھیں "ابو کا جتنا بھی خیال رکھوں ذرا سی بات پر سب بھول جاتے ہیں وہ" ہم اکثر شکوہ بھی کرتے تھے مگر آج ابو کی وہ شفقت بھری ناراضگیاں یاد آرہی تھیں۔ ابو نماز کے اتنے پابند و شوقین تھے کہ ہڈی فریکچر ہونے کے باوجود نماز نہیں چھوڑی پھر آپریشن ہوا اس میں بھی انہوں نے وارڈ میں آتے ہی نماز کا حساب درست کیا" امید اللہ

سے اچھی ہے" یہ انکا جملہ تھا جو وہ ہر کسی سے کہتے تھے پھر اچانک انہیں وومٹنگ ہوئی اور اسکی وجہ سے پانی پھیپھڑوں میں چلا گیا اور انہیں آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا!

دوبارہ فون کی گھنٹی بجی تو میں نے تسبیح کے گرتے دانوں کو لمحے بھر کے لیے روکا دوسری طرف میری نند تھی "عنبر! ہم نے دعا مکمل کر لی ہے تمہاری طرف سے کتنا شامل کریں؟" مجھے ایک دم ہی یاد آگیا کہ میں پہلے کیا پڑھ رہی تھی میں نے اپنے دماغ کو یکسو کیا اور اگلا دانہ گرانے سے پہلے اپنی زبان پر جاری ہونے والے الفاظ پر غور کیا "یا اللہ! یا ارحم الرحمین! میرے ابو کی پیاس بجھا دے" میری زبان پر جیسے اس دن یہ الفاظ چپک گئے تھے مجھے سری دعائیں بھول گئیں تھیں سوائے اس دعا کے۔ میں گھر آگئی دن گزرا رات آئی اور رات کو بھی خواب میں، میں یہی الفاظ ادا کرتی رہی۔۔

اگلا دن نئی امیدوں کے ساتھ طلوع ہوا میرے شوہر ہسپتال گئے تھوڑی دیر بعد انکا فون آیا" مجھے تو کچھ بہتری نظر نہیں آ رہی ابو ہوش میں نہیں ہیں" میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ انہیں حوصلہ دیا" انکی جاگ بہتر ہے اب آپکو اتفاقاً سوئے ہوئے ہی ملتے ہیں" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر فون بند کر دیا صرف آدھے گھنٹے بعد دوبارہ موبائل بجا

میں نے ڈرتے ڈرتے فون اٹھایا"ابو کی طبیعت ماشاءاللہ بہتر ہے انکو وینٹ سے مکمل طور پر ہٹا دیا ہے اور منہ میں لگی ٹیوب بھی نکال لیا ہے انہوں نے مجھ سے بات کی ہے دن تاریخ پوچھا ہے اور وقت کا بھی معلوم کیا ہے پھر نماز کا پوچھا ہے۔"اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے میں نے دو تین بار آوازیں دیں دوسری طرف ہسپتال کے مخصوص شور شرابا کی آوازیں آرہی تھیں مگر انکا کوئی جواب نہیں آرہا تھا۔ پھر مجھے عجیب سا احساس ہوا"آپ رو رہے ہیں؟"کل مجھے حوصلہ دینے والا آج خود رو رہا تھا ابو کی تمام مشکل گھڑیوں کے وہ خود گواہ رہے ہیں ہمت و حوصلے کا سمبل۔ آج جانے کتنے دنوں پر ابو کی آواز سنی تھی محنت سوارت ہو جائے تو ایسے ہی رونا آجاتا ہے! میں فوراً ہی گھر میں خوشی کی اطلاع دے کر خود ہسپتال پہنچ گئی۔ گارڈ اندر جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا مگر تھوڑی منتیں کرنے کے بعد اس نے جانے کی اجازت دے ہی دی میں اندر پہنچی تو ابو نے آنکھیں بند کی ہوئی تھیں انہیں نبیلائیز کیا جارہا تھا اور انکے چہرے پر ماسک لگا ہوا تھا"

"آپ انہیں آواز دیں انہیں جگائیں ان سے باتیں کریں"کل والی نرس نرم سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے مجھ سے مخاطب تھی"آج ہم انہیں شام تک پانی بھی دیں گے"اسکی مسکراہٹ گہری ہو گئی تو میں بھی مسکرا دی"انشاءاللہ "

"اصل میں میم! ہم ذمہ داریوں کی وجہ سے رویہ سخت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ورنہ پیشنٹ کو ریکور ہوتے دیکھ کر ہمیں آپ سے زیادہ خوشی ہوتی ہے" وہ کہتے ہوئے آگے چلی گئی میں جانتی تھی وہ سچ کہہ رہی ہے پھر میں نے ابو کو آواز دی ابو نے آنکھ کھولی مجھے دیکھ کر میری طرف ہاتھ بڑھایا انکا ہاتھ سرد تھا مگر بے چینی نہیں تھی انہوں نے کچھ کہا مگر ماسک کی وجہ سے واضح نہیں تھا مجھے صرف "امی" سمجھ میں آیا میں نے اندازے سے کہا "جی امی ٹھیک ہیں" انہوں نے مسکرا کر جیسے میری کم عقلی کا ماتم کیا پھر میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی انگلی سے اس پر کچھ لکھنے لگے میں نے انکی انگلیوں کی حرکت پر دھیان دیا "الف۔۔ میم۔۔ یے۔۔ دال۔۔۔ امید" میری آنکھوں میں آنسو آ گئے پھر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کہ میں سمجھی یا نہیں؟ میں نے سر اثبات میں ہلایا اب کے انکا جملہ مجھے سمجھ میں آ گیا انہوں نے دوبارہ کہا "امید۔۔ Hope۔۔۔ امید! امید اللہ سے اچھی ہے" میرے بہادر ابو! میں نے انکا ہاتھ چوما اور روم سے باہر آ گئی۔

ان چند دنوں میں ہمیں کیا کیا احساس ہوا؟ میں شاید بیان نہیں کر سکوں پر بس اتنا ہی کہ آج ابو نے مجھ سے پانی کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا! انکی پیاس بجھ گئی تھی کب اور کیسے؟ میں نے تو ڈھنگ سے تسبیح بھی نہیں پڑھی تھی کوئی ذکر بھی نہیں کیا تھا بس بے قرار دل کے ساتھ اپنی ہی زبان میں اپنی غرض

مانگتی رہی اور اس نے کتنی آسانی سے عطا بھی کر دی۔ حیات اور موت کا وقت مقرر ہے مگر اسکے درمیان کی تکالیف دل کی بیقراری کے ساتھ مانگی جانے والی دعائیں دور کر دیتی ہیں۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے!

"أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذا دَعاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوء "

" 'کون ہے جو بے قرار کی فریاد کو سنتا ہے جب وہ بے قرار ہو کر اس کو آواز دیتا ہے اور کون ہے جو دور کرتا ہے اس کی مصیبت کو؟"

جب بھی دعا کو ہاتھ اٹھائیں الفاظ نہیں دل کا استعمال کریں رٹی رٹائی دعائیں مانگ کر کام نہیں نمٹائیں۔ یقیناً مسنون دعائیں یاد کرنا چاہیے اور اسکی فضیلت اپنی جگہ ہے مگر ایک کیفیت کے ساتھ زبان کو آنسوؤں سے تر کر کے اللہ سے مخاطب ہوں پھر دیکھیں کہ کیسے وہ قبول کرے گا آپکی دعا!

انشاءاللہ



٦

معافی

زینب ایک ہفتے سے آئی ہوئی ہے گھر جانے کا نام نہیں لیتی۔اور نا اسکا
ڈپریشن ختم ہوتا۔کچھ سمجھ نہیں آتا کیا کروں؟ برداشت نہ کرے انسان تو
زندگی وبال نہ ہو جائے؟ ہر تیسرے چوتھے کسی نا کسی سے لڑ کر آ جاتی
ہے "امی کی پریشان صورت دیکھ کر صوبیقہ نے اپنی فائل سمیٹ کے
ایک طرف رکھی اور زینب کے پاس آ گئی وہ سر پہ ہاتھ رکھے لیٹی

ہوئی تھی "السلامُ علیکم آپا!"
زینب نے رخ موڑ کے اسے دیکھا اور دوبارہ اسی طرح لیٹ گئی۔۔۔ پھر چند
لمحے بعد اسکو مخاطب کیا "آؤ صوبی! تم تو نظر ہی نہیں آتی۔۔" مخصوص

شکوہ کرتا لہجہ۔۔۔

بس آپا! فائنل ایگزام ہیں نا۔۔۔آپ بتائیں گھر پہ سب ٹھیک ہیں؟

صوبیقہ نے اسکو نگاہوں سے اسکو ٹٹولا، زینب نے ٹھنڈی سانس بھری۔۔"

ٹھیک ہی ہونگے" ناگوار سا انداز۔چند لمحے خاموشی کا لقمہ بن گئے۔۔پھر

صوبیقہ نے خاموشی کو توڑا" اگر آپ معاف کر دینے کا وصف اپنا لیں تو

آپ کے لیے مطمئن رہنا آسان ہو جائے!"

"نہیں صوبی! میں معاف نہیں کر سکتی۔۔ کبھی نہیں! کوئی میرا دل

دکھائے، میری عزت نفس کو ٹھیس پہنچائے، کوئی مجھ سے جھوٹ بولے،

مجھ پر بہتان لگائے۔کچھ بھی،،کچھ بھی! میں اپنے ساتھ ہونے والی

زیادتیوں کو معاف کر ہی نہیں سکتی۔اور کروں بھی کیوں؟میری ذات

اتنی ارزاں تو نہیں کہ جسکا دل چاہے پیروں تلے روند ڈالے۔"

زینب قدرے تند لہجے میں کہتی چلی گئی۔صوبیقہ خاموشی سے ٹھوڑی مٹھی

پر جمائے اسے سن رہی تھی"تو کیا آپ نہیں چاہتیں اللہ آپکی خطاؤوں سے

در گزر فرمائے؟"

اسکے ٹھنڈا اور نرم لہجے پر زینب گویا کرنٹ کھا کر اٹھ گئی۔"کیا مطلب؟"

میں نے ایسی کون سی خطا کی ہے؟"اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا پھر

صوبیقہ کے مسلسل دیکھتے رہنے پر نظریں جھکا کر کہنے لگی"اور اگر کی بھی

ہے کوئی خطا، تو اللہ بڑا غفور الرّحیم ہے۔مجھے اسکی ذات سے بڑی امیدیں

ہیں، وہ ضرور مجھے معاف کر دیگا وہ سب کو بخش دیتا ہے" آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اسکا لہجہ بلکل ٹھنڈا اور پر سکون ہو چکا تھا! (رب سوہنے کی بخشش وعطا ہے ہی اتنی خوبصورت اور دلوں کو سکون دینے والی چیز)

صوبیقہ بے اختیار مسکرا دی۔

"تو پھر آپا جان! جب ہم اپنی خطاؤں کو اتنا کمتر درجہ دیتے ہیں اپنے رب سے معافی کی پوری امید رکھتے ہیں تو خود دوسروں کو معاف کرنے سے کیوں گھبراتے ہیں؟ اسکی بات پر زینب ایک لمحے ک لیئے چپ سی ہو گئی۔۔۔" یہ بہت مشکل ہے"

"اپنے گناہوں کی معافی نہ ملنے سے زیادہ مشکل ہے؟" برجستگی سے پوچھے گئے صوبیقہ کے سوال کا وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ "ہم کتنے سخت دل ہوتے ہیں نا؟ ہم انسانوں کی ذرا ذرا سی خطاؤں پر حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں۔ کبھی ہم نے سوچا ہے کہ اگر اللہ ہماری چھوٹی چھوٹی خطاؤں پر گرفت کرنے لگے تو ہمیں کہاں پناہ ملے؟ خود اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر چھوٹی چھوٹی خطا پر پکڑ ہو تو زمین پر ایک بھی چلنے والا باقی نہ رہے۔ ہم دن بھر میں اسکی کتنی نافرمانیاں کرتے ہیں، اسکی کتنی حدیں توڑتے ہیں، مگر پھر بھی اسکی معافی کے امیدوار ہیں۔۔ اللہ نے تو کھلا چیلنج دے رکھا ھے انسانوں اور جنوں کو، کہ اگر زمین و آسمان کے کناروں سے نکل کے بھاگ سکتے ہو تو نکل جاؤ۔۔۔ اور کیا ہم نکل سکتے ہیں بغیر اسکی اجازت کے؟ جہاں ہم نافرمانی کر سکیں؟ نہیں نا؟ ہم اسی کی حدوں میں رہتے ہوئے اسی

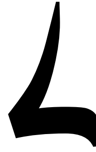
کیسحدیں کتنی دیدہ دلیری سے توڑتے ہیں،اور بڑے دعوے کے ساتھ اسکی
معافی کی امید بھی رکھتے ہیں ! اور وہ اتنا حلیم ،اتنا حوصلے والا ہے کہ ہم پر
رحمتوں کی برسات کییئے رکھتا ہے ؟ تو ہم اپنے جیسے انسانوں کو کیوں ہر وقت
کٹہرے میں کھڑا کر دیتے ہیں ؟ ہم کیوں معافی دینے سے اتنا گھبراتے
ہیں ؟ وہی معافی جسکی ہم خود ہر وقت طالب رہتے ہیں ! اللہ نے وعدہ کیا
ہے کہ جو اسکی راہ میں کچھ دیگا اسکو سات گنا بڑھ کر ملے گا، تو کیا یہ سودا
آسان نہیں ؟ اللہ کی رضا کے لیے اسکے بندوں کو معاف کرنا آسان نہیں ؟
"زینب چپ چاپ اپنے سے سات سال چھوٹی بہن کو دیکھ رہی تھی ۔۔۔
(یہ کتنی سمجھدار ہو گئی ہے !) "آپا ! کیا آپ یہ سودا کرینگی ؟ آپ بظاہر
دوسروں کو معاف کرینگی مگر آپ دیکھیں گی کہ آپکی اپنی گھٹن دور ہو گی
آپ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرینگی ۔۔ آپکا ڈپریشن ختم ہو جائیگا ! آپ
پر سکون نیند لے سکیں گی "زینب کی آنکھیں کب نم ہونے لگیں وہ جان نہ
سکی ۔۔ (اے اللہ ! میری راہیں آسان کر ۔۔ مجھے معاف کرنے والا بنا مجھے
تیری رضا کے لیے معاف کرنے والا بنا) چپکے سے ایک آنسو دعا بن کر اسکی
پلکوں سے بہہ نکلا ۔۔۔ دل پر پڑا بوجھ دھیرے دھیرے سرکنے لگا ۔۔
مدتوں سے جمی گرد چھٹنے لگی تو حبس دور ھونا شروع ھوا اور روشنی اندر
آنے لگی ۔ "ہاں یہ سودا برا نہیں، مجھے معافی کے بدلے معافی چاہیے ۔۔
میں معاف کر سکتی ہوں کیونکہ مجھے بھی اپنے رب سے اسکی بخشش و عطا
چاہیے ! "

پر سکون نیند، پر سکون ذہن کا تعلق پر آسائش کمرے اور نرم بستر سے نہیں بلکہ پر سکون روح اور ذہن سے ہے!

اگر سکون کی نیند چاہتے ہو تو رات کو سونے سے پہلے اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر اور سب کو معاف کر کے سویا کرو! معافی سے بہتر کونسا انتقام ہے؟ اپنے سکون سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہے؟

جو شخص انتقام کے لیئے طریقوں پر غور کرتا رہتا ہے۔اُس کے زخم ہمیشہ ہرے رہتے ہیں! وہ ہمیشہ ڈپریشن کا شکار رہتا ہے اور خود اذیتی میں مبتلا رہتا ہے!





وہ روشنی

۱۔لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ(البلد ۴:۹۰) ''درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے''

یعنی انسان پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کا عرصہ محنت، مشقت اور سختیاں جھیلنے میں گزارتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً(الملک ۲:۶۷)

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

اچھے عمل کیا ہیں؟؟

نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور مصائب پر صبر کرنا! دونوں حالتوں میں اللہ کا ذکر

کرنا اسکے احکامات کو مقصد حیات بنانا!

****

*****

"آج کیمو کا روم نمبر ون مل جائے تو بڑی بات ہے" اس نے امّاں کا بیگ اپنے بیگ کے ساتھ بائیں کندھے پر ہی منتقل کیا دونوں فائل بائیں ہاتھ میں تھامی بائیں ہاتھ ہی کی دو انگلیوں میں پانی کی بوتل کا ہینڈل لٹکایا اور دائیں ہاتھ سے امّاں کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر ہسپتال کی سیڑھیوں کی سمت بڑھتے ہوئے بڑبڑائی "پندرہ منٹ لیٹ ہو گئے ہیں آج" ٹریفک جان لیوا پھر جگہ جگہ دھرنا ٹریفک بلاک! ایک گھنٹے کا راستہ دو گھنٹے میں طے ہوا تھا!

اماں کا ہاتھ تھام کر وہ اندر داخل ہوئی۔ گارڈ نے انٹرنس کا دروازہ تو ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں نے اندر داخل ہونے سے پہلے اسکے قدم چومے وہ بے اختیار مسکرا اٹھی "مہنگا علاج اور مہنگی جگہ سے علاج کا بس یہی تو فائدہ ہے!" بیماری اپنے ساتھ سود کھ لاتی ہے مگر میرے پیارے وطن میں صحیح علاج کرانے کا اہل ہونا بھی بذات خود کسی دوا سے کم نہیں! شہر کے سب سے مشہور کینسر ہسپتال میں داخل ہوتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے اماں کا ہاتھ پکڑ کے کیمو سیکشن کی طرف جا رہی تھی۔

"ہائے ثنا!" کیمو کے روم نمبر وں میں داخل ہونے سے پہلے اس نے صرف سر اندر کیا اور ثنا کو دیکھ کر مسکرائی اور چور نظروں سے دائیں طرف

سر گھما کر وارڈ کی جانب نظر ڈالی حسب توقع بیڈ پر کوئی لیٹا ہوا تھا صرف پیروں پر پڑی چادر نظر آرہی تھی جس سے بیڈ پر موجود شخصیت کا حجم سمجھ میں آرہا تھا کہ وہ انتہائی دبلی پتلی شخصیت ہے "ہیلو مریم ! پلیز کم ان" کیمو انچارج نے جواباً اپنے پروفیشنل انداز میں مسکراتے ہوئے اندر بلایا۔ مریم اماں کو باہر ویٹنگ روم میں بٹھا کر کیمو روم میں داخل ہوئی ثنا سے ہاتھ ملا کر وہ اس زاویئے سے بیٹھ گئی کہ بیڈ پر موجود شخصیت کو ٹھیک سے دیکھ سکے اس نے اپنی فائل نکالی اور ثنا کو دی "یہ اماں کی لیبس ہیں رپورٹس دیکھ لیں آپ آج فورتھ کیمو ہے تھوڑا پیٹ ڈسٹرب ہے ساتھ میں ٹمپریچر بھی رہتا ہے پچھلے تین دن سے ۱۰۰ سے کم ہے۔۔ مگر ہے !"

"کوئی اچنگ یا گھبراہٹ وغیرہ؟؟" ثنا نے رپورٹس دیکھتے ہوئے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا

"نہیں ایسا کچھ نہیں ابھی الحمدللہ بال بھی گرنے نہیں شروع ہوئے ہیں جبکہ ڈاکٹرز کی رائے تھی کہ ایسا تو پہلے ہی انجکشن کے بعد ہو جائے گا !"

اس نے بات کرتے ہوئے بے دھیانی میں بیڈ کی طرف نظر ڈالی ایک لمحے کے لئے اسکی آواز حلق میں اٹک گئی اور دل بھی ساکن سا ہو گیا وہ چوبیس پچیس سال کا ایک نوجوان سا لڑکا تھا اسکے سر پر بال بالکل جھڑ چکے تھے آنکھوں میں صحرا کی وحشت و ویرانی تھی اتنی اداس آنکھیں ! مریم کے اندر کہیں چشمے پھوٹ پڑے ! اس لڑکے کی ویران اور بنجر سی آنکھیں دیوار پر جمی ہوئی تھیں ! مریم کو لگا کہ اسنے غلط وقت پر غلط جملہ کہا ہے شاید

بالوں والی بات سن کر وہ اتنا اداس ہو گیا ہے ؟
"اوکے آپ پیشنٹ کو لے آئیں ہم روم نمبر ٹو میں انہیں کیمو لگائیں گے "
ثنا فون پر رپورٹس بتا کر اور آگے کی ہدایات لے کر فارغ ہو چکی تھی مریم نے غیر حاضر دماغی سے اسے دیکھا ثنا اپنی چیزیں سمیٹتی ہوئی برابر والے روم میں جانے کے لئے نکل گئی مریم نے چیئر کھسکا کر باہر کی طرف قدم بڑھائے پھر ایک دم سے روک کر بیڈ پر لیٹے نوجوان کی طرف مڑی
"السلام علیکم "اس نوجوان نے نظروں کا رخ بدلا اسکے ہونٹ ہلے تھے شاید اس نے سلام کا جواب دیا تھا ہلکی سی لرزش سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مسکرانا بھی چاہ رہا تھا ! (مسکرانا اتنا مشکل کام ہو سکتا ہے ؟؟) مریم کے اندر عجیب سی بے چینی جاگ رہی تھی "کچھ چاہیے تو نہیں ؟؟آپ اکیلے ہیں کیا؟؟ "مریم نے ایک قدم اسکی طرف بڑھایا
"نو تھینکس ! میری بھابھی ہیں میرے ساتھ "وہ اب کی بار مسکرانے میں کامیاب ہو ہی گیا
"اچھا؟ گڈ میں برابر والے روم میں ہوں میری ساس اماں کو بھی کیمو لگ رہا ہے کوئی کام ہو تو بتانا؟؟ اوکے ؟؟"وہ مسکرا کر کہنے لگی
"جی شکریہ "اس نے دوبارہ شکریہ ادا کیا اور گردن موڑ کر سیدھا ہو کر لیٹ گیا
"تمہارا نام ؟؟"وہ پلٹی ، پھر رک گئی
"حیات "اب کی بار بہت ہی گہری مسکراہٹ اسکے چہرے پر آئی تھی طنز

آمیز اور مذاق اڑاتی!

"حیات کیا ہے اگر تلخئ حیات نہیں؟؟

وہ زندگی ہی کیا جس میں حادثات نہیں"

مریم نے مسکرا کر اسے دیکھا وہ پھر سے سر ہلا کر مسکرا دیا۔

بیسٹ آف لک۔ اور ہاں" وہ کہتے کہتے پھر سے رکی" سمائل لکس گڈ ان یور فیس سر جی!" وہ شرارت سے کہہ کر باہر نکل گئی اور حیات آہستہ سے ہنس دیا

"پھر آیئے گا" اس نے آواز لگائی تو وہ دوبارہ اندر جھانک کر بولی

"ضرور"! اور پھر غائب ہو گئی۔

مریم روم نمبر ٹو میں آئی تو امّاں کو از حد پریشان پایا" کیا ہوا امّاں؟" وہ تیزی سے آگے بڑھی امّاں اسے دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں

"بیٹا! مجھ سے اب برداشت نہیں ہوتی یہ تکلیف تم لوگ چھوڑ دو مجھے میرے حال پر جو دن باقی رہ گئے ہیں زندگی کے وہ سکوں سے کاٹ لوں میں" اس نے امّاں کو گلے سے لگالیا اور ثنا کی طرف دیکھا جو بے تاثر چہرے کے ساتھ انکی طرف دیکھ رہی تھی" ثنا؟؟" مریم نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا ثنا کے ہاتھ میں کینولا اور اسے لگانے کے لئے مختلف سامان تھے کچھ ٹیپ جو ڈرپ سٹینڈ کے ساتھ چپکا رکھے تھے

"میم آپ ۲٤ نمبر کا کینولا لے کر آئیں مجھے اسسے وینںنہیں ملرہیشاید سائز

چینج کرنے سے مل جائے اس سے تو جگہ جگہ سوجن ہو رہی ہے "ثنا فائلز پر کچھ اندراج کرتے ہوئے کہنے لگی تو مریم گہری سانس لے کر رہ گئی اذیت در اذیت۔۔۔وین کا ملنا بھی نہایت عجیب ہے پورا ہاتھ سوج جاتا ہے مگر ہزاروں کی تعداد میں گزرتی خون کی نالیوں میں سے کسی ایک میں سے بھی خون برآمد نہیں ہوتا اس ایک مرحلے کے لئے کئی گھنٹے انکو سمجھانا بجھانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر وہ راضی ہوتی ہیں کہ کینولا لگائیں گی مگر پھر وہی۔۔ اذیت سے گھبرا کر رونے لگتیں! مریم کینولا بدل کر لائی تو ثنا نے دوبارہ اپنا کام شروع کیا چند منٹوں کی محنت کے بعد بالآخر وین مل ہی گئی امّاں بیڈ پر آرام سے لیٹ گئیں ڈرپ شروع ہو گئی تھی دس سے پندرہ منٹ میں امّاں پر غنودگی طاری ہونے لگی

"تھوڑی دیر میں انجیکشن آ جائیں گے تو پیمنٹ کرنی ہے جب تک امّاں آرام کر رہی ہیں میں پانی کی بوتل لے آؤں "مریم نے اپنے بیگ میں رقم کی موجودگی کا اطمینان کیا اور کمرے سے باہر نکلنے کا سوچنے لگی

"امّاں! آپ کچھ کھائیں گی؟؟ کوئی بسکٹ؟ دودھ کا پیک تو میں لائی ہوں بسکٹ میٹھا یا نمکین؟" امّاں نے بوجھل آنکھیں کھولیں "ابھی نہیں تھوڑی دیر بعد تم کوئی نمکین بسکٹ لے لینا" اتنا کہہ کر انہوں نے دوبارہ آنکھیں موند لیں مریم چند لمحے انہیں دیکھتی رہی، پھر اچانک اماں وہاں سے اپنے بیڈ سمیت غائب ہو گئیں منظر بدلنے لگا۔۔۔

-----------------------*-----------------

"خبر دار!" مریم کے قریب ہی کوئی زور سے چیخا تھا اسکے ہاتھ سے آف وہائٹ کلر کا خوبصورت سا سوٹ پھسل گیا وہ کپکپا کر رہ گئی مگر اسی طرح ساکت سی کھڑی رہی بہادری کا ڈرامہ کرنا ضروری تھا آنکھوں کی سطح پر نمی سی تیرنے لگی "خبر دار! جو میرے کپڑوں کو ہاتھ لگایا آگ لگا دوں گی میں ان کپڑوں کو۔ میری زندگی کو جہنم بنا دینے والی میرے کام صرف فرحین کرے گی بس!" مریم کی آنکھ سے ایک موتی ٹپکا اور جھکے سر کے باعث زمین بوس ہو گیا پھنکارتی ہوئی آواز میں مریم کے لئے نفرت و حقارت کے سوا اور کیا تھا؟؟ وہ کتنی ہی دیر سوچتی رہی! زمین پر اتنے خدا موجود ہیں! یہ آج کوئی پہلی بار تو نہیں ہوا تھا جب سے اسکی شادی شہریار سے ہوئی تھی یہی ہوتا تھا روز۔

انکے یہاں خاندان سے باہر شادی کا رواج نہیں تھا اور شہریار نے پسند کی شادی کی زور زبردستی کے ساتھ۔ آخری اور چہیتی اولاد کی بات ٹالنا امّاں کے لئے کچھ آسان نہیں تھا مگر مریم کو وہ مقام نہیں دے پا رہی تھیں جس کی وہ مستحق تھی۔ گھر کے باقی لوگوں کا رویہ ٹھیک ہی تھا سوائے بڑی بھابھی فرحین کے جو امّاں کی بھتیجی تھیں اور نام و نسب کی ٹھیکیدار بنتی تھیں۔ مریم کی جب تک شادی نہیں ہوئی تھی وہ یہ سنتی آئی تھی کہ مریم کا خاندان سب سے برتر ہے شادی کے بعد پتہ چلا کہ ان سے بھی برتر موجود ہیں! مگر مزے کی بات مریم اور شہریار دونوں کی امیاں جب بھی اپنے خاندان کی برتری بیان کرنے پر آتیں تو فیصلہ مشکل ہو جاتا کہ برتر ہے

کون؟؟؟مریم شادی کے پانچ سالوں میں اور کسی بات کی عادی ہوئی ہو یا نہیں۔ مگر خاندان کی برتری کے بیان پر خاموش رہنااور اپنی ساس امّاں سے ذلت آمیز فقرے سننا اسکی عادت میں شامل ہو گیا تھا! شروع شروع میں وہ گھبراتی ہچکچاتی کبھی پیچھے بھی ہٹ جاتی مگر اب تو وہ بہت اطمینان سے ہر بات سنتی اور مسکرا کر اپنا کام کیے جاتی اور رات کو سونے سے پہلے ساس امّاں کے سرہانے دودھ کا گلاس رکھنانہ بھولتی اور تھوڑی دیر رک بھی جاتی کہ جو بھی خامیاں ہوں دودھ کے گلاس میں وہ بتانے کے لئے ان کو صبح کا انتظار نہ کرنا پڑے!

امّاں کی صحت عام بزرگوں سے بہت بہتر تھی انہیں اس عمر میں بھی کبھی گھٹنوں کا درد یا نظر کی کمزوری کی شکایت نہیں ہوئی تھی جس پر امّاں کو بہت فخر تھا" ہمارے خاندان میں تو کسی کو کوئی ایسی بیماری ہوئی ہی نہیں جو موزی ہو" مریم حیران ہوتی" یا رب! کوئی مقام الحمد للہ کا بھی ہوتا ہے؟ یا بیماریاں بھی خاندان دیکھ کر لگتی ہیں؟؟" بہر حال امّاں کی صحت مندی کی وجہ سے انکی ذرا سی تکلیف بھی سب کے لئے توجہ کا سبب بن جاتی تھی ۔ پچھلے کچھ دنوں سے اماں کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی تھی نزلہ بخار پھر سب سے عجیب بات، وہ خاموش سی رہنے لگیں۔ پریشان سی رہنے لگیں پھر ایک دن مریم دودھ کا گلاس رکھنے آئی تو انہوں نے اسے بہت رازداری سے اپنے قریب بلایا اور قمیض کا ایک سرا اٹھا کر اسے دکھایا مریم دھک سے رہ گئی!" امّاں! آپ کل ہی ڈاکٹر کے پاس چل رہی ہیں میرے

ساتھ، میں شہریار کو کہوں گی جلدی آجائیں"اس نے ظاہر نہیں کیا کچھ مگر
امّاں خود بھی بہت کچھ سمجھ رہی تھیں
"بیٹا! مجھے یہ بیماری کیسے لگ سکتی ہے؟؟ یہ تو بہت خراب بیماری ہے"ان
کی بے بسی اور بے کسی دیکھنے والی تھی مریم نے انکا ہاتھ تھام لیا"امّاں! واذا
مرضت فھو یشفین بس اسکے سوا کچھ نہیں کہنا اللہ پاک سے دعا کیجیے
رپورٹس کلیئر آئیں گی انشاءاللہ"
مگر نہ امّاں کی بے یقینی ختم ہوئی اور نہ مریم کی امیدیں پوری ہوئیں!
اگلے دن ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا بے شمار ٹیسٹ ہوئے اور کچھ دن میں
ہی یہ سامنے آگیا کہ امّاں کو سینے کا کینسر لاحق ہو چکا ہے!
"مجھے یہ بیماری کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ تو ہمارے خاندان میں کسی کو نہیں ہوئی
آج تک میری تو جگ ہنسائی ہو گئی"امّاں کے آنسو اور الفاظ رکنے میں نہیں
آرہے تھے سب سے بڑی مشکل تو تب ہوئی جب انہوں نے علاج
کروانے سے صاف انکار کر دیا"کسی کو پتہ نہیں چلنے دینا اس مرض کا ورنہ
میرا مذاق بنے گا سن لو تم سب کسی کو پتہ نہیں۔۔"انکی باتیں بیچ میں ہی رہ
گئیں جب فون کی بیل بجی فون بڑی بھابھی کے گھر سے تھا اور امّاں کی
بھابھی یعنی بڑی بھابھی کی امی رپورٹس پر اظہار افسوس کر رہی تھیں! امّاں
نے دکھ بھری نظروں سے بڑی بھابھی کو دیکھا جو نظریں جھکائے کھڑی
تھیں انہیں تو اپنی امی کو روکنے کا موقع بھی نہ مل سکا تھا!! فون رکھے جانے
کے بعد کمرے میں کئی افراد کی موجودگی کے باوجود ایسا سنّاٹا تھا کہ سوئی

گرنے کی آواز بھی سنی جاسکتی تھی۔۔۔

سب کے دل میں بس ایک ہی خیال تھا کہ اب امّاں وہ ہنگامہ کریں گی جو ناقابل فراموش ہو گا،، مریم نے تو لاشعوری طور پر کانوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا مگر امّاں نے کچھ دیر خاموشی سے سب کے چہرے دیکھے پھر سب سے ہوتی ہوئی انکی نظریں مریم پر لمحے بھر کو رکیں اور پھر فرحین پر جم گئیں

"امّاں! میں نے کسی بری نیت سے نہیں بتایا تھا،امی آپکی خیریت پوچھتی ہی رہتی ہیں تو بس میں نے ذکر کر دیا" فرحین کا اعتماد واپس آچکا تھا اس کا لہجہ گواہ تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے امّاں نے کسی بات کا جواب دیے بغیر لائٹ بند کرنے کا حکم جاری کیا اور آنکھیں موند کر بستر پر لیٹ گئیں۔ دھیرے دھیرے سب باہر نکل گئے

"آپ فکر نہ کریں بھابھی! امّاں پریشان ہیں اسلئے خاموش ہیں انکا علاج شروع ہو گا تو وہ سنبھلنے لگیں گی" مریم نے فرحین کو حوصلہ دیتے ہوئے آہستہ سے اسکا ہاتھ دبایا۔

"علاج کے لیے تیّار بھی تو ہوں۔ انہیں تو اللہ پر بھی اعتبار نہیں ہے جیسے" فرحین سر جھٹکتے ہوئے تلخی سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی مریم اسکے لہجے کی تلخی کو اپنے اندر اترتے ہوئے محسوس کر رہی تھی کچھ اسی طرح کا انداز باقی سب کا بھی تھا الجھا الجھا سا!

"تو کیا ہمیں ہے اللہ پر اعتبار؟؟ دوسروں پر بے اعتباری کے فتوے لگاتے

ہم کتنے بھروسا کرنے والے ہیں؟" یہ سب وہ اولادیں ہیں جنکو امّاں نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا جن پر فخر و تکبر کرتے انکا لہجہ مضبوط ہو جاتا تھا جنکا ذکر کرتے ہوئے انہیں کبھی الفاظ کم نہیں پڑے۔

وہ اپنی ہی سوچوں میں گم اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ شہریار بیڈ پر دراز تھا۔۔

"امّاں کو سوچنا چاہیے کہ اس طرح کرینگی تو کیسے کام چلے گا؟" شہریار جھنجلاہٹ بھرے انداز میں مخاطب ہوا تو وہ اپنی سوچوں کو الفاظ میں بدلنے پر مجبور ہونے لگی "آپ نے سوچا تھا اپنے بچپن میں؟؟ انجیکشن بھی لگوانا ہوتا تو آپ زمین آسمان ایک کر دیتے تھے کہ ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا!! امّاں ہی بتاتی ہیں یہ سب مجھے تو نہیں معلوم تھا!"

شہریار حیرت سے مریم کو دیکھنے لگا "مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ یہ ہمارا کام ہے کہ انکے دل سے خوف و پریشانی نکالیں علاج تو ہونا ہی ہے انہیں اچھے طریقے سے ہینڈل کرنا بھی ہم سب کی ذمہ داری ہے" مریم کی بات پر شہریار چند لمحے خاموش رہا

"امّاں نے جو سلوک تمھارے ساتھ رکھا ہے اسکے بعد تو میرا دل نہیں چاہتا کہ۔۔" وہ جملہ مکمل نہیں کر پایا

"میرا بھی دل نہیں چاہتا شہریار! مگر آپ نے محسوس کیا ہے کہ امّاں ٹوٹ پھوٹ سی رہی ہیں؟؟ اس وقت پرانے زخم ہرے مت کریں یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، کچھ نہیں پتہ کہ کون اس وقت کس آزمائش میں ڈالا

گیاہے، ہم اپنے جھگڑے پھر نمٹالیں گے اللہ پاک امّاں کو صحت وسلامتی والی زندگی عطافرمائے، ابھی انکو صرف محبت اور ہمدردی درکار ہے، اپنے لہجے میں شہد گھول لیں اپنے شانے شفقت کے ساتھ عاجزی کے ساتھ جھکا لیں اللہ پاک کا فرمان مت بھولیں

فلا تَقُل لھما اُفٍّ ولا تَنہرھُما و قُل لھما قولاً کریماً ۰ وَاخفِض لھُما جناح الذل من الرحمۃ و قُل ربّ ارحَمھُما کَما ربّیانی صغیراً

ان کے جواب میں اف تک نہ کہنااور نہ جھڑکنااور (جو کچھ کہنا سننا ہو) تو بہت ہی ادب سے کہا کرو اور ان کے سامنے شفقت و خاکساری کے ساتھ شانے جھکائے رکھو اور دعا کرو کہ اے میرے پالنے والے جس طرح ان دونوں نے میرے بچپنے میں میری پرورش کی اسی طرح تو بھی ان پر رحم فرما"

مریم کی آواز میں نمی گھلنے لگی تو وہ خاموش ہو گئی تھوڑی دیر دونوں خاموش رہے ۔

"میں نے امّاں کے انداز میں عجیب سی تبدیلی دیکھی ہے ایک بے چینی سی ہے۔۔ میں انہیں بہت زبردست اور طاقتور دیکھنے کی عادی ہوں مجھے بہت برالگ رہاہے یہ سب، جیسے کسی حاکم کو محکوم بنادیا جائے۔ کسی بادشاہ سے اسکی سلطنت چھین لی جائے! چھوٹے چھوٹے خیالوں کی سلطنت، گمانوں

کی بادشاہت !انکی ذات انکے لئے بہت فخر کا باعث ہوا کرتی تھی کچھ دن سے میں یہ فخر کھویا کھویا محسوس کر رہی ہوں انکی ٹوٹ پھوٹ کوئی اچھا سائن نہیں ہے۔اس وقت انہیں آپ سب کا حوصلہ اور مان چاہیے انہیں اپنے رویوں سے یہ باور کرائیں کہ آپ کے لئے انکی ذات آج بھی بہت اہم ہے اتنی ہی جتنی تندرستی میں تھی! وہ بکھر گئیں تو ہم سب بکھر جائیں گے!"

شہریار اسکے ایک ایک لفظ سے اپنے اندر سو سو دیے جلتے محسوس کر رہا تھا روشنی ہی روشنی "نور ہی نور" واقعی زندگی ہی تو اصل شرط ہے وہی نہ رہی تو کسی شکایتیں؟ ہم کتنے ظلم کرتے ہیں اپنے ذاتی بغض و عناد کو وجہ بنا کر بآسانی اپنی اہم ترین ذمہ داریوں سے غافل ہو جاتے ہیں اگر مریم امّاں کے برے سلوک کے باوجود اپنے دل میں انکے لئے اس قدر نرم گوشہ رکھتی ہے تو میں تو مقروض ہوں انکی ممتا اور محبتوں کا۔میں کیسے اپنا دل سخت کر سکتا ہوں؟؟ ہرگز نہیں۔یا اللہ مجھے وسواس سے اپنی امان میں رکھنا"

اور اگلے دن شہریار اور مریم نے سب کے ساتھ مل کر ایک لائحہ عملترتیب دیا۔علاج مہنگا تھا، تکلف دہ تھا، مگر اس عمل سے گزرنا ہی تھا! انجیکشن اور اسکی ڈوز وغیرہ معلوم کرنے کے بعد پیسوں کے کونٹریبیوشن پر بات کی گئی ۔سب کچھ ہو گیا الحمدللہ اب مسئلہ تھا امّاں کو راضی کرنا اور انکے ساتھ ڈے کیئر میں ساتھ رہنے کا خواتین میں سب ہی مصروف تھیں، بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھی سب اپنی ذمہ داروں میں اور بھابھیاں دونوں اپنے

چھوٹے بچوں میں مصروف!

"مریم جاسکتی ہے میرے خیال میں" شہریار نے تائید طلب نظروں سے مریم کو دیکھا "جی بالکل" مریم نے اقرار کرنے میں لمحے کی تاخیر نہیں کی سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ "اماں نہیں مانیں گی مریم کے ساتھ جانے پر" فرحین نے کہا تو مریم خاموش سی ہوگئی "دیکھ لیتے ہیں ابھی تو امّاں کو راضی کرنے کا مرحلہ باقی ہے"

مریم نے ان دنوں اپنی خدمات اور توجہ امّاں کے لئے وقف کر دیں تھیں

"امّاں یہ جوس پی لیں" وہ امّاں کے کمرے میں داخل ہوئی اور جوس سائیڈ ٹیبل پر رکھنے لگی "ادھر ہی لے آؤ مریم!" شفیق لہجہ سن کر وہ حیران نہیں ہوئی آجکل امّاں اسی طرح بات کرتی تھیں حیران تو وہ تب ہوئی جب امّاں اسکا ہاتھ پکڑ کر رو پڑیں

"تم لوگ یہی چاہتے ہو ناں کہ میں علاج کروالوں؟ میں اتنی تکلف نہیں سہہ سکتی اس عمر میں، بہت مشکل ہے بہت مشکل ہے بہت مشکل۔"

آج انہیں صرف اپنی مشکل یاد تھی دنیا میں رسوا ہونے کا کہیں ذکر نہ تھا!

مریم نے امّاں کا ہاتھ ہونٹوں سے لگایا اور ان کی قریب بیٹھ گئی

"امّاں آپ صبح میں روز قران مجید تلاوت کرتی ہیں ناں؟؟ اکثر سنا ہے میں نے آپ ترجمہ بھی پڑھتی ہیں اکثر پڑھا ہوگا ناں آپ نے ان مع العسر یسرا "امّاں کے آنسو پل بھر کے لئے جیسے تھم سے گئے

"بہت مشکل ہے ساتھ آسانی ہے! اب یہ جملہ کہیں ذرا؟؟" وہ مسکرائی تو

امّاں کو لگا جیسے ساری کائنات مسکرا اٹھی

"کون جانے یہ آزمایش ہے بھی یا نہیں؟؟انسان اپنے برے اعمال کے بدلے پریشانیاں جھیلتا ہے یہ بھی تو رب کا فرمان ہے؟؟"امّاں اپنے آنسو پونچھ کر پر سکون سے لہجے میں کہہ رہی تھیں

"اگر آپ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو یاد کرنے لگی ہیں تو مطلب یہ ہوا ناں کہ آپ اللہ کی طرف رجوع کر رہی ہیں؟تو آزمایش یہی ہے کہ ہم اللہ کے نزدیک ہو جائیں اور عذاب یہ ہے کہ مشکل کی گھڑی میں اللہ کی یاد سے غافل ہو جائیں۔اب باتیں ختم آپ جوس پیئیں"مریم نے انہیں محبت سے گلاس تھمایا اہنوں نے گلاس تھام لیا

"ٹھیک ہے جو تم لوگ مناسب سمجھو وہ کرو میں تیّار ہوں"امّاں نے گلاس خالی کر کے اسے واپس کیا اسی لمحے فرحین اندر داخل ہوئیں امّاں نے ایک نظر فرحین پر ڈالی اور مریم کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولیں"اور میرے ساتھ ہسپتال تم چلو گی اور کوئی نہیں"

"اماں مجھے ہی ساتھ جانا ہے باقی سب ہی اپنے بچوں کی وجہ سے مجبور ہیں ورنہ کون نیکی کے مواقع چھوڑتا ہے؟؟"اسکا لہجہ ہمیشہ کی طرح نرم تھا وہ الفاظ کو سنبھال سنبھال کر ادا کرتی کہ بس ذرا سی بے احتیاطی سے لفظ پتھر بن جاتے ہیں اور دلوں کو چور چور کر دیتے ہیں،فرحین چاہنے کے باوجود اس کی طرف سے دل میں تنگی محسوس نہ کر سکی اور امّاں بھی لاشعوری طور پر فرحین سے اپنی خفگی کو بھولنے لگیں۔مریم چاہتی تو بہت آرام سے

رشتوں میں دراڑ ڈالنے کا کام انجام دے سکتی تھیا سکے پاس جواز تھا کہ باقی
سب بھی تو یہی کر رہے ہیں
ہر کسی کی طرف سے بدگمانی پیدا کرنا خاص کر جب آپکو اخلاق سے لوگوں
کو اپنی مٹھی میں بند کرنا آتا ہو تو یہ کام بہت آسان لگتا ہے اور لطف بھی آتا
ہے مگر مریم جانتی تھی کہ اچھی پیشکش سے بندے متاثر ہوتے ہیں اللہ
نہیں !پیشکش کتنی بھی اچھی ہو اللہ بندوں کو انکی نیتوں سے جانچے گا
انما لکل امری مانوی (بے شک ہر آدمی کے لئے ہے جو نیت ہے اسکی)
حدیث پاک صلی اللہ علیہ وسلم
اور مریم صرف نیت کے کھوٹ سے بچنا چاہتی تھی

-------------------**-------------------

برابر والے روم میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا اور مریم حال میں واپس آئی
اور سر جھٹک کر باہر نکل گئی
ثنا کو بتا کر جانا تھا جو کہ روم نمبر ون میں ہوتی تھی۔اس لیے مریم کو روم
نمبر ون میں زیادہ سہولت لگتی تھی کہ ہر بات کے لئے بھاگ دوڑ نہیں کرنا
پڑتی تھی "ثنا! میں ذرا واٹر بوٹل لے کر آتی ہوں، امّاں کی آنکھ لگ گئی ہے
ذرا دیکھ لیجیے گا"
"او کے۔۔آپ انکو بھی ساتھ لے جائیں پلیز فارما دیکھ لیں گی انہیں معلوم
نہیں ہے آج] پہلی بار آئی ہیں بھائی کے ساتھ "ثنا نے ایک سو بر سی خاتون
کی طرف اشارہ کیا شاید وہ مریم سے کچھ ہی بڑی ہو نگی عمر میں۔ مریم نے

مسکراتے ہوئے گویا اقرار کیا اور ساتھ ہی بیڈ پر نظر ڈالی حیات آنکھیں
موندے لیٹا ہوا تھا یا شاید سو رہا تھا اس نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا
بھابھی اٹھ کر اسکے ساتھ چل پڑیں

"حیات آپکے بھائی ہیں؟" مریم نے راستے کا اندازہ لگاتے ہوئے بات
برائے بات کی غرض سے پوچھ لیا "نہیں دیور ہے" انہوں نے جواب دیا
"اللہ صحت و تندرستی عطا فرمائے" مریم نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی
"آمین مگر جب سے اسکی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔ وہ ایسی دعا بھی زور سے نہیں
مانگنے دیتا" بھابھی کی اوز میں آنسوؤں کا نمک گھلا تھا اور مریم کے قدم تھم
گئے

"کیوں؟؟" بے اختیار ہی اسکے منہ سے نکلا تو بھابھی نے اسے آگے چلنے
کا اشارہ کیا "بتاؤں گی بعد میں" مریم ٹھنڈی سانس بھر کر آگے بڑھ گئی
زندہ لاشوں کی اک بھیڑ چاروں طرف
موت سے بھی بڑا حادثہ زندگی!!

پھر وہ اگلی بار آئی اماں کو لے کر تو حیات اور اسکی بھابھی سے ملاقات نہ
ہوئی۔۔ پانچویں کیمو میں جیسے ہی روم ون میں داخل ہوئی غیر ارادی طور پر
اسکی نظریں بیڈ پر گئیں اور حیات کو آنکھیں موندے لیٹا دیکھ کر مسکرا دی
۔"ثناء! آپکی پیشنٹ آچکی ہیں" اس نے نظروں کا رخ صبا کی طرف موڑا
"میڈیسن لے آئیں پھر سٹارٹ کرتے ہیں" ثناء نے ایک دوستانہ

مسکراہٹ مریم کی طرف اچھالی
"اوکے" وہ پلٹی پھر دروازے کے قریب جاکر رک گئی ایک نظر حیات کی
طرف دیکھا پھر ثناء سے پوچھا" بھابھی آئیں ہیں"
ثناء ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھاچکی تھی باہر کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے نمبر ڈائل کرنے لگی اور مریم باہر نکل کر فارما کی طرف
بڑھنے لگی فارما کے نزدیک ہی اسے بھابھی منرل واٹر لیتی ہوئی نظر آ گئیں۔
دوائیں لے کر وہ روم کی طرف جانے لگی تو چند قدم ہی آگے جاتی بھابھی کو
سلام کر کے روکا" وعلیکم السلام" بھابھی چونک کر پلٹیں پھر اسے دیکھ کر
مسکرائیں" مریم! کسی ہو؟""الحمدللہ" آپ سنائیں بھابھی جی! حیات کی
طبیعت کے بارے میں؟" ایک پژمردہ سی مسکراہٹ انکے لبوں پر ٹھر گئی
چند لمحے وہ دونوں خاموش رہیں" آپ نے ناشتہ کیا ہے بھابھی؟" مریم
نے روم کے نزدیک آکر پوچھا" نہیں دل نہیں چاہا" بھابھی نے سر ہلایا
"اوکے پھر پشینٹس کو چیزیں فراہم کر کے ہم دونوں کینٹین چلتے ہیں
چائے کی طلب مجھے بھی ہو رہی ہے اور ناشتہ بھی کر لیں گے" وہ دونوں
ساتھ ساتھ ہی اندر داخل ہوئیں" ثناء! آپ ڈرپ وغیرہ لگالیں اور
میڈیسن چیک کر لیں پھر ہمیں تھوڑی دیر کی اجازت دیں ہم چائے پی کر
آجائیں" مریم نے ثناء کو میڈیسن کا شاپنگ بیگ تھمایا تو ثناء چیزے چیک
کرنے لگی حیات کی ڈرپ لگ چکی تھی وہ بدستور آنکھیں بند کیے ہوئے تھا
ثناء روم ٹو میں آئی اماں کی وین آج آسانی سے مل گئی وہ قدرے مطمئن بھی

تھیں اس نے امّاں سے اجازت لی اور باہر آگئی

"جی بھابھی! اب بتائیں حیات کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا جو وہ زندگی سے اتنا بیزار ہو گیا ہے؟" ناشتے اور چائے کا آرڈر دینے کے بعد وہ بھابھی سے مخاطب ہوئی بھابھی نے مضطرب ہو کر ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا لیں اور سر جھکا کر میز کی سطح کو دیکھنے لگیں

"حیات دس سال کا تھا جب میری شادی ہوئی۔۔ شرارتی ہنس مکھ سا ہم سب کا بہت لاڈلا۔ میری اس سے بہت دوستی ہو گئی وقت دھیرے دھیرے سر کتا رہا بارہ سال کی عمر میں حیات کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو یہ میرے اور بھی قریب آگیا اور مجھے اپنے بیٹے کی طرح عزیز ہوتا چلا گیا گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ حیات بہت سنجیدہ ہو گیا! تعلیمی مدارج طے کرتے ہوئے وہ انجینئرنگ یونیورسٹی پہنچ گیا۔۔ یونیورسٹی میں اسے میری ایک کزن ملی جو اسی کے ساتھ زیر تعلیم تھی ثمین! حیات کو وہ بولڈ اور بہادر سی خوبصورت لڑکی بہت پسند آئی، زندگی کو قدرے مختلف انداز سے دیکھنے والا یہ انسان جب محبت میں مبتلا ہوا تو بھی اس لڑکی کے پاس جا کر اظہار محبت کرنے کے بجائے میرے پاس آیا اور سیدھے طریقے کو اپنانے کا قائل رہا! اس نے مجھ سے ذکر کیا مجھے علم تھا کہ ثمین ایک خود پسند اور خود غرض قسم کی لڑکی تھی میں نے اسکو سمجھایا وہ مسکراتا رہا" مجھے معلوم ہے عشق کی راہوں میں رکاوٹیں تو آتی ہی ہیں"

"اس سے عشق تمہیں مہنگا پڑ سکتا ہے، آئے دن اسکے رشتے آتے ہیں اور

وہ کہیں رضامند نہیں ہوتی اسکا معیار بہت اعلی ہے، کہیں شکل پسند نہیں آتی، کہیں خاندان، کہیں تعلیم، صحت کے حوالے سے بھی کافی کانشس ہے وہ کھانسی بھی آجائے تو ٹی بی کا مریض ڈکلیئر کر دیتی ہے" میں نے اسے سمجھایا تو وہ زور سے ہنس پڑا" مجھے کس بناپر رد کرے گی وہ؟؟" اسکے پراعتماد انداز پر میں چند لمحے اسکو دیکھتی رہی

"الحمدللہ کہتے ہیں حیات! اللہ تمہیں ہمیشہ اپنی امان میں رکھے" دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعا پر وہ بھرپور انداز میں مسکرایا" آمین"

"پھر آپ بات چلائیں گی ناں؟؟" میں نے مجبوراً اثبات میں سر ہلا دیا سب ٹھیک جارہا تھا ثمین کی طرف سے کوئی خاص اعتراض نہیں آیا سوائے اس کے کہ وہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد شادی کرے گی۔اور حیات کو اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا سب کی رضامندی سے ان دونوں کی منگنی ہو گئی!

مگر زندگی کے ہزار رنگ ہیں اور ان ہزار رنگوں کے ہر رنگ میں مزید ہزار!" بھابھی کی نگاہیں میز کی سطح پر جمی ہوئیں تھیں اور انکی آواز جیسے کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہورہی تھی انکا ذہن ماضی میں کہیں دور بھٹک رہا تھا!

خدا جانے کتنے ہی دن بعد آج حیات اور ثمین ایک ساتھ فارغ ہوئے اور ثمین ہی کی فرمایش پر کافی پینے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رک گئے۔

سامنے ہی دو لڑکے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے جا رہے تھے عمر بمشکل
چودہ پندرہ سال ہو گی۔۔حیات نے ناگواری سے دیکھ کر گردن موڑلی
ثمین نے غور سے اسے دیکھا" تمہیں میں نے کبھی سگریٹ پیتے نہیں
دیکھا حیات "حیات نے حیرت سے اسے دیکھا پھر اسے بھابھی کی بات یاد
آگئی (صحت کے حوالے سے بھی کافی کانشس ہے وہ کھانسی بھی آ جائے تو
ٹی بی کا مریض ڈکلیئر کر دیتی ہے) وہ بے ساختہ مسکرایا" دیکھو گی بھی نہیں
"بس انشاءاللہ کہنا وہ بھول گیا بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے !
"کیوں بھلا؟؟"سترہ اٹھارہ سال کا ایک لڑکا کافی لے کر آ چکا تھا کافی کا ایک
کپ اپنے قریب کرتا ہوئے ثمین نے کھوجتی نظریں اس پر گاڑ دیں
"مجھے کوچنگ کے زمانے سے لڑکے امپریس کرنے کی کوشش کر رہے
ہیں بہت رغبت دلائی سب نے مگر مجھ میں بہت سمجھ ہے ہمیشہ سے مجھے
خود بھی پسند نہیں اور پھر بھابھی دی گریٹ کی تربیت بہت عمدہ تھی انہوں
نے میرے قدموں کو ہمیشہ جما کر رکھا" باوجود اسکے کہ چہرے پر اپنی
بھابھی کے لئے بے حد عزت مان اور محبت جھلک رہی تھی مگر انجانے میں
وہ رب کا نام لینا ایک بار پھر بھول گیا اسکے الفاظ اور انداز میں اللہ کا شکر
کہیں نہیں تھا!
"میری زیادہ نہیں بنتی تمہاری بھابھی سے "بے اختیار نکلنے والے اس جملے
پر ثمین نے ایک دم ہی کپ اٹھا کر کافی کا سپ لینے لگی حیات نے بالکل بھی
نوٹس نہیں لیا تھا ایسی باتیں وہ بھابھی سے بھی سنتا رہتا تھا اور اسکو کوئی

خاص اہمیت نہیں دیتا تھا۔ چند لمحے خاموشی سے گزر گئے

"اچھا اگر مجھے پسند ہو سگریٹ؟؟ اور میں کہوں پینے کو؟؟" ثمین کی عجیب بات پر وہ دم بخود رہ گیا "حیران مت ہو مجھے تو واقعی پسند ہے۔ سٹائل لگتا ہے لڑکوں میں سگریٹ پینا"

"میں نے سنا تھا تم صحت کے معاملے میں بہت کانشس ہو؟؟" حیات اب سنبھل چکا تھا مگر اسکی حیرت ختم نہیں ہوئی تھی ابھی تک

"ہاں ہوں۔۔ تو؟؟ سگریٹ تو ہر کوئی ہی پیتا ہے اسکا صحت سے کیا تعلق؟" ثمین ادا سے مسکرائی "مشکل ہے ثمین! میں شاید نہ کر سکوں" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اسکے ہونٹوں سے ادا ہو رہے تھے اسے اس قدر پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی سے اس بات کی امید نہیں تھی۔ ثمین چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی

"اچھا؟ پھر تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے محبت میں چاند تاروں کی فرمائش کروں گی؟" حیات نے بغور دیکھا شاید وہ مذاق کر رہی ہو؟ مگر ایک سرد مہر سا تاثر اسکے چہرے پر تھا "اور اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو تو مطلب یہ ہوا کہ بھابھی زیادہ عزیز ہیں تمہیں مجھ سے۔"

انتہائی فضول بات کر رہی ہو" حیات کو ایک دم ہی اسطرح مقابلہ کرنا برا لگا تو اسکی بات کاٹتے ہوئے کہہ اٹھا ثمین نے چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھا پھر ایک جھٹکے سے اپنا بیگ اٹھایا اور پیر پٹختے ہوئے باہر چلی گئی

حیات اس کے پیچھے نہیں گیا چپ چاپ بیٹھا اس جگہ کو دیکھتا رہا جہاں سے

وہ باہر نکل کر گئی تھی اسے گویا یقین تھا وہ واپس آئے گی اور صرف دو منٹ بعد ہی وہ واپس آگئی حیات مسکرا دیا

"مجھے معلوم تھا تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا"

انتہائی عجیب مسکراہٹ ثمین کے چہرے پر ابھری پھر اسکی عجیب حرکت اور اسکے منہ سے نکلنے والے جملے نے جیسے حیات کو پاتال میں دھکا دے دیا۔۔

ثمین نے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنی انگوٹھی اتار کر میز پر رکھی اور ساتھ ہی سگریٹ کا ایک ڈبہ

"دونوں میں سے ایک چیز اٹھالو اور اپنے ساتھ لے جاؤ"

حیات کو لگا تھا یہ سب خواب ہے، ایک بھیانک خواب! "رشتے اتنے کمزور ہوتے ہیں ثمین؟؟ "آنسوؤں کا گولا سا حلق میں اٹکنے لگا تھا

"یہ تو تم بتاؤ گے" ثمین نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا حیات کچھ دیر خاموش بیٹھا میز پر بے جان اشیا کو دیکھتا رہا

"تم اس وقت جذباتی ہو رہی ہو ثمین ہم بعد میں بات کرتے ہیں"

حیات اتنا کہہ کر اٹھ کر تیز قدموں سے باہر چلا گیا

پھر تین دن لگاتار غیر حاضر رہنے کے بعد وہ یونیورسٹی آیا۔ ثمین بالکل نارمل طریقے سے ملی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو نہ پچھلی کسی بات کا ذکر نہ ہی کوئی مطالبہ نہ تکرار! حیات نے اسکو غنیمت سمجھا اور وہ بھی خود کو نارمل

ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کچھ دنوں میں بات آئی گئی ہو گئی۔
سمسٹر کے بعد کچھ دنوں کی فراغت نصیب ہوئی تو ایک دن تمام فیلوز نے
ڈنر کا پروگرام بنایا۔۔ کھانے کے بعد پان اور پھر شیشہ کا شغل چلا تو حیات
حسب عادت اپنے ہم مزاج ایک دو لڑکوں کے ساتھ وہاں سے ہٹ کر
خوبصورت مناظر کی تصویر کشی کرنے لگا۔ "آجا حیات! آج ایک راؤنڈ تو
کرنا بنتا ہے" کسی منچلے نے آواز لگائی مگر وہ اپنے کام میں مگن رہا بہت
خوبصورت ایکیورم تھا جسے ہر زاویے سے کیمرے میں مقیّد کرنے کی
کوششس جاری تھی۔
"ہونہہ۔۔۔!" ثمین نزدیک ہی کھڑی تھی اسکی طنزیہ آواز اور حقارت
بھری "ہونہہ" نے حیات کو ایک بار پھر اسی کرب سے دوچار کر دیا۔ اس
نے کچھ دیر سوچا پھر دوسری جانب قدم بڑھا دیے اور بالآخر آج اس نے
ابتدا کر ہی دی۔۔ بھابھی کی تربیت بھائی کی نصیحت اور حیات کے آدرش!
سب ہی اس نے قربان کر دیے۔۔ صرف ایک محبت کی خاطر!
تھرڈ سمسٹر کے اختتام تک جب بھابھی کو خبر ہوئی تب تک وہ بہت ماہرانہ
انداز میں سگریٹ پینے کا عادی ہو گیا تھا! اب نہ وہ اسکو معاشرتی برائی
سمجھتا تھا اور نہ مضر صحت!
"حیات! تم سگریٹ پینے لگے ہو" آج چھٹی کا دن تھا حیات ناشتہ کر کے
اپنے کمرے میں چلا گیا تھا یہ بات بھابھی کے لیے حیرت کا باعث تھی
انہوں نے کچھ مہینوں سے اس میں عجیب تبدیلی محسوس کرنا شروع کر دی

تھی حیات چھٹی کا دن لازماً ناشتے کے بعد کھانے کا مینو بنواتا اور اکثر چیزیں بنانے میں اپنی خدمات بھی پیش کرتا مگر کچھ دنوں سے اسکے معمولات یکسر بدل گئے تھے اور بھابھی کو تشویش شروع ہو گئی انہوں نے حیات کے پاس سے سگریٹ کی شدید بو محسوس کی تو انہوں نے کھوج لگانا شروع کر دی اور بالآخر ایک دن سگریٹ کا ایک پیکٹ اسکے کمرے سے برآمد کر ہی لیا اور رات تمام کاموں سے فراغت کے بعد انہوں نے اسکے کمرے میں اسے جا لیا وہ اگلے دن کے لیے کپڑے استری کر رہا تھا انکے سوال پر حیات نے چونک کر انہیں دیکھا پھر تذبذب میں پڑ گیا کہ کیا جواب دے "تمہیں معلوم ہے کہ یہ صحت کے لئے نقصان دہ ہے؟ تم نے تو اسکول لائف میں اسے ہاتھ نہیں لگایا اب اتنے سمجھدار ہو کر؟؟ جب میں سمجھ رہی تھی کہ تم اپنا مقصد حیات طے کر چکے ہو؟" نہ چاہتے ہوئے بھی انکا لہجہ تھوڑا تلخ ہو گیا

"بھابھی! دو ماہ سے پی رہا ہوں تھکن اتر جاتی ہے اس سے، پڑھائی اچھے سے ہوتی ہے، بھوک بھی جب شدت سے لگے تو افاقہ ہوتا ہے" حیات نے شرٹ کا کالر سیدھا کرتے ہوئے انہیں دیکھا اور ایک جاندار مسکراہٹ اچھالی

"ثمین کا مشورہ ہے؟" انکے اندر یقین بن کر جو خیال اترا اسکو انہوں نے فوراً زبان دے دی وہ خاموش رہا بھابھی کے اندازے کم ہی غلط ہوتے تھے

"تمہاری صحت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں" بھابھی نے گویا جواب پا لیا تھا ایک تھکن سی انکے لہجے میں در آئی تھی "کچھ نہیں ہوتا بھابھی مجھے آج تک کھانسی اور بخار بھی نہیں ہوا صحت ایک دم ے ون ہے، ایک دم فٹ ہوں "

"الحمدللہ" بھابھی ہونٹ ہلے مگر آواز سنائی نہ دی وہ پلٹ کر جانے لگیں پھر دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر پلٹیں
" کبھی کبھی اللہ کا شکر ادا کیا کرو یہ سب اسی کی عطا ہے کسی ایک محبت کی خاطر تم اللہ محبت کو نہیں چھوڑ سکتے تمہاری صحت اسکی عطا ہے صحت کی حفاظت اس سے وفا ہے" پھر بھابھی اندر آئیں اسکی سائیڈ ٹیبل کا دراز کھولا ایک کارڈ نکالا اور اسکے سامنے رکھ دیا" یہ اور ایسے کئی دعوے تم نے کیے ہیں کبھی دوستوں سے کبھی مجھ سے کبھی فرحین سے، ان سب میں بہترین دعوی ہے جب یہ بات اللہ کے لئے کہی جائے" ONLY YOURS" صرف اللہ کیے لئے!" انہوں نے کارڈ کھول کر حیات کی آنکھوں کے سامنے کیا پھر وہ پلٹ گئیں "اللہ کا ذکر بھی ایک طرح کا ٹانک ہے جو انسان کو طاقت بخشتا ہے۔۔ اللہ کا شکر انسان کے اندر اترنے والی آکسیجن ہے جس سے اس کا حبس دور ہوتا ہے یہ جو اللہ کے انعامات ہیں ہم پر تمہاری صحت تمہاری طاقت یہ سب شکر کی ادائیگی کے ساتھ برقرار رہتے ہیں ورنہ

لئن شکرتم لازیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید

(البتہ اگر تم شکرادا کروگے ہم زیادہ کریں گے تم پرانعامات اور اگر تم انکار کروگے بے شک میرا عذاب سخت ہے)

بھابھی اپنی بات مکمل کر کے چلی گئیں اور حیات چند لمحے کے لیے حرکت کرنا بھول گیا!! مگر پھر سر جھٹک کر مسکرادیا"بھابھی بھی نا۔۔لگتا ہے درس کی محفلوں میں جانے لگی ہیں آجکل"

وقت پر لگا کر اڑتا جا رہا تھا ساتویں سمسٹر کی تیاری عروج پر تھی جب حیات کو مستقل کھانسی اور ہلکا ہلکا بخار رہنے لگا وہ صبح یونی جانے کی تیّاری میں مصروف تھا کہ اچانک اسے کھانسی کا دورہ پڑا اور اتنی شدت اختیار کر گیا کہ اسکی سانس اکھڑ گئی اور گلے سے خر خراہٹ کی آوازیں آنے لگیں پھر اسے متلی محسوس ہونے لگی وہ واش روم کی طرف بھاگا۔۔ابھی ناشتہ نہیں کیا تھا اس نے مگر حلق سے باہر آنے والے خون کو دیکھ کر وہ لمحے بھر کو گھبرا گیا پھر یہ سوچ کر خود کو مطمئن کر لیا کہ حلق میں خراش آگئی ہو گی اسی وجہ سے خون نکل گیا ہے۔ تھوڑی دیر میں اسکی طبیعت سنبھل گئی مگر ہلکی ہلکی کھانسی سرے دن ہی رہی۔

"تم کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا کر دوا کیوں نہیں لیتے حیات؟؟" پچھلے دس منٹ تک مسلسل اسکی کھانسی کو برداشت کرتی ثمین نے ناگواری سے اسے دیکھا وہ دونوں یونی میں ہی اکٹھے اپنے اپنے اسائنمنٹس تیّار کر رہے تھے

"ہاں جاؤنگا آج۔۔ٹائم نہیں ملتا پڑھائی بہت سخت چل رہی ہے ناں"

حیات نے کہا تو اسکی آواز میں عجیب سا کھردرا پن بھی محسوس ہو رہا تھا اس نے گلا کھنکار کے دوبارہ بات شروع کی

"ایسی کوئی خطرناک بیماری نہیں ہے مجھے صرف وائرل انفیکشن ہو گیا ہے بس" حیات نے اسے اطمینان دلانے کو کہا مگر اسے جانے کیوں صبح والی بات بھی یاد آ گئی تھی۔

"ہاں مگر دکھالو تو اچھا ہے" ثمین بھی سر ہلا کر اپنے ارد گرد بکھرے پیپرز میں دوبارہ الجھ گئی۔

شام میں حیات ایک جان پہچان کے جنرل فزیشن کے پاس آ گیا

"مکمل تفصیل سے اسکی حالت سننے کے بعد ڈاکٹر نے پوچھا" یہ کیفیت آپکی کب سے ہے؟"

" تقریباً ایک ہفتے سے مستقل ہے پہلے کم ہوتی تھی اور خون تو آج پہلی بار آیا ہے" ڈاکٹر نے کچھ سوچ کر سر ہلایا" یہ کچھ ٹیسٹ اور ایکسرے کروا کر آئیں آپ۔اور فی الحال یہ دوائیں لیں"

"ایکسرے؟" اس نے حیرت سے دیکھا

"جی ایکسرے!" ڈاکٹر نے سر ہلایا" اسکے علاوہ آپ کے ایک یا دو ٹیسٹ ہو سکتے ہیں۔"

"وہ کیا اور کس لئے؟ میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں" حیات قدرے گھبرا گیا تھا

"برونکواسکوپی-ایک ڈاکٹر یا نرس آپ کے پھیپھڑوں میں ہوا کے

راستوں کی اندرونی سطح کی جانچ کرے گی اور خلیوں کے کچھ نمونے لے گی۔ ٹیسٹ سے چند گھنٹے پہلے، آپ کچھ کھا یا پی نہیں سکتے۔"

"پریشانی والی کوئی بات ؟؟" حیات کسی بری خبر کے لیے اپنے ذہن کو تیّار کر رہا تھا

"نہیں کوئی پریشانی والی بات نہیں ہر بیماری کا علاج موجود ہے بس آپکو ہمت کرنا ہو گی" ڈاکٹر نے مسکرا کر ہمت بندھائی

"جو ٹیسٹ بتایا آپ نے اس میں کیا طریقہ کار ہو گا؟؟" اس نے اندازہ لگانے کی غرض سے پوچھا

"آپ کے منہ یا ناک کے ذریعے ایک پتلی ٹیوب کو آپ کے پھیپھڑوں میں ڈالنے سے پہلے، آپ کو ٹیوب کے گزرنے کے راستے کو سُن کرنے والی اور کوئی سکون آور دوا دی جائے گی۔ اس ٹیسٹ میں 20 منٹ لگتے ہیں اور آپ کچھ گھنٹے بعد اپنے گھر جا سکتے ہیں۔

سی ٹی) کمپیوٹرائزڈ ٹوموگرافی (اسکین- سی ٹی اسکین کئی ایکسرے لیتا ہے اور ان سے آپ کے جسم کے اندرونی حصے کی ایک سہ رخی تصویر بناتا ہے۔ اس اسکین میں 30-10 منٹ لگتے ہیں اور اس میں درد نہیں ہوتا۔ اس میں تھوڑی مقدار میں تابکاری شعاعیں استعمال ہوتی ہیں۔ اس سے نقصان پہنچنے کے امکانات بہت کم ہیں اور نہ ہی آپ سے رابطے میں آنے والے کسی شخص کو نقصان پہنچے گا۔ آپ اسکین سے کم از کم 4 گھنٹے پہلے، کچھ کھا پی نہیں سکتے۔

ہو سکتا ہے کہ آپ کو کسی ڈائی کا ایک انجیکشن یا مشروب بھی دیا جائے جس کی مدد سے کچھ مقامات کو زیادہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔اس سے آپ کو کچھ منٹوں کے لیے گرمی کا احساس ہو سکتا ہے۔اگر آپ کو آئیوڈین سے الرجی ہے یا دمہ کی بیماری ہے، تو اس کے بارے میں مجھے بتانا ضروری ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے آپ پر اس ٹیکے کا زیادہ شدید رد عمل ہو سکتا ہے۔"

"دمہ "حیات نے حیرت سے اپنی کیفیت کو محسوس کیا"کس بیماری کا اندیشہ ہے آپکو؟"حیات کی نظریں ڈاکٹر پر گڑ گئیں

"ابھی کچھ کہنا وقت سے پہلے ہو گا، آپ یہ ٹیسٹ کروا کر آئیں پہلے اللہ کی ذات سے ہمیشہ اچھی امید رکھیں دعائیں کثرت سے پڑھیں میری والدہ ایک عالمہ ہیں انکا کہنا ہے اللہ کے ذکر میں بہت برکت ہے اندر کی تمام بیماریاں خصوصاً جو سانس کی بیماریاں ہیں وہ اللہ کے ذکر سے دور ہو جاتی ہیں۔۔۔دنیا کے دھندے ایسے جیسے انسان چڑھائی پر چڑھتا جائے جتنا اوپر جائیں سانس لینے میں اتنی ہی دشواری ہوتی ہے ناں؟؟"ڈاکٹر صاحب نے تائید طلب نظروں سے اسے دیکھا وہ چپ چاپ رہا"تو جو خلا باز ہوتے ہیں وہ اپنے ساتھ آکسیجن باکس رکھتے ہیں تاکہ آکسیجن کی کمی وہاں سے پوری ہوتی رہے، بالکل اسی طرح عمر کی چڑھائی چڑھتے ہوئے آکسیجن باکس یعنی ذکر باری تعالی ضروری ہوتا ہے جتنا زیادہ ذکر اتنی ہی تازگی اتنی ہی فرحت "ڈاکٹر صاحب نے بات ختم کر کے مسکرا کے اسے دیکھا"آپ پریشان نہ

ہوں بس یہ ٹیسٹ کروائیں آگے اللہ مالک ہے"
حیات ٹیسٹ کی سلپ پڑھتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر باہر آیا امید و نا امیدی کے درمیان اسکی انتہائی عجیب کیفیت تھی کوئی پاس بہت پاس سے کہہ رہا تھا
لئن شکرتم لازیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید
ایک بے بس آنسو تھا جو اسکی آنکھ سے ٹپکا اور گریبان میں جذب ہو گیا۔

تمام ٹیسٹ کروانے کے بعد رپورٹس آنے تک حیات بوکھلایا بوکھلایا اور مضطرب سا پھرتا رہا"آخر ہوا کیا ہے تمہیں؟ کہتی کچھ ہوں کرتے کچھ ہو" ثمین نے اسے بر گرلانے بھیجا تھا اور واپسی پر اسکے ہاتھ میں چپس کا پیکٹ دیکھ کر کوفت زدہ لہجہ میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی حیات نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا
"کاش ثمین! میں ایسا ہی ہوتا تم کچھ کہتی اور میں کچھ کرتا!! تمھارے احکامات کی بجا آوری کرتے کرتے تو میں زندگی کو داؤ پر لگا بیٹھا ہوں شاید" اسکے ہونٹ آہستگی سے ہلے اور سوچوں کا آخری لفظ آواز کی صورت ہونٹوں سے بر آمد ہوا اور فضا میں پھیل گیا
"اب یہ شاید کیا؟؟" ثمین اکھڑ کر کہہ اٹھی "اتنی سخت بھوک میں میں یہ چپس نہیں کھاؤں گی مجھے بر گرلا کر دو"
"ثمین! اگر میں بیمار ہو جاؤں تو کیا تم۔۔" اس نے اگلا جملہ ہونٹوں پر ہی

روک لیا" مجھے لگتا ہے تم بیمار ہو ہی گئے ہو!" ثمین چڑ کر اٹھی اور خود ہی کنٹین کی طرف بڑھ گئی

"تو کیا تم مجھے چھوڑ جاؤ گی؟" اپنا ادھورا جملہ مکمل کرتے ہوئے دھندلی آنکھوں کے ساتھ وہ ثمین کو جاتا دیکھ رہا تھا واقعی کسقدر خوفزدہ کر دینے والا احساس ہے یہ کیسی محبت ہے جس میں ہر لمحہ ٹھکرائے جانے کا دھڑکا ہے؟؟ میں کیسے ثمین کی محبت کو دائمی کر سکتا ہوں؟؟ اس ایک محبت نے تو مجھے ادھ مرا ہی کر ڈالا ہے، میں تو صرف تمہارا ہوں مگر کیا تم بھی؟؟ ثمین بھیڑ میں غائب ہو گئی تھی مگر حیات کی نظریں وہیں مرکوز تھیں

"ONLY YOURS" صرف اللہ کیے لئے" بھابھی نے گویا کان میں سرگوشی کی تھی۔ وہ بے چین سا ہو کر کھڑا ہو گیا تھا اور گھر کی طرف چل پڑا

راستے میں آغا خان کے کلیکٹنگ پوانٹ آیا تو اس نے گاڑی کی رفتار ہلکی کر دی

پچھلے دو دن سے وہ یہاں سے بغیر اپنی رپورٹس لیے گزر رہا تھا آج بھی ارادہ نہیں تھا مگر جانے کیوں رک گیا

"تمہاری صحت اسکی عطا ہے صحت کی حفاظت اس سے وفا ہے" (جب میں ایک انسان سے وفا کر رہا ہوں تو اپنے رب سے کیوں نہیں؟ بیماری ہو جائے تو اسکا علاج بھی ہوتا ہے اللہ نے ہر بیماری کا علاج بھی رکھا ہے) وہ کلکٹنگ پوائنٹ میں داخل ہونے کے بعد اپنی رپورٹس لیتے ہوئے اپنے

دل میں عجب سی طاقت محسوس کر رہا تھا

----------****------****--------

اگلے روز ڈاکٹر کے سامنے اس نے اپنی رپورٹس پیش کیں کچھ دیر معائینے کے بعد ڈاکٹر نے اسے پھیپھڑے کے کینسر کا بتایا چند لمحے کو وہ ساکت سا ہو گیا

"گھبرانے کی بات نہیں ہے پہلی سٹیج پر ڈائیگنوس ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے اس سے چھٹکارا پانا نسبتاً آسان ہے" ڈاکٹر صاحب نے تسلی دیتے ہوئے کچھ مزید ٹیسٹ کروانے کے لیے دیے اور ساتھ میں ایک فارم۔

"آپ یہ بتائیں کہ آپ علاج کو سمجھ گئے ہیں اور اس سے متفق ہے؟؟ یہ ظاہر کرنے کے لیے، کہ آپ علاج کو سمجھتے ہیں اور اس سے متفق ہیں، آپ کو ایک رضامندی فارم پر دستخط کرنا ہوگا۔ آپ کا اس وقت تک علاج نہیں کیا جائے گا جب تک آپ اس سے متفق نہیں ہوتے۔ آپ اپنے گھر والوں سے مشورہ کر لیں ایک بار"

"گھر والوں سے!" حیات کی نگاہوں میں بھابھی کا شفیق چہرہ آگیا جو اچانک ہی حسرت و یاس کی تصویر میں ڈھل گیا انکی مسکراہٹ جو زندگی کا احساس دلایا کرتی تھی ایک دم ہی ماتم کرتے بین میں تبدیل ہو گئی" یہ صلہ دیا ہے تم نے ہماری محبتوں کا؟ ایسی ہوتی ہیں اولادیں؟؟" وہ نگاہ تصور سے بھابھی کو رو رو کر حیات گریبان پھاڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا وہ لاجواب تھا اسکے پاس

ایک بھی جواب نہیں تھا
"بھابھی میں ناشکر گزار تھا ناقدرا تھا یہی میری سزا ہے" آنسوؤں کا گولا اسکے حلق میں اٹک گیا
"ڈاکٹر صاحب گھر والے تو بہت تکلیف میں آجائیں گے اور قصوروار بھی میں ہی ہوں تو ہم خاموشی سے علاج نہ شروع کر لیں؟؟" اس نے امید بھری نظروں سے انہیں دیکھا
'دیکھیں حیات صاحب! اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے اپنی پریشانیوں کا ذکر کرنا فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ جس کو بھی پتہ چلے کہ اسکو کینسر ہے تو اس کو بہت دھچکا لگتا ہے اور ہر ایک کے کئی مختلف جذبات ہو سکتے ہیں۔ان میں غصہ، خفگی، احساس جرم، اضطراب اور ڈر شامل ہو سکتے ہیں۔ یہ عمومی رد عمل ہیں اور یہ زیادہ تر لوگوں میں بیماری کو تسلیم کر لینے کی کوشش کا ایک حصہ ہیں۔ محسوس کرنے کا کوئی اچھا یا برا طریقہ نہیں ہے۔ مگر گھر والوں کے مشورے کے بغیر یہ علاج ممکن نہیں"
حیات کو اسی جواب کی توقع تھی وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گیا
جرم ہو گا تو احساس جرم بھی تو ہو گا ہی! عجیب سے احساسات اسے جکڑے جا رہے تھے وہ گھر جا کر خاموشی سے اپنے کمرے میں گیا اور ا-اپنی رپورٹس دراز میں ڈال کر کسی سے مزید بات کیے بغیر سو گیا پریشانی کی حالت میں نیند اگر آجائے تو اس سے بڑی نعمت اور کوئی نہیں لگتی۔
حیات نے چند دن اسی شش و پنج میں گزارے کہ کس کو بتایا جائے پہلے؟

پھر ایک دن وہ یونیورسٹی پہنچا اور ثمین کو بتانے کا ارادہ کیا "ثمین! میں کل ڈاکٹر کے پاس گیا تھا میری رپورٹس میں کچھ پرابلم آئی ہے "اتنا کہہ کر وہ رک گیا اور سامنے آتے جاتے خوش باش لڑکیوں اور لڑکوں کے گروپس دیکھنے لگا ثمین اس کے چہرے پر نظریں جمائے اسکی اگلی بات کی منتظر تھی
"پرابلم؟؟" آخر اس نے حیات کو اپنی سمت متوجہ کیا
"لنگس کینسر۔۔" حیات نے ڈرتے ڈرتے اس پر نظر ڈالی ساکت وجود بے تاثر چہرہ پھر دھیرے دھیرے اسکے چہرے پر دکھ کا تاثر ابھرا "حیات! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ یہ تو جان لیوا بیماری ہے"
"نہیں نہیں ثمین! ابھی پہلی سٹیج ہے، ڈاکٹرز بہت مطمئن ہیں" حیات نے جلدی جلدی بات مکمل کی مبادا ثمین ابھی انگوٹھی اتار پھینکے گی
"ڈاکٹرز کا تو کام یہی ہے یہ انکی روٹی روزی ہے تمہیں حوصلہ نہیں دیں گے تو انکی جیب کیسے وزنی ہو گی؟؟" اسکے الفاظ کا زہر حیات نے اپنے اندر اترتا محسوس کیا
"مسیحاؤں کا ایسے انداز سے ذکر نہیں کرنا چاہیے ثمین!"
"لیکچر مت دو مجھے۔ میں جا رہی ہوں ساتھ چلو گے یا میں جاؤں؟" ثمین نے کسی بھی انداز سے ظاہر نہیں کیا کہ وہ حیات سے تعلق توڑ دے گی۔
حیات بہت حیران تھا
"میں کل جا کر کیمو تھراپی کا شیڈول لے کر آؤں گا آگے۔ علاج میں کوئی کمی نہیں ہو گی انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا" حیات تیز قدموں سے چلتے

ہوئے اسکے ساتھ قدم سے قدم ملنے لگا

"ہمم" ثمین کو گویا پرواہ ہی نہیں تھی کہ وہ ساتھ بھی آرہا ہے یا نہیں
تھوڑی دیر حیات اسکے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتا رہا پھر رک گیا۔ ثمین
نے اسکا رکنا محسوس کیا اور ایک لمحے کو پلٹی اور اسے اپنی جگہ منجمد دیکھ کر
کچھ کہے بغیر آگے بڑھتی چلی گئی

حیات کا دل چیخ چیخ کر رونے کو مچل رہا تھا مگر اس نے بچپن سے رونے کو
بزدلی کی علامت جانا تھا آنسوؤں کو دھکیل کر اس نے اپنے قدم باہر کی
طرف بڑھا دیے اس دن وہ گھر نہیں گیا سارا وقت باہر آوارہ گردی کرتا
رہا

"کیا مجھے اس بیماری کی صورت اپنے گناہوں کی سزا ملی ہے؟ کیا بیماری
گنہگاروں کو لاحق ہوتی ہے؟ کیا مجھے میری محبت سے محروم کر دینے کا
فیصلہ ہو چکا ہے اوپر آسمانوں میں؟" اس نے چلتے چلتے تا حد نظر پھیلے وسیع و
عریض آسمان کو دیکھا "کیا اللہ مجھ سے ناخوش ہے؟ کیا نعمتیں مجھ سے
چھین لی جائیں گی؟" دل و دماغ میں چلتے جھگڑوں کے ساتھ وہ خود بھی چلتا
چلا جا رہا تھا

"کس سے مانگوں میں اپنے سوالوں کے جواب؟ کون ہے جو مجھے مطمئن
کر سکے؟" یکلخت اسکے قدم ٹھر گئے اسکی نگاہوں میں ایک چہرہ روشن ہوا
تھا اور اس نے اپنی سمت تبدیل کر لی

وہ روشنی!!

جس کی ضو کے لیے میں نے زندگی تج دی

وہ منزل!

جس کے لیے میں نے قدموں کو آشنائے صعوبت کیا

وہ قلب حزیں!

جو تکمیل تمنا کی آرزو میں نیم بسمل رہا

ہاں!

وہ خواب، گل رنگ خواب!

خوشبو، مہک، تازگی، زندگی!

روشنی، چاند سی روشنی

ضیاء، نور، آشتی، آگہی!!

وہ گھر پہنچا تو نماز کا وقت ہو چکا تھا بھابھی جانماز پر دعا مانگتی نظر آ گئیں آنسوؤں سے تر چہرے پر عجیب سا نور تھا جس نے سارے کمرے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہیں بیٹھ گیا بھابھی کے قدموں کے پاس بھابھی نے شاید اسکی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا یا شاید نہیں کر سکیں مگر انہوں نے دھیرے سے ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ حیات نے داخل اندازی نہیں کی خاموشی سے بیٹھا انہیں دیکھتا رہا (مجھے کس بنا پر رد کرے گی وہ؟) بھابھی کو دیکھتے دیکھتے اچانک اسکے کانوں میں اپنی ہی بازگشت سنائی دی دل میں عجیب سی بے

قراری جاگ اٹھی "کیا مجھے اس بیماری کی صورت اپنے گناہوں کی سزا ملی ہے؟ کیا بیماری گنہگاروں کو لاحق ہوتی ہے؟" سوالوں کے ناگ نے دوبارہ اپنا پھن پھیلایا وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا "الحمدللہ کہتے ہیں حیات!" کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کسی نے اسے ٹوکا تھا۔(تو کیا میں ناشکرا تھا؟) اپنا سامان سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ واش روم کی سمت بڑھ رہا تھا ذہن پر ایک کے بعد ایک یاد سوچ بن کر دستک دیے جارہی تھی "تمہیں میں نے کبھی سگریٹ پیتے نہیں دیکھا حیات" ثمین کی آواز کے بعد اسکی آواز "دیکھو گی بھی نہیں" اس نے یاد کرنا چاہا کیا اس نے انشاءاللہ کہا تھا؟؟؟ کیا میں نے غرور کیا تھا؟ نہیں نہیں میں نے تو بس یونہی۔۔۔

واش روم میں داخل ہو کر اس نے تیزی سے والو کھولا پانی کی موٹی دھار واش بیسن کے نل سے آنے لگی

"کیا یونہی؟" پانی میں اسکا عکس اس سے سوال کر رہا تھا "کتنے ہی مقامات آئے اور تم اپنے حسن اپنی طاقت اپنی اچھائیوں کے ہی گن گاتے رہے کتنا مان رہا تھا تمہیں اپنی قوت ارادی پر، بس یونہی؟ بس یونہی تم انشاءاللہ کہنا بھول جاتے ہو؟ بس یونہی تم الحمدللہ کہنا بھول جاتے ہو؟ بس یونہی؟ پھر کیا وجہ ہو کہ وہ احسن الخالقین تمہیں نہ بھولے؟ کیوں نہ شیطان کے وار تم پر چلیں" اس نے اپنے ہاتھوں کو دھونا شروع کیا پانی میں اسکے آنسوؤں کا نمک شامل ہو کر اسے نمکین کرنے لگا

"اچھا؟ پھر تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے محبت میں چاند تاروں کی فرمائش

کروں گی ؟" پہلا وار ! ! اہ۔۔ وہ لاشعوری طور پر وضو بناتا جارہا تھااور یادیں
اسکے دل ودماغ پر ضرب لگا رہی تھیں وضو مکمل کر کے وہ جانماز پر کھڑا ہو
گیا اسے کیا پڑھنا تھا؟ وہ سوچے سمجھے بغیر پہلی رکعت کے بعد سجدے میں
گر کے زار زار رونے لگا" سبحان ربی الاعلیٰ" اسکا دکھ ثمین کے فراق و
وصال سے آگے بڑھنا چاہ رہا تھا مگر اسے شعور نہیں تھا ہر تسبیح پر اسے اپنی
کم مائیگی کا احساس ہوتا ہر تسبیح پر اسے زندگی کے زیاں کا احساس ہوتا ! نماز
مکمل کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کر لیے اسے مانگنے کا سلیقہ
نہیں تھا مگر اسے مانگنا بھی تھا ! آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر ہتھیلیوں میں گر رہے
تھے ہر آنسو دل میں لگی آگ کو بڑھاتا جارہا تھا اس نے زبان سے ایک بھی
لفظ کہے بغیر رب کو جانے کتنے پیغام بھیج دیے جب آنسو تھمنے لگے اور
ہچکیاں بندھنے لگیں تو اسے اپنے سر پر نرم ہاتھوں کی شفیق سی گرمی
محسوس ہوئی اس نے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر آنسو صاف کیے اور سر
اٹھایا بھابھی نماز پڑھ کر اسی کو تلاش کرتی آئی تھیں شاید " تمھارے ڈاکٹر
نے تمھارے سیل پر فون کیا تھا تم نے ریسیو نہیں کیا تو انہوں نے پی ٹی سی
ایل پر کیا تھا۔۔" حیات اسی طرح خاموش بیٹھا انہیں دیکھتا رہا اسے بھابھی کا
آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ دعا مانگنا یاد آیا۔ بھابھی نے لمحہ بھر توقف
کیا پھر دوبارہ کہنے لگیں " تمھارے بھائی نے سارا شیڈول معلوم کر لیا ہے
پرسوں سے تمہاری کیمو شروع ہے ، بیماری میں سوگ نہیں مناتے علاج
کرواتے ہیں " آخر میں بھابھی کا انداز قدرے سخت ہو گیا تھا" اور تمہیں

کوئی حق نہیں کہ تم ایک ضدی اور خود سر لڑکی کے ہاتھوں کھلونا بن کر ہمیں اپنے بارے میں کسی فیصلے کے کرنے سے محروم کر دو"

"بھابھی! ثمین سے بات ہوئی آپکی؟؟"اس نے پوچھا بھی تو کیا! بھابھی نے ایک نظر اسکے بھیگے چہرے کی طرف ڈالی"نہیں۔۔اسکی امی کا فون آیا تھا خاصی شرمندہ اور پریشان تھیں مگر رشتہ قایم رکھنے پر تیّار نہ تھیں کہ ثمین کی خواہش نہیں تم سے شادی کی"بھابھی نے کسی لاگ لپٹ کے بغیر بتادیا حیات کو سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ ماتم کرنے کا کونسا انداز اپنائے؟اب علاج کرنے کا مقصد ہی کیا ہے؟

"کوئی ضرورت نہیں غمزدہ ہو کر وقت برباد کرنے کی یوں سمجھو اللہ پاک نے چھوٹی تکلف دے کر بڑی تکلف سے بچا لیا ہے، تم اپنے اچھے برے کا وہ حساب رکھ ہی نہیں سکتے ہو جو تمہارا رب رکھ سکتا ہے"

"مگر میں تو ناشکرا ہوں ناقدرا ہوں اس لیے ایسی موزی بیماری لاحق ہوئی مجھے، تکلیف سے تو وہ اپنے نیک بندوں کو بچاتا ہے ناں؟"حیات اذیت پسندی کی کیفیت میں تھا

"بالکل غلط!"بھابھی نے اسے کھڑا ہونے کا اشارہ دیا اور جانماز تہہ کرنے لگیں"کبھی کبھی کوئی چھوٹی تکلیف ہمیں اللہ کے قریب کرنے کے لیے آتی ہے ہم آسانی کی گھڑیوں میں کبھی جانماز بچھا کر گڑگڑاتے ہیں؟"انکی سوالیہ نظریں حیات پر گڑی تھیں وہ کچھ دیر اضطرابی کیفیت میں خاموش رہا۔

"بھابھی ! کیا بیماری گناہ کی سزا کے طور پر ملتی ہے ؟"اس نے اچانک بے چین ہو کر سوال کیا"نہیں "بے ساختہ بھابھی کے منہ سے نکلا"سزا سے بچانے کے لیے ملتی ہے لا باس طہور انشاءاللہ "

وہ نرمی سے مسکرائیں

"اللہ نے تمہیں خود سے قریب کرنے کا یہ بہانہ بنا دیا ہے آج تم شاید سمجھ نہیں پا رہے ہو مگر ایک دن تم جان سکو گے کہ آج تم ثمین کے لیے نہیں اپنی صحت اور اللہ کی ناراضگی کے ڈر سے روئے ہو ! !"بھابھی کی بات پر اس نے اپنے دل کو ٹٹولا وہاں خاموشی تھی کوئی جواب نہیں اسکا !

مگر اس نے بھابھی کی بات کو رد نہیں کیا اور علاج کروانے پر تیّار ہو گیا !

-----*********--------*********-----

زندگی کے ہزار رنگ ہیں اور ان ہزار رنگوں کے ہر رنگ میں مزید ہزار !" بھابھی کی نگاہیں میز کی سطح پر جمی ہوئیں تھیں اور انکی آواز جیسے کسی کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔جب وہ اس ایک رنگ کی جھلک دکھا کر خاموش ہوئیں تو ناشتہ بھی ختم ہو چکا تھا اور چائے بھی دونوں اپنے اپنے گھر میں اپنے پیاروں کو کینسر میں مبتلا دیکھ رہی تھیں دونوں ہی کو یہ سب دیکھنا بھی تھا اور اپنے پیاروں کو جینے کا حوصلہ بھی دینا تھا۔آزمائش اصل میں کس کی ہوتی ہے ؟ یہ جاننا بہت مشکل ہے واقعہ ایک ہی ہوتا ہے مگر کرداروں پر الگ الگ ڈھنگ سے اثر انداز ہوتا ہے سب کا امتحان جدا سب کی تکالیف جدا۔۔۔

"جب سے اسکا علاج شروع ہوا ہے گنتی کے چند دن بھی ٹھیک سے نہیں پڑھا ہے اس نے ہفتے میں ایک انجیکشن لگتا ہے اسکو، شروع کے دو بعد کے اثرات کچھ اتنے شدید ہوئے کہ اسکی حساس جلد کے ساتھ بال بھی متاثر ہو گئے، اب صورتحال کافی بہتر ہے مگر بیک وقت ذہنی اور جسمانی تکلیفوں کو سہنے کے بعد اسکی پڑھائی بہت متاثر ہوئی ہے اور اب تو تقریباً دو ماہ ہو گئے ہیں اس نے کچھ بھی نہیں پڑھا" بھابھی افسردگی سے کہہ رہی تھیں "ہمم" مریم پر سوچ انداز میں سر ہلا کر رہ گئی "اچھا چلیں کچھ کرتے ہیں اسکا بھی ۔۔۔ابھی تو روم میں چلنے کی کیجیے وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں

مریم بل کی ادائیگی سے فارغ ہوئی اور بھابھی کے ساتھ کیمو روم کی طرف آگئی مریم نے اپنے روم میں جھانکا۔اماں ativan کے زیر اثر گہری نیند میں تھیں۔ پھر وہ روم نمبر ون میں آگئی بھابھی خاموشی سے تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں اس نے گردن موڑ کر دیکھا حیات چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا

"چھت میں سوراخ ہو گیا ہے "حیات کے قریب جا کر اس نے شرارتی انداز میں مخاطب کیا حیات نے چونک کر اسے دیکھا پھر تھوڑی کوشش کے بعد مسکرا دیا

"السلام علیکم۔۔ کیسی ہیں آپ؟"اس نے قدرے اٹھنے کی کوشش کی

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور تم لیٹے ہی رہو اٹھنے کی ضرورت نہیں میں گھر

سے چائے شائے پی کے آئی ہوں" مریم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اٹھنے سے روکا اور ساتھ ہی شرارت سے آنکھیں گھمائیں وہ دوبارہ مسکرایا اس بار بھی اسکی مسکراہٹ میں بے ساختگی نہیں تھی مریم نے بھابھی کی طرف دیکھا وہ چپ چاپ حیات کو دیکھ رہی تھیں ہونٹ ذکر میں مصروف تھے اور تسبیح کے دانے آہستگی سے گر رہے تھے۔

"اچھا! تو تمہاری پڑھائی کہاں تک پہنچی؟ ابھی زیر علاج ہونے کی وجہ سے روکی ہوئی ہے یا جاری ہے؟ یا بعد میں مکمل کرنے کا ارادہ ہے؟" مریم نے ساتھ پڑی ریوولونگ چیئر گھسیٹ کر بیڈ کے قریب کی اور بیٹھ گئی

"فی الحال تو کوئی ارادہ نہیں" اسکے انداز میں سختی آگئی

"اور فی الحال کے بعد؟؟" مریم نے تیزی سے پوچھا تو اس نے جھنجلا کر نظریں دوسری طرف کر لیں 'زندہ رہا تو سوچوں گا"

"زندہ ہی ہو۔۔ کوئی شک؟" مریم نے اسکی خفگی کو محسوس کیا تھا اس لیے مدھم لہجے میں پوچھا حیات نے کوئی جواب نہیں دیا

"بھابھی! ڈرپ مکمل ہونے والی ہے گھر چلنے کی تیّاری کیجیے" اس نے مریم کو قطعی طور پر نظر انداز کیا تھا بھابھی نے مریم کی طرف دیکھا وہ مسکرا رہی تھی

"چلو ثناء بی بی آپ اپنا کام نمٹاؤ پھر ہماری طرف آنا امّاں بھی اٹھ گئیں ہوں شاید میں چلوں" مریم کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی "بھابھی! اپنا کونٹیکٹ نمبر دے کر جایئے گا کبھی بات کرنی ہو تو رابطہ ہو سکے" مریم نے بھابھی

کی طرف دیکھا

"ویسے ڈاکٹر ساحرہ کو دکھانے تو دو دن بعد آنا ہی ہے آپ کا اپائنٹمنٹ بھی جمعہ کو ہی ہے ناں؟؟ بھابھی نے سر ہلایا تو وہ باہر آگئی

دو دن بعد ڈاکٹر ساحرہ کے پاس امّاں کا چیک اپ ہونا تھا ساتویں انجیکشن سے پہلے انہوں نے امّاں کو بلایا تھا۔ مگر امّاں نے یہ دو دن بس ایک ہی رٹ لگائے رکھی "مجھے اب علاج نہیں کروانا" انکی طبیعت کیمو لگنے کے دو دن بعد بہت زیادہ خراب ہو جاتی، ہاضمہ انتہائی کمزور ہو گیا تھا، جسم کے مختلف حصوں میں خارش ہو جاتی، آنکھیں پانی بہا بہا کر سوج جاتیں وہ نہ بھی روتیں تو روئی روئی سی لگتیں۔ دوران علاج انہیں چھری چاقو کے استعمال سے پرہیز بتایا گیا تھا وہ پہلے صرف سبزی کاٹنے کا کام کر دیا کرتی تھیں، لہذا انکی واحد مصروفیت بھی نہیں رہی، انکا رش والی جگہوں پر جانا بند ہو گیا تھا جسکی وجہ سے وہ حد درجہ تنہا محسوس کرنے لگی تھیں۔ گھر کے تمام لوگ انکی حالت کے پیش نظر ان کو توجہ اور وقت دینے کی کوشش کرتے مگر امّاں اس توجہ سے بھی اکتا جاتیں "جاؤ بھئی تم سب کیوں دماغ کھاتے رہتے ہو؟ ہمیں اپنا وظیفہ مکمل کرنا ہے" امّاں کے چڑ کر کہنے پر سب سہم کر وہاں سے ہٹ جاتے سوائے مریم کے۔ وہ امّاں کی باتوں پر بالکل بھی حوصلہ نہیں ہارتی انکی ڈانٹ کو بھی مسکرا کر سہتی جاتی "آپ اپنا وظیفہ مکمل کر لیں تب تک میں آپ کے کمرے کی ڈسٹنگ کر لوں" وہ مسکرا کر کہتے

ہوئے سائیڈ ٹیبل سے چیزیں ہٹانے لگتی اس دن بھی کچھ اسی طرح ہوا
"مجھے اب علاج نہیں کروانا" انکا مخصوص جملہ مریم کے کانوں سے ٹکرایا
وہ خاموشی سے ریک سے فالتو اشیاء ہٹا کر ڈسٹ بن میں ڈال رہی تھی اس
نے کوئی جواب نہیں دیا خاموشی سے اپنے کام میں لگی رہی "کاش کوئی
میری تکلیف کو سمجھنے والا ہوتا!" امّاں جانے کیوں نماز اور اذکار کی کثرت
کے باوجود اللہ کی ذات کو فراموش کر جایا کرتی تھیں کیوں انکے دل میں
یقین پختہ نہیں ہوتا تھا؟ مریم کرب سے سوچ کر رہ گئی
"امّاں! کیا اللہ نہیں ہے؟" وہ آہستگی سے انکے پاس آگئی اور انکا ہاتھ اپنے
ہاتھ میں لے لیا امّاں نے کوئی جواب نہیں دیا صرف دکھ بھری نظروں
سے اسے دیکھتی رہیں
"اسکے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں ناں؟؟ اپ بھی اسے بتاتی رہا کریں
وہ سمیع العلیم ہے وہ مجیب الدعا ہے اسے پکار کر مطمئن ہو جایا کریں وہ آپکو
کبھی برداشت سے زیادہ نہیں آزمائے گا، مومن کو ایک کانٹا بھی چبھ جائے
تو اسکے بدلے میں کوئی گناہ دھل جاتا ہے آپ سوچیں کہ آپ کے کون
سے درجات بڑھانے پر آمادہ ہے وہ رحمان؟ مگر آپ کو شکر اور صبر کرنا
ہے پہلے! اگر آپکی تکلیف کوئی محسوس نہیں کر رہا پھر بھی آپ کے ساتھ
اللہ کریم ہے اگر کوئی آپکی تکلیف کو محسوس کر رہا ہے تب بھی وہ اسی طرح
ہے آپکے پاس آپکے ساتھ۔ آپکے صبر کا قدردان آپکے شکر پر آپکی نعمتوں
کو بڑھانے والا مگر امّاں میری پیاری امّاں!!" مریم نے انکی آنکھوں سے

نکلتے آنسو کو انگلی کے پوروں میں سمیٹ کر انکے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا اسکا امتحان بھی کوئی کم مشکل نہیں تھا! "امّاں! صبر پہلی چوٹ پر قابل قبول ہے پہلی چوٹ پر "ہائے" نہیں "الحمد للہ" نکلے تو احسن عملا کی تفسیر بنتی ہے نا زندگی؟ تب تکلیف راحت میں ڈھلنے کے امکان پیدا ہو جاتے ہیں ورنہ تکلیف تو جھیلنی ہی ہے اور اجر بھی ہاتھ نہ آیا تو فائدہ کیا ہوا؟"

"الحمد للہ۔۔الحمد للہ۔۔الحمد للہ" امّاں نے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے کھینچا اور دونوں ہاتھ سے آنکھیں اور چہرہ صاف کیا" بے شک انسان ناشکرا ہے۔۔ میں نے بہت ناشکری کی ہے بہت ناقدری کی ہے، مگر اس بیماری میں مجھے واقعی نعمتوں کی قدر ہوئی مجھے تمہاری قدر ہوئی میری بچی" انہوں نے مریم کو اپنے قریب کر کے گلے لگالیا اور دوبارہ رو پڑیں

"مریم! بیٹا! مجھے معاف کر دینا میں نے تمہارا بہت دل دکھایا ہے پر تم نے میرا کتنا خیال رکھا کتنا ساتھ دیا اتنی بڑی نعمت کی قدر نہ کر سکی میں اللہ مجھے معاف کر دینا، اللہ مجھے معاف کر دینا" وہ زار زار رو رہی تھیں اور ایسے میں مریم اپنے آنسوؤں پر کیسے اختیار رکھتی؟

امّاں ڈاکٹر ساحرہ کے پاس جانے پر راضی ہو گئیں تھیں آج انکا اپائنٹمنٹ تھا نمبر لے کر مریم اپنی سیٹ پر بیٹھی ہی تھی کہ حیات اور بھابھی اندر داخل ہوئے بھابھی اسے دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائیں اور کاؤنٹر پر نمبر لینے آگے بڑھ گئیں "ہمارا آٹھواں نمبر ہے ابھی دوسرا گیا ہے ایک گھنٹے

سے کم تو نہیں لگے گا باری آنے میں، تمہارا تو ہمارے بعد ہی آئے گا" مریم حیات کے نزدیک چلی آئی حیات نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا

"او کے بیٹھ جاؤ یہیں اب بھابھی بھی آگئیں ہیں"

حیات نے مڑ کر امّاں کو دیکھا تب تک بھابھی نمبر لے کر واپس آگئیں وہ امّاں کے برابر میں بیٹھتے ہوئے انہیں سلام کر رہی تھیں امّاں نے سوالیہ نظروں سے مریم کی طرف دیکھا حیات بھابھی کے برابر والی کرسی پر بیٹھ رہا تھا" امّاں یہ حیات اور یہ اسکی بھابھی، حیات کا بھی کیمو چل رہا ہے اسے آپکی دعاؤں کی اشد ضرورت ہے"

"اللہ پاک آسانیاں عطا فرمائے" امّاں نے بہت دل سے دعا کی تھی

"جوس پیو گے حیات؟" مریم نے اس سے پوچھا پھر اسکے جواب کا انتظار کیے بغیر کینٹین کی طرف بڑھ گئی جوس کے دو ڈبے اور چپس کے دو پیک لے کر واپس آئی ایک پیک حیات کو تھما کر وہ خاموشی سے باہر نظر آنے والے ٹھنڈی ہوا میں تیرتے پرندوں کی دلکشی کو محسوس کرنے لگی۔ ہلکی پھلکی باتوں کے دوران اچانک اس نے حیات سے پوچھا

"زندگی کو کیسا پایا؟ بیماری سے پہلے اور بیماری کے بعد؟" حیات کی آنکھوں میں ان گنت رنگ ایک ساتھ ابھرے اور معدوم ہو گئے مریم کا سارا جسم سماعت کا کام دینے لگا۔۔۔

"کھویا ہی کھویا ہے۔۔۔ پایا کیا ہے؟؟" دھواں دھواں آنکھوں کے ساتھ

اسکے جواب مریم کو مسکرانے پر مجبور کر دیا

"تم صرف غور کرنا آج کہ تم نے کیا پایا ہے ؟ یہ تکلیف تو محض ایک امتحان تھی اور تم آج ذرا یہ حساب لگانا کہ اس امتحان میں تم نے کتنے مارکس لیے ہیں" مریم نے مسکراتے ہوئے وٹینگ روم میں بیٹھے افراد پر ایک طائرانہ نظر ڈالی حیات خاموش رہا

" یہاں مجھ سمیت تم اور جتنے لوگ بیٹھے ہیں سب ہی کسی نہ کسی الجھن میں ہیں۔۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ کوئی بھی ہسپتال شوق سے آتا ہو گا؟" اسکی سوالیہ نظروں کے جواب میں حیات نے پر سوچ نگاہ وٹینگ روم میں بیٹھے فکر منداور ڈاکٹر کے منتظر لوگوں پر ڈالی، کچھ ایسے بھی تھے جو فکر منداور اداس لوگوں سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے ہوئے شاید انکے غم کو کم کر رہے تھے یا انکا بوجھ بانٹنے کی ادنی سی کوشش میں مصروف تھے

"سچ ہی ہے کہ اللہ جل شانہ کی انسانوں پر چار رحمتیں ایسی ہیں جو انسان سے برداشت نہیں ہوتی 1 بیٹی 2 مہمان 3 بارش اور 4۔۔۔۔" ایک لمحے توقف کے بعد مریم نے کہا" اور 4 بیماری۔" مریم کی آواز پر حیات کی نگاہ پلٹی اور مریم پر جم گئی" بیماری۔۔ رحمت ؟؟؟" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو اپنے دماغ کا علاج کروائیں

" بالکل" وہ ہنس پڑی" اور یہ میں نہیں کہتی یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بیماری بھی خیر ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بیماری کی وجہ سے انسان کے گناہ ایسے معاف ہوتے ہیں جیسے موسم

خزاں میں درختوں سے پتے جھڑتے ہیں"
"یعنی بیماری گناہوں کی سزا کی صورت میں آتی ہے؟؟ کئی دنوں سے حیات کے ذہن میں اٹھتا سوال آج اچانک ہونٹوں کی راہ پا گیا تھا مریم نے چونک کر اسے دیکھا۔
"حیات! میں نے کہیں پڑھا تھا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے کسی خاص بندے کو اپنے ہاں ایک اعلیٰ اور خصوصی مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں، لیکن وہ قلتِ اعمال یا کسی اور سبب سے اس مقام پہ نہیں ہوتا، تو اللہ رب العزت اسے کسی بیماری میں مبتلا فرما دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس مقام کو جا پہنچتا ہے۔۔۔اچھا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ اللہ پاک ٹوٹی پھوٹی چیزوں سے کتنے عمدہ کام لیتا ہے؟" مریم نے سوالیہ نظریں اس پر ڈالیں وہ صرف الجھیے انداز سے مریم کو دیکھ رہا تھا" مثلاً جب بادل پھٹتے ہیں تو بارش برستی ہے بنجر زمین کو رونق ملتی ہے، بیج ثابت ہوتا ہے تو کیا کام دیتا ہے؟ جب اللہ کے حکم سے ٹوٹتا ہے تب ہی نئے پودے کو زندگی ملتی ہے، درد کے بغیر کوئی تخلیق نہیں انسان تو تمام مخلوقات میں سے اشرف ہے تو سوچو کہ اسکا درد کیا کمال دکھاتا ہوگا؟ اسکی ٹوٹ پھوٹ کا مقصد کتنا عظیم ہوتا ہوگا؟؟ تم آج بیمار ہو کل ٹھیک ہو جاؤ گے انشاءاللہ
تو یہ اس لیے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے، یقیناً اللہ سُننے والا اور جاننے والا ہے
اس بیماری میں تم نے بہت سے لوگوں کو پہچانا ہوگا، کھرے اور کھوٹے کی

پہچان ہوئی ہو گی محبت اور محبت کے ڈھونگ میں فرق پتہ چلا ہو گا"(اچھا؟ پھر تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے محبت میں چاند تاروں کی فرمائش کروں گی؟۔۔ یہ تو جان لیوا بیماری ہے۔۔ڈاکٹرز کا تو کام یہی ہے یہ انکی روٹی روزی ہے تمہیں حوصلہ نہیں دیں گے تو انکی جیب کیسے وزنی ہو گی؟؟")
حیات کے کانوں میں کسی کی تضحیک آمیز نفرت بھری آواز گونجی تھی(اور اگر مجھے یہ بیماری نہیں ہوتی تو کیا میں جان پتا اسکی حقیقت؟)"اور بہت کچھ تمہیں سوچنا چاہیے کہ کیا ملا ہے؟ تم اپنے انعامات پہچانو"(کوئی ضرورت نہیں غمزدہ ہو کر وقت برباد کرنے کی یوں سمجھو اللہ پاک نے چھوٹی تکلف دے کر بڑی تکلف سے بچا لیا ہے، تم اپنے اچھے برے کا وہ حساب رکھ ہی نہیں سکتے ہو جو تمہارا رب رکھ سکتا ہے")واقعی کیا انعامات کی کوئی انتہا کی ہے مجھ پر میرے مالک نے؟
"ابھی مریم کی بات ادھوری ہی تھی کہ امّاں کا نام پکارا گیا"اوہ ہمارا نمبر آ گیا ہے حیات! باقی باتیں بعد میں انشاءاللہ"مریم امّاں کا ہاتھ تھام کر اندر جانے کے لیے اٹھ گئی۔حیات پر ایک جمود سا طاری تھا وہ بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔
ڈاکٹر کو دکھا کر جب وہ واپس آئے تب بھی مریم کی باتیں اسکے ذہن میں بازگشت بن کر ٹکراتی رہیں رات بھر اسے نیند میں کوئی بار بار کہتا رہا"تو یہ اس لیے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے، یقیناً اللہ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔تم اپنے انعامات پہچانو"

رات کے جانے کس پہر اسکی آنکھ کھلی تھی اس نے اپنے موبائل پر ٹائم دیکھا پونے پانچ بج رہے تھے ابھی فجر میں تقریباً گھنٹہ سے زیادہ تھا مگر پتہ نہیں کیوں اسکا دل چاہا کہ اٹھ کر نماز پڑھے، اس نے اٹھ کر وضو کیا پھر جانماز پر کھڑے ہوتے ہی دل بھر آیا "اپنے انعامات پہچانو" بس ایک ہی تکرار تھی۔۔ کھرے کھوٹے کی پہچان۔۔ محبت اور محبت کا ڈھونگ۔ زندگی کے کتنے رنگ نظر آئے تھے اسے چند ماہ میں "محبت تو اللہ تیری ہی خالص تھی" دعا کو ہاتھ اٹھائے تو بے اختیار اعتراف شکست کرنے لگا آج کوئی ثمین اسکے اور رب کے درمیان نہیں تھی دنیاوی محبت کا بوجھ اس سے ہٹ چکا تھا وہ ان خوش نصیبوں میں تھا جن پر تکالیف آزمائش بن کر آتی ہیں اور رحمت بن کر چھا جاتی ہیں عذاب کی صورت مسلط نہیں کر دی جاتیں وہ راہ تلاش کرنے والوں میں شامل ہو رہا تھا نور ہدایت انہی کو ملتا ہے جو طلب رکھتے ہیں "اس بیماری سے شفا کی طرف راستہ بہت تکلیف دہ ہے مگر جسمانی تکلف سے بڑھ کر روحانی تکلیف دل کی ٹوٹ پھوٹ، دل کی ٹوٹ پھوٹ نے کیا عطا کیا ہے مجھے؟ ہر ضرب پر ایک شعاع ایک کرن نے دل کو منور کیا تھا" نہیں تو گناہوں پر حساب نہیں لیتا تو تو صرف اپنی طرف بلاتا ہے تیری رحمت نہ ہو تو کہاں جائیں ہم؟ سب منظر واضح ہو گئے ہیں "اسکے کانوں میں کوئی آواز آ رہی تھی بہت دھیمی بہت معدوم وہ چہرہ صاف کر کے اٹھا اور آواز کے پیچھے چل پڑا اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا ہلکی ہلکی اذان کی آواز آ رہی تھی لاؤنج میں بھابھی جانماز پر بیٹھی کوئی

کتاب پڑھ رہی تھیں

اللھم اجعل فی قلبی نورا

وفی بصری نورا وفی سمعی نورا

اسے سمجھ میں تو نہیں آیا مگر بھابھی کے پڑھنے کے انداز نے اسے وہیں روک لیا وہ عقیدت سے بھابھی کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا بھابھی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا شفیق مسکراہٹ کے ساتھ جیسے اسکی دل کی کیفیت سمجھتے ہوئے دوبارہ پڑھنے لگیں

اللھم اجعل فی قلبی نورا

وفی بصری نورا وفی سمعی نورا

اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے

اور میری بصارت اور سماعت میں نور ہو

وعن یمینی نورا وعن یساری نورا

وفوقی نورا و تحتی نورا

اور میرے دائیں اور بائیں نور ہو

اور میرے اوپر اور نیچے نور ہو

دعا مکمل کرنے کے بعد بھابھی نے حیات کی طرف دیکھا اسکا چہرہ آنسوں سے تر تھا

"اللہ پاک تمہیں اپنے نور سے منور رکھے ہمیشہ"

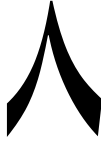
"الھم اعطنی نورا" بھابھی کی دعا پر وہ چہرہ صاف کر کے مسکرایا روشن

مسکراہٹ سے اسکا چہرہ جگمگا رہا تھا" بھابھی مجھے آج یونیورسٹی جانا ہے بہت نقصان ہو چکا اب مزید نہیں" دونوں کی آنکھیں نم تھیں احساس تشکر سے۔

اوپر کہیں بہت اوپر آسمانوں میں ہلچل تھی فرشتوں کے اوقات کار کے تبدیل ہونے کا وقت تھا دنیا سے آنے والے فرشتے دنیا کے دو انسانوں کی شکر گزاری کی خبر لائے تھے اور جانے والے فرشتوں نے دو انسانوں کی شکر گزاری رقم کی تھی انکے احساس تشکر پر انہیں قدر دانوں میں لکھ لیا گیا تھا اب نعمتوں میں اضافہ، مراتب میں اضافہ یقینی تھا۔ان شاءاللہ

—





رستہ بھول نہ جانا

ایڈریس تو یہی تھا۔ہاتھ میں پکڑے اخبار کے ٹکڑے کے ساتھ ایڈریس ملاتے ہوئے عینی نے سوچا اور اخبار کا ٹکڑا ہینڈ بیگ میں ڈال کر آگے بڑھی ۔جہاں جینز اور کرتے میں ملبوس نہایت انہماک سے ہاتھوں میں پائپ لیے وہ شخص گرے ہنڈا سوک کی دھلائی میں مصروف تھا۔

ایکسکیوز می !اس نے پلٹ کر سیاہ چادر میں لپٹے وجود کو حیرت سے دیکھا جس کی آنکھیں شاذ کو دیکھنے کے بعد تقریباً ابل پڑی تھیں۔

جی مس! شاذ نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔وہ۔یہ۔کیا یہ مسز اکرا

م کا گھر ہے ؟اس نے سر سے پھسلتی چادر کو دوبارہ سر پر جمایااور خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے تھوک نگل کر بمشکل کہہ سکی۔

جی۔شاذ پائپ نیچے ڈال کر بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ۔میں نے ان سے فون پر بات کی تھی۔انہوں نے آج مجھے بلایا تھا۔اب وہ خود کو سنبھال چکی تھی اور خاصے پر اعتماد انداز میں مخاطب تھی۔مگر شاذ کو اس کا بری طرح چونکنا کھٹک گیا تھا۔

آپ کی تعریف ؟وہ اب تک اس کا بغور جائزہ لینے میں مصروف تھا

قرۃالعین۔جس قدر بے اختیاری میں اس۔۔۔اپنا نام بتایا تھا اسی بے اختیاری سے ہونٹ دانتوں میں دبا لیے تھے اور شاذ کا چہرہ لمحے بھر کو تاریک ہوا تھا۔

میں بچوں کے لیے گورنس کے سلسلے میں ہوں۔اس نے تیزی سے وضاحت کر دی تھی۔

آپ اس طرف سے اندر چلی جائیں۔وہ بیزاری سے ایک سمت اشارہ کر کے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تو وہ اندر بڑھ گئی۔(کاش قرۃالعین احمر! میں کسی دن تمہیں اسی طرح اپنے مقابل دیکھ سکتا)شاذ کا جوش ختم ہو چکا تھااور وہ بیزاری سے کام سمیٹ رہا تھا۔

یااللہ! یہ کیا ہو گیا؟ میں تو پھنس گئی اور اگر یہاں کسی نے مجھے پہچان لیا تو؟ عینی نے ویل ڈیکوریٹڈ ڈرائینگ روم کا سرسری جائزہ لیتے

ہوئے پریشانی سے سوچا۔چند لمحوں بعد وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی ایک خاتون اندر داخل ہوئیں۔

السلام علیکم۔عینی دل میں اضطراب لیے کھڑی ہوگئی اوران کے تاثرات کابغور جائزہ لینے لگی۔

وعلیکم السلام۔آپ قرۃالعین ہیں؟تشریف رکھیے۔ان کے چہرے پر آشنائی کی کوئی رمق نہ دیکھ کر وہ قدرے پر سکون ہو کر بیٹھ گئی۔

آپ کی رہائش کہاں ہے؟مسزاکرام نے گویاانٹرویوشروع کرتے ہوئے پوچھا۔

فی الحال تو یہیں ہے۔اسلام آباد میں۔اس نے جواب دیا

فی الحال؟مسزاکرام نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

میں یہاں اپنے انکل کے ساتھ رہتی ہوں۔

اس کے مبہم سے انداز پر مسزاکرام نے قدرے حیرت سے اس کے جھکے سر کو دیکھا

اور آپ کے پیرنٹس۔وہ کہاں ہیں؟آپ کو اس طرح کی جاب کی ضرورت کیوں پیش آئی میرا مطلب یہ ہے کہ آپ تو خاصے اچھے گھرانے کی لگ رہی ہیں پر یہ آیاگیری؟دوسری بات جو سب سے اہم ہے وہ یہ کہ یہ فل ٹائم جاب ہوگی۔آپ کر سکیں گی؟(پیرنٹس،پیرنٹس پیرنٹس۔ہر تیسرے فرد کے منہ سے نکلنے والا پہلا سوال یہی ہوتا ہے۔ میری اپنی ذات اور شخصیت لمحے بھر میں کس قدر چھوٹی اور غیر اہم ہو

جاتی ہے) سلگتی سوچوں کے ساتھ اس نے سر اٹھایا اور مسلم اکرام کی آنکھوں میں جھانکا۔

میرے پیرنٹس اس دنیا میں نہیں ہیں۔ وہ نہایت سفاکی سے کہہ گئی۔

اور جاب کی ضرورت مجھے اس لیے پیش آئی تاکہ میں لوگوں پر بوجھ نہ بنوں۔ میں نے بہت سی جاب ڈھونڈی تھیں۔ ایک دو جگہ کام بھی کیا مگر میرا رہائش کا مسئلہ حل نہیں ہوا اسی لیے آپ کے پاس آئی ہوں۔ میری اپنی خواہشات ضروریات بہت محدود ہیں۔ میرا کوئی ایسا شوق نہیں جو آپ کے لیے مسئلہ پیدا کرے اس لیے فل ٹائم جاب میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔ مسز اکرام اس کے پر اعتماد انداز سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

مگر تم بہت کم عمر لگ رہی ہو۔ بچوں کو ٹیکل کر لو گی؟ انہوں نے غور سے عینی کو دیکھا تو وہ مسکرا دی۔ خاصی غلط فہمی ہے آپ کو۔ میری عمر بائیس سال ہو چکی ہے اور بچوں کو ٹیکل کرنے کے لیے صرف ان کی سائیکالوجی سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی ۔ وہ اب پر سکون ہو کر اپنے مخصوص انداز میں بات کر رہی تھی۔

ہوں۔ ویری گڈ۔ تمہاری ایجوکیشن کہاں تک پہنچی ہے؟ ان کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اب خاصی مطمئن ہو چکی ہیں۔

بی۔ اے کر چکی ہوں ایم اے میں ایڈمیشن لیا تھا مگر کچھ پرابلمز کی

وجہ سے مکمل نہ کر سکی۔

ہوں۔ ٹھیک ہے میں تمہیں اپنے بچوں سے ملوا دیتی ہوں اور میرا خیال ہے کہ تمہاری موجودگی میں مجھے ٹیوٹر رکھنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی اس بات پر وہ مسکرا کر رہ گئی۔

شیزی! ادھر آؤ۔ انہوں نے اندر آتے شاذ کو آواز دی۔

جی آپی، وہ اپنی آستینیں کھول رہا تھا جو پانی میں تر بتر تھیں۔

یہ میرا چھوٹا اور بے حد لاڈلا بھائی ہے شاذ۔ اپنے کام کی طرح اسے کچھ انوکھا کرنے کا بہت زیادہ شوق ہے اسی لیے پاپا کے ساتھ بزنس میں پڑنے کے لیے وکالت کر رہے ہیں جناب (لیکن اس کا پورا نام تو کچھ اور تھا) عینی نے رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

انوکھا! ہونہہ۔ پلیز آپی! آب آپ سارے انوکھے واقعات مت سنا دیجیئے گا انہیں۔ آپ بتایئے کہ مجھے کیوں بلایا ہے۔ شاذ نے انتہائی بیزاری سے کہا تو عینی نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ (صرف نام سن کر۔۔۔۔ کی بیزاری کا یہ حال ہے اگر اسے یہ معلوم ہو۔۔۔۔ کہ میں وہی ہوں تو؟(

ہاں۔ شیزی! چندا ذرا سعد، احمد اور فرح کو میرے پاس بھیج دو۔ ان کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی سے کس قدر محبت کرتی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں بچوں کے ساتھ دوبارہ واپس آ گیا۔

سعد بیٹا! ادھر آیئے۔ انہوں نے آٹھ سالہ بچے کو اشارا کیا۔

جی مما۔ وہ نہایت تابعداری کے ساتھ ان کے پاس آ گیا۔

بیٹا! یہ آپ لوگوں کی نئی ٹیچر ہیں۔ مس قرۃ العین۔ آپ لوگ ان سے اپنی ساری پرابلمز شیئر کر سکتے ہیں۔

ہیلو مس! اس نے مسکرا کر ہاتھ بڑھایا۔

مس نہیں۔ آپی۔ میرا ابھی ایک بھائی تھا بالکل آپ کے جیسا۔ وہ مجھے عینی آپی کہتا تھا اس نے سعد کا ہاتھ تھام لیا۔

کیا نام ہے ان کا۔ سعد نے معصومیت سے۔۔۔۔اس کے کون کون سے زخم ادھیڑ ڈالے۔

اس کے لبوں پر آہ کی صورت میں یہ نام آیا "جذبی"

اور بیٹا آپ کا نام کیا ہے؟ عینی نے دوسرے کو مخاطب کیا۔

احمد ہیلو آپی! وہ سعد کے مقابلے میں کافی شریر لگ رہا تھا۔

اور آپ فرح ہیں؟ ٹھیک؟ عینی احمد سے ہاتھ ملا کر فرح کی طرف مڑی۔

جی آپی! مائی نیم از فرح۔ چار سالہ فرح نے تیزی سے کہا تو مسز اکرام اور ایک طرف بیزار سے کھڑے شاذ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھکر گئی۔

ویری گڈ۔ آپ دونوں بہت زیادہ اچھے بچے ہیں بھئی۔ اب ہم لوگوں کی دوستی پکی ٹھیک۔ اس کی مسکراہٹ پر سب نے سر ہلا دیا۔

ٹھیک ہے بیٹا! اب آپ لوگ اندر جائیں۔ مسز اکرام نے کہا تو وہ تینوں بہت فرمانبرداری کے ساتھ اندر چلے گئے۔

یقین کیجیئے عینی ! یہ تینوں خاص کر احمد اور فرح اتنے شریف ہر گز نہیں جتنے نظر آرہے ہیں۔وہ خاصی عاجز لگ رہی تھیں۔

دوسرے کے سامنے ویل سینزڈ نظر آنے کا جذبہ تو بڑوں میں بھی ہوتا ہے مثلاًضروری نہیں کہ میں گھر میں بھی اتنی ہی پولائٹ (Polite) ہوں جتنی اس وقت آپ کو نظر آرہی ہوں۔وہ ایک انداز سے مسکراتی ہوئی اٹھی تو شاذ نے نہایت جانچتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

اوکے میڈم اب میں چلوں گی۔خدا حافظ۔وہ مسز اکرام سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

تم مجھے مہر آپی کہہ سکتی ہو۔وہ مسکرائیں۔

میں نے جو رعایت بچوں کے ساتھ کی اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی گورنس اور ٹیچر کی حیثیت سے میر ان کے نزدیک آنا ضروری ہے۔
آپ کی رعایت کیوجہ پوچھ سکتی ہوں ؟عینی نے سوالیہ نظریں ان پر گاڑی تھیں۔

تم مجھے بہت اچھی لگی ہو اس لیے انہوں نے سادگی سے جواب دیا

۔

حیرت ہے وہ گہری سانس لے کر رہ گئی

یوں پہلی ملاقات میں کسی کو کیا بات اچھی لگ سکتی ہے بھلا؟ بہر حال کسی سے اتنی جلدی متاثر نہ ہوا کریں۔بہت سی الجھنوں سے بچ جائے

گی۔ خدا حافظ عینی پلٹ کر باہر نکل گئی۔

تمہیں نہیں لگا شیزی! اس عام سی لڑکی میں کچھ خاص بات ہے۔ اس کے جانے کے بعد مہر شاذ سے مخاطب ہوئیں۔ جواب تک کسی سوچ کے زیر اثر اس دروازے کو تک رہا تھا جہاں سے عینی باہر گئی تھی۔

ہوں۔ شاید اس کی بولڈ نیس۔ ویسے آپی! اس کی ناک میں چمکتی ہیرے کو لونگ گواہ تھی کہ اس کا تعلق خاصی ویل آف فیملی سے ہے۔ اسے ایسی نوکری کی کیا ضرورت آپڑی ہے؟ وہ اب تک جیسے کسی کڑی سے کڑی ملانے میں مصروف تھا۔

توبہ شہزی! تم کس قدر غور سے جائزہ لے لیتے ہو ایک بار میں ہی۔

ہیرے کی لونگ! ویسے میں نے پوچھا تھا۔ مگر وہ ٹال گئی۔ خیر دیکھتے ہیں۔ انہوں نے ہاتھوں زور ڈال کر وہیل چیئر موڑی تو شاذ نے آگے بڑھ کر وہیل چیئر تھام لی۔

ارے ارے۔ یہ مائیوں والا حلیہ بنا کر تم کہاں گئی تھیں اسٹوپڈ گرل؟ زویا نے حیرت سے اسے سر سے پیر تک دیکھا تھا۔

آیا گیری کے لیے انٹرویو دینے۔ عینی نے چادر اتارتے ہوئے گویا اسے چڑایا

تو کیا تم سمجھتی ہو کہ یوں سر سے پیر تک چادر لپیٹ کر اور ایسے بالوں کو کھینچ کر چٹیا بنا کر تم لوگوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاؤ گی؟ وہ

سچ مچ چڑ گئی۔

آف کورس! عینی مسکراتے ہوئے آستینیں فولڈ کرنے لگی۔

ایسی کوئی پری چہرہ بھی نہیں ہوں میں کہ لوگ صورت سے ہی میرا بیک گراونڈ جان لیں۔ پچھلے کئی ماہ سے تو کلینزنگ تک نہیں کی ہے میں نے چہرے کی۔ وہ تھکے تھکے سے انداز میں بیڈ پر گر گئی تو لمحے بھر کو زویا خاموش سی ہو گئی۔

کلینزنگ اور فیشل جیسی چیزیں۔۔۔۔۔ضروریات میں شامل ہوں وہ آیا گیری کر سکے گی کچھ دیر بعد زویا نے کہا۔

اپنی صلاحیتوں کو آزمانے ہی تو نکلی ہوں۔۔۔۔۔۔نے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

آج غضب کی دھوپ پڑ رہی ہے۔ سر میں درد ہو گیا گرمی وجہ سے۔

ہونہہ۔اے سی کار میں ڈارک کلاسز استعمال کرنے والی اکھڑ اور بد دماغ لڑکی جو پچھلے چھ ماہ میں نہایت پر کشش جاب چھوڑ چکی ہے۔نہایت معمولی باتوں پر۔اب اپنی صلاحیتیں آزمائیں گی لوگوں کے بچے پالیں گی اور بچوں کی اماں کا پھٹکار سنیں گی۔ہاہاہا اس سے اچھا لطیفہ میں نے پوری زندگی میں نہیں سنا۔زویا تمسخرانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔عینی ہاتھوں کو پیچھے گردن پر لے جا کر چپ چاپ دیکھ رہی تھی۔

مت دیکھو ایسے مجھے بالکل ترس نہیں آئے گا تم پر۔اچھی خاصی

ریسپشنسٹ کی جاب مل گئی تھی تنخواہ بھی معقول تھی مگر دو ماہ بعد تم چھوڑ دی صرف اس لیے کہ ایک غلط میسج کنوے کرنے پر تمہیں تمہارے باس نے چھاڑ پلا دی تھی۔ عقل نام کی چیز تو ہے نہیں تمہارے پاس آیا گیری کریں گی محترمہ۔ ایسا ہی شوق تھا تو صبر کیا ہوتا۔ کچھ عرصہ اپنے بچے پال رہی ہوتیں تم۔ اس بے چارے خاصے لائق فائق اور ڈیسنٹ انسان کے ساتھ جو سلوک ہوا ہے۔ اس کی تو سات پشتیں شادی نہ کریں گی۔ مارے غصے کے زویا ایسی بات کر گئی کہ بے اختیار ہی عینی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

شادی سے توبہ کے بعد بھی سات پشتیں یاد رکھیں۔ گریٹ ویسے زویا! تمہیں اس لائق فائق ڈیسنٹ انسان کا نام یاد ہے۔ اسے اچانک یاد آیا۔

کیوں آپ بھول گئی مسز خرسند شاذ تلخ انداز پر عینی ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی پھر کچھ کہے بغیر سر جھٹک کر روم کی سمت بڑھ گئی۔

☆☆☆☆

ہمارے گھر پہ جتنی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں ان کی وجہ تم ہو تم۔ سمجھیں زوردار دھاڑ پر شع۔۔۔۔

مم مگر میں نے کیا کیا ہے شیزی بھائی؟ آپ مجھ سے کیوں خفا رہتے ہیں۔ میں نے تو کبھی کسی بات پر بھی احتجاج نہیں کیا۔ وہ سسکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔

تو کیوں نہیں کرتیں تم احتجاج؟ اس نے سامنے سامنے کرسی پر

زور سے پیر مارا تو وہ عین شمع کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔

تمہاری یہ مظلومیت ہم سب کو جہنم کا ایندھن بنا دے گی۔

تمہیں احساس ہے؟ حالانکہ میری نظروں میں تم سب سے بڑی ظالم ہو۔ جو ظلم سہتا ہے وہ ظالم سے بڑا ظالم ہے سمجھیں تم؟ اب اس نے سنیٹر ٹیبل کا گلاس اٹھا کر دیوار پر دے مارا وہ ایک چھناکے سے ہو گیا۔

شیزی! سٹاپ اٹ۔ ریلیکس ہو کر بات کرو۔ تم اپنے ساتھ اس بے چاری کو بھی پاگل کر دو گے۔ مہر النساء نے اسے ٹوکا دیا۔

بے چاری! طنزیہ نظریں اس کے لرزتے وجود پر ڈالیں اور تمسخر سے مسکرایا۔

اس کی بے چارگی کھا گئی ہماری فیملی کو۔ ہم تین بہن بھائی تھے آپی! مگر ہم میں سے کون سکھ کی گھڑی دیکھ پایا۔ زلفی پہلے بری صحبت میں پڑا بری عادت کا شکار ہوا پھر ڈرگز ایڈکٹ ہو گیا۔ اپنی رگوں میں اپنے ہاتھوں زہر اتارنے لگا۔ پھر ہمارے والد صاحب۔۔۔ بزنس ٹائیکون حیدر خان کو علم ہوا تو انہوں نے اس کا علاج شروع کروایا۔ اس کو شہر کے سب سے بڑے ہسپتال میں ایڈمٹ کروایا مگر وہ وہاں سے فرار ہوا اور شہر کی سڑکوں پر گندے نالوں، بدبودار علاقے میں اپنی رگوں میں انجکشن لگانے کی کوشش میں گوشت میں لگا لیا اور

شیزی! چپ ہو جائے۔ خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ مت کرو ایسی باتیں۔ مت دہراو مت دہراو۔ مہر کانوں پر ہاتھ رکھ کر چیخ پڑی تھی۔

دہراوں گا۔ایک بار نہیں ہزار بار دہراوں گا۔ میں نے پانے
چہیتے بھائی کواس گندگی اور غلاظت کے ڈھیر پر بے گور وکفن لاش کی
صورت میں دیکھا ہے۔ اسے اپنے ہاتھوں سے منوں مٹی تلے اتارا ہے ایک
ایک منظر میرے دل پر نقش ہے آپی ! میری راتیں بے خواب ہیں۔
میری نیندیں پریشان ہیں۔ میرے بھائی کے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ بھری
جوانی میں آپ بیوہ ہو گئیں کیوں آپ کا سہاگ اس طرح اجڑ گیا۔ کیوں
زندگی بھر کی معذوری آپ کا مقدر ٹھہری ؟اور پھر میرے ساتھ ایسا کیوں
ہوا؟ کتنا چاہا تھا میں نے کہ اس لڑکی کو اپنا شریک حیات بنا کر اس کا حق اور
انصاف دلاؤں۔اس لیے نہیں کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی بلکہ اس
طرح میں اپنے والدین اور خود اپنی ذات کو وبال سے بچانا چاہتا تھا۔اللہ کے
قہر سے ڈرتا تھا میں ورنہ ایسی احمق اعظم سے کوئی محبت کر سکتا ہے ؟ مگر
میری والدہ شمانہ حیدر خان کو میرا یہ فیصلہ قبول نہ ہوا۔

میرے بیٹے کے لیے کیا یہی رہ گئی ہے ؟نہ عقل ہے نہ شکل۔
ارے میں ایسی جگہ سے لاوں گی تمہاری دلہن کہ دنیا دیکھے گی۔

اور واقعی دنیا نے دیکھا اور اب تک دیکھ رہی ہے کہ کیسا
زبردست طمانچہ پڑا ہے تکبر اور غرور کے چہرے پر واہ۔ واہ وہ زہر خند ہنسی
ہنس رہا تھا۔ مہر اور شمع چپ چپ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں۔

اس سارے قصے میں میرا کیا قصور تھا؟ لیکن سزاوار میں ٹھہرایا
گیا ہر آنکھ میں میرا تعارف یہی ہوتا ہے کہ یہ ہے وہ جس کی بیوی نکاح کے

بعد رخصتی سے ایک ہفتے پہلے فرار ہو گئی تھی۔اس سارے حالات کا ذمہ دار کون ہے میرا آپ کا زلفی کا جرم کون ہے؟ کون؟ بڑے بڑے سوالیہ نشان تمام رات اور دن میں میری آنکھوں کے سامنے چکراتے رہتے ہیں اور میں ان کے جوا جانتے ہوئے بھی خاموش رہتا ہوں۔ مگر اب نہیں۔

اس نے ایک لمحہ کے لیے رک کر تھوک نگل کر حلق تر کیا اور شمع کی طرف دیکھنے لگا۔

میری باغ غور سے سنو شمع! میری زندگی کا بس ایک مقصد ہے تمہاری تمام جائیداد تمہیں واپس دلانا اور اس کے لیے تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا ورنہ میں قبر تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ سمجھی۔ وہ اس کا جواب سنے بغیر دھب دھب کرتا باہر نکل گیا۔

آپی! آپ یقین کیجئے مجھے کچھ واپس نہیں چاہیے۔ میں بہت خوش ہوں مجھے آپ لوگوں کا خلوص اور پیار مل جائے بس کافی ہے مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ شمع آگے بڑھ کر مہر کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر نیچے بیٹھ گئی

۔

جانے کیا صحیح ہے اور کیا غلط مگر شیزی کی بات میں بہت وزن ہے شاید اسی میں ہم سب کی بہتری ہو۔

خاک بہتری ہے۔ جانے کیسے بیٹے ہیں اس عمر میں اپنے والدین کو کورٹ کچہری کے چکر لگوانا چاہتے ہیں۔ کچھ کہو تو خونخوار اور خون آشام نگاہوں سے دیکھ کر ناخن تیز کرنے لگتے ہیں۔ اتنے خوفناک کیوں ہو گئے

ہیں شیزی بھائی؟اس نے انتہائی کی معصومیت سے مہر کو دیکھا۔

کچھ توجہ رہی ہو گی اس پر کم تو نہیں گزری ہے مہر نے اس کے سادہ چہرے پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے گہری سانس لی تھی۔

☆☆☆☆☆

عینی! خدا کا واسطہ ہے تمہیں۔اب سو جاو ایک تو اس عمر میں تمہیں جوگ لینے کی پڑ گئی ہے زویا نے کتاب بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور پچھلے آدھے گھنٹے سے نماز میں مشغول عینی سے مخاطب ہوئی۔

behave your selfعینی نے پلٹ کر سخت لہجے میں زویا کو مخاطب کیا۔وہ دعا سے فارغ ہو گئی تھی۔

یہ جوگ نہیں فرض ہے اور فرائض کی ادائیگی کے لیے یہ آئیڈیل ایج ہے۔

اور اسی طرح والدین کی نافرمانی بھی گناہ ہے۔ان کے احکامات ماننا بھی فرض ہے۔زویا نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

اور اپنے حقوق تو شاید اللہ معارف بھی کر دے مگر بندوں کے حقوق کی طرف سے کوئی رعایت ملنے کی امید نہیں رکھنا۔تم کیا سمجھی ہو، یہ اتنی آسانی سے تم اپنے گناہ بخشوانے میں کامیاب ہو جاو گی؟اس عینی کو لوگ ابھی بھولے تو نہیں ہوں گے جو سگریٹ کے کش پر کش لگایا کرتی تھی۔فاسٹ میوزک پر رقص کیا کرتی تھی اور ماں باپ کی اہمیت جس کی نظر میں بس اتنی تھی کہ کبھی دو تین دن بعد ملاقات ہونے پر ہائے مم اور

ہیلو ڈیڈ کہہ لیا جائے اور جو اپنے اسٹوپڈ اور بزدل عاشق کی خاطر اپنے قانونی وشرعی شوہر کو چھوڑ کر بھاگ گئی۔

شٹ یور ماو تھ زویا۔ وہ زویا کی بات کاٹ کر چیخ کر بولی۔

میں کسی عاشق واشق کی خاطر گھر چھوڑ کر نہیں آئی۔ میں صرف مما کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ میں کوئی پرانا فرنیچر نہیں ہوں جسے کسی بھی دوکان پر بیچ کر وہ اپنی مرضی کے پیسے کھرے کر سکتی ہیں۔ میں کوئی قابل استعمال شے نہیں ایک جیتی جاگتی لڑکی ہوں۔ باشعور ہوش مند۔

باشعور اور ہوش مند! خوب بہت خوب۔ مگر قرۃ العین احمر! تم تو نہ گھر کی رہیں نہ گھاٹ کی۔ آج صبح آپ کے سو کالڈ شجاع صاحب کا فون آیا تھا انہیں پتہ ہے کہ آپ یہیں ہیں ہمارے پاس۔ کیونکہ اس دنیا میں آپ کی واحد مخلص دوست میں ہی ہوں۔ زویا کے لہجے میں تمسخر تھا۔

I damm care ویسے بھی میں کل یہاں سے بھی چلی جاوں گی اور تمہارے احسانوں کے بوجھ سے بھی آزاد ہو جاوں گی کوشش کروں گی کہ آئندہ تمہیں پریشان نہ کروں۔ وہ جاء نماز اور چادر تہہ کر کے بیڈ پر آ گئی۔

میں اب بھی کہوں گی عینی! کہ تم سوچ لو آخر تم کیوں ایسی واہیات نوکری کرنے پر مصر ہو؟ زویا نے موڑ کر عینی کو دیکھا۔

سچ بتاوں زویا! میں چاہتی ہوں کہ میں کسی جذبی کو انا کے ہاتھوں سے بچا لوں۔ کوئی اور عینی پیارے بھائی کو بے بسی سے تڑپتا دیکھ کر اپنی

چیخیں اپنے اندر گھوٹنے کی کوشش نہ کرے۔ میں چاہتی ہوں کہ کسی ایک گھر میں عینی اور جذبی بچ جائیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔ زویا نے بے اختیار ہی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

☆☆☆☆☆

عینی ! یہ میں کیا سن رہا ہوں ؟ افتخار علی نے حیرت سے اسے دیکھا ان کا چاول سے بھرا چمچہ منہ سے ذرا فاصلے پر رک گیا تھا۔

میں نے جاب ڈھونڈ لی ہے اور اب میں وہیں رہوں گی۔ عینی نے زویا کی تائید کر دی تو انہوں ن ے چمچ پلیٹ میں پٹخ دیا۔

مستقل !

جی فی الحال تو مستقل ہی۔ وہ بہت سکون سے کھانے میں مصروف تھی اسی سے قطعی بے نیاز کہ وہاں موجود ہستیوں کا کھانا مٹی ہو گیا ہے۔

لیکن ہم تمہیں کسی غیر کے گھر جا کر رہنے کی اجازت کیسے دے دیں۔ پہلے ہی تمہاری وجہ سے ہمارے رہے سہے تعلقات بھی ختم ہو گئے ہیں۔ ماہ جبیں نے ماتھے پر شکن ڈال کر کہا۔

لیکن سویٹ آنٹ ! آپ کو تو اس کا کوئی غم نہیں ہونا چاہیے۔ میری مام سے تو ویسے بھی آپ کے کچھ خاص خوشگوار تعلقات نہیں تھے ناں۔ عینی نے ماہ جبیں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو وہ جز بز ہو کر رہ گئیں۔

عینی بیٹا! تم مجھ سے بھی شاکی ہو رہی ہو؟ بات بڑھنے سے پہلے ہی افتخار نے عینی کو اپنی طرف متوجہ کر لی تھا۔

کم از کم ابھی تو کچھ عرصہ یہیں رک جاو تم ہمارے لیے بالکل زویا کی طرح ہو یقین جانو ہم تم سے بیزار نہیں ہیں مگر نادانی میں جو گڑ بڑ تم کر چکی ہو اس کے بعد اب تم ہماری ذمہ داری ہو۔ اگر تمہیں کچھ نقصان ہو گیا تو تمہارے پیرنٹس کے آگے ہم لوگ جواب دہ ہوں گے۔ آج نہیں تو کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم یہاں ہمارے پاس ہو اس صورت میں وہ لوگ۔۔۔۔۔

پلیز انکل! عینی نے نیپکن سے منہ صاف کر کے پلیٹ ایک طرف کھسکائی" آپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں مگر آپ مجھے منع کر کے اپنے الفاظ ضائع مت کریں آپ جانتے ہیں کہ میں اپنا ہر فیصلہ اپنی مرضی سے کرتی ہوں اور فیصلہ کرنے کے بعد کبھی غور و فکر نہیں کرتی اور میرے والدین کو آپ بتا دیجے گا کہ میں انہیں اپنے ہر فرض سے بری الذمہ کر چکی ہوں۔

ضد اور ہٹ دھری میں اپنی ماں سے دو ہاتھ آگے جا رہی ہے یہ لڑکی۔ کوئی بڑا نقصان اٹھانے سے پہلے عقل آتی لگ نہیں رہی ہے۔ ماہ جبیں نے افتخار سے کہا تو عینی نے ایک نظر انہیں دیکھا اور کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

میں اپنے ہر نقصان کی ذمہ داری قبول کرتی ہوں مائی ڈیئر سٹ

آنٹ! آپ یقین کیجے میرے نفع و نقصان اب صرف میرے ہوں گے۔ میں اتنے اچھے کمپلمنٹس پر آپ کی گریٹ فل ہوں مگر ایک بات بتادوں وہ جن کی رگوں میں حرام رزق لہو بن کر دوڑتا ہے۔ وہ میرے جیسے ضدی ،نافرمان اور گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ تیزی سے اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی اور وہ تینوں جیسے سکتے کی حالت میں بیٹھے رہ گئے۔

یہ لڑکی بہت زیادہ اذیت پسند اور تلخ ہوتی جا رہی ہے۔ زویا بیٹے! آپ اس سے مسلسل کانٹیکٹ رکھیے گا۔ ورنہ یہ تو اپنے آپ کو بالکل تنہا کر لے گی۔ افتخار نے چند لمحوں بعد خاموش بیٹھی زویا سے کہا تھا۔

☆☆☆☆☆

اوہو! یہ کیسا فلیگ (جھنڈا) بنایا ہے آپ نے؟ فرح نے منہ بسورتے ہوئے شمع سے کہا۔

کیوں پسند نہیں آیا؟ شمع نے مسکرا کر پوچھا۔ بالکل نہیں۔ یہ تو کوئی اسٹیچو لگ رہا ہے۔ کیا اسٹون کا بنا ہوا ہے۔ ہماری عینی آپی جو فلیگ بناتی ہیں ناں وہ تو مود کرتا ہے۔ فرح نے کہا تو شمع حیران سی رہ گئی

Move کرتا ہے؟ مگر کیسے؟

یہ دیکھیں۔ فرح نے اپنی ڈرائنگ کاپی کے کچھ صفحے پلٹے اور شمع کے آگے کر دیا۔ وہ ایک لہراتے ہوئے جھنڈے کی تصویر تھی اور بالکل ایسا لگ رہا تھا کہ تیز ہوا اسے جھنڈا الہرا رہا ہے۔

دکھاو شمع۔ ذرا فاصلے پر وہیل چیئر پر بیٹھی سوئیٹر بنتی مہر بھی

متجسس ہوئیں۔

دیکھیں۔ شمع نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ ڈرائینگ کاپی انہیں دی تو وہ بھی ہنس پڑیں۔

توبہ ہے۔آج کل کے بچے تو بس جسے آئیڈیلائز کرلیں اس کی ہر بات میں کوئی انفرادیت کا پہلو نکال ہی لیتے ہیں۔ویسے فرح! یہ تمہاری ٹیچر ہیں کہاں؟ تم آج نہائی بھی نہیں ہو حالانکہ عینی تو باقاعدگی سے تمہیں نہلاتی ہے۔مہر نے پوچھا۔

وہ میری وہائٹ فراک پر ایک پیارا Bear پینٹ کرر رہی ہیں میں نہا کر وہی فراک پہنچوں گی۔

فرح نے فخر سے کہا تو مہر نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

مگر آج ہی کوئی ضروری تو نہیں تھا۔وہ فراک پہننا۔

تھا ضروری بس۔آپی نے پرامس کیا تھا۔اس نے بچکانہ ضد سے کہا تو مہر کندھے اچکا کر رہ گئیں

شمع! ذرا جا کر دیکھنا۔شام ہونے کو آئی ہے یہ شیزی کیا اب تک سو رہا ہے۔حد ہے چھٹی کا پورا دن بس اسے سونا ہوتا ہے۔

جی نہیں ایسے کہاں نصیب شیزی صاحب کے۔شاذ فٹ بال اچھالتا ہوا اندر داخل ہوا۔

سعد احمد کہاں ہیں؟ ذرا میچ کا موڈ بن رہا ہے۔وہ کسی کی طرف دیکھ بغیر بات کر رہا تھا۔

ان دونوں کو عینی آپی میتھس کے کونسیپٹ کو کروا رہی ہیں۔فرح نے مطلع کیا۔

ابھی تو تم کہہ رہی تھی کہ وہ Bear پینٹ کر دی ہیں۔مہر نے اسے گھورا۔

وہ بھی کر رہی ہیں۔فرح اپنی بات پر قائم تھی۔

پینٹنگ ؟زمین سے ٹکرا کر واپسی آتی فٹ بال کو ہاتھ میں پکڑ کر شاذ نے حیرت سے مہر کی طرف دیکھا۔

آپی !آپ کے بچوں کی یہ گورنس کچھ زیادہ ہی ایکسٹرا اورڈنری(غیر معمولی)قسم کی نہیں ہے۔

یہ تو ہے۔خیر جس طرح ان تینوں شیطانوں کو اس نے اپنے کنڑول میں رکھا ہے وہ کسی عام سی گورنس کے بس کی بات تھی بھی نہیں اس قدر ڈسپلنڈ لائف ہو گئی ہے تینوں کی کہ ہر کام وقت پر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھانے پینے میں بھی پریشان نہیں کرتے ہیں۔کھانا پکانے والی بو!جی کو عینی پہلے ہی ہدایات دے دیتی ہے کہ آج بچے کیا کھائیں گے اور سب سے بڑھ کر اتنے صاف ستھرے اور نک سک سے درست رہتے ہیں کہ کیا بتاوں۔حالانکہ کپڑے دھونے کے لیے میں نے ماسی رکھی ہے مگر ان تینوں کے کپڑے عینی عموماً الگ سے دھلواتی ہے خصوصی ہدایات کے ساتھ اور نئے کپڑوں کے سلنے کے سلسلے میں ٹیلرز سے خود کانٹیکٹ رکھتی ہے۔ان کا ہر کام ان کی رائے لے کر کرتی ہے اگر کبھی متفق نہ بھی ہو تو

اس قدر خوبصورتی سے انہیں ٹیکل کرتی ہے کہ انہیں پتا بھی نہیں چلتا کہ ان کی بات رد کر دی گئی ہے۔

میں تو حقیقتاً اس قدر مطمئن ہو گئی ہوں کہ میرے بچے بہت اچھے ہاتھوں میں تربیت پا رہے ہیں۔ مہر کے لہجے میں بھروسا اور مان جھلک رہا تھا۔ صرف دو ماہ میں آپ اس قدر اطمینان محسوس کر رہی ہیں۔ حیرت ہے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ جیسے کہتے کہتے رک گیا۔ پھر جیسے یکدم بات بدل کر بولا۔

کہ وہ صرف آپ کے سامنے نمبر بڑھانے کو یہ سب کر رہی ہو۔

نہیں خیر ایسا تو نہیں ہے۔ وہ ایک پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہے۔ مہر نے فوراً تردید کی۔

اس لیے تو کہتا ہوں وہ اس جاب کے لیے بالکل سوٹ نہیں کرتی کم از کم اسے دیکھ کر بچوں کی آیا کا تصور نہیں آ سکتا ہے ذہن میں۔ شاذ نے فٹ بال ایک طرف اچھالی اور وہیں قالین پر بیٹھ گیا۔

ہاں واقعی۔ میں نے تو ایک بار بھی انہیں عاجز ہو کر چیختے چلاتے نہیں دیکھا۔ وہ تو بس بچوں میں اتنی مگن اور مصروف رہتی ہیں کہ اور کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ شمع نے اس کی تائید کی۔

حتیٰ کہ مجھے دیکھ کر کبھی مسکراتی بھی نہیں ہیں۔ بات کرنا تو در کنار بہت زیادہ ریزور رہتی ہیں۔

ہاں اور آپ چاہتی ہیں کہ ہر کوئی آپ کی طرح ٹوتھ پیسٹ کا

اشتہار بنا رہے۔ آپ کو یونہی گمان ہو گیا ہے۔ محترمہ! کہ آپ اپنی مسکراہٹ سے دنیا فتح کر سکتی ہیں۔ شاذ نے سر جھٹکا تھا۔

ایکسکیوز می! مخل ہونے کی معافی چاہتی ہوں۔ نرم آواز پر سب نے ایک ساتھ ہی سامنے دیکھا تھا۔

فرح! آپ کا فراک تیار ہے۔ چلیں اب شاور لے لیں اور فریش ہو جائیں۔ ہری اپ

آپی! آپ میری شمع آنٹی سے بات نہیں کرتیں؟ فرح کی بات بالکل غیر متوقع تھی، شمع کے ساتھ مہر بھی سٹپٹا گئی تھیں۔ شاذ کی بے اختیارانہ نظریں عینی کا ردعمل جاننے کے لیے اس کے چہرے پر جم گئی تھی

۔

کیوں نہیں بالکل کریں گے بیٹا! آپ اپنے روم میں چلیں میں آتی ہوں۔ اس نے ذرا رک کر فرح سے کہاں۔ فرح نے اس کی بات پر فوری عمل کیا۔

فرح کی بات میں اتنی شدت نہیں تھی جتنی آپ لوگوں کے ردعمل میں تھی۔ اس لیے میں رک گئی ہوں۔ اپنی پرابلم؟ عینی نے باری باری تینوں کی طرف دیکھا۔

تو پرابلم مس قرت! آپ نے یونہی محسوس کیا ہے ورنہ یہاں بات اس انداز میں نہیں ہوئی تھی جیسے فرح نے سمجھا ہے۔ شاذ نے ان دونوں چپ دیکھ کر بات سنبھالی۔ (قرت) اس کے کانوں کو بہت بھلا لگا تھا

چلیں مان لیتے ہیں۔اگر میں نے جرح کی تو آپ کی وکالت مشکوک ہو سکتی ہے۔اس نے ایک گہری نظر شاذ پر ڈالی اور پلٹ گئی۔

تم ہر جگہ یونہی ذلیل کروایا کرو مجھے۔چھٹانک بھر کی لڑکی دو کوڑی کا کر گئی۔وہ بھڑک کر کھڑا ہو گیا۔کیا ضرورت تھی بچی کے سامنے اول فول بکنے کی؟وہ سخت طیش میں آگیا تھا۔

کوئی نہیں شیزی!جانے دو۔مہر نے حسب معمول سیز فائر بننے کی کوشش کی۔

شیزی!آج پاپا کا فون آیا تھا۔بہت غصے میں تھے۔تمہیں میسج دیا ہے کہ فوراًان سے کانٹیکٹ کرو۔مہر کو دیا آیا۔

اوہ تو گویا انہیں نوٹس مل گیا ہے۔شاذ لب بھینچ کر رہ گیا۔

شیزی!تمہیں یقین ہے جو کچھ تم کر رہے ہو،وہ ہمارے حق میں بہتر ہو گا؟کیا یہ سب اتنا آسان ہو گا؟مہر نے مضطرب انداز میں پوچھا۔

اگر آپ یوم حساب پر یقین وایمان رکھتی ہیں آپی!تو یقین کیجئے یہ ہمارے حق میں بہتر ہو گا اس دنیا کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کتنا بہتر ہو گا اور آسان تو کچھ بھی نہیں ہے آپی۔ہمیں تو یہاں بھیجا ہی مشکلات سے نمٹنے کے لیے گیا ہے۔پھر ہم ہر قدم پر آسانیاں کیوں تلاش کرتے ہیں؟اور شمع!میں پوری کوشش کروں گا کہ عدالت کے چکر لمبے نہ ہوں لیکن اگر پاپا کے سامنے تم نے خود کو کمزور ظاہر کرنے کی کوشش کی

تو بات بگڑ بھی سکتی ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ تمہیں بالکل ویسا ہی کرنا ہے جیسے میں کہہ رہا ہوں۔ شاذ نے تنبیہہ کی۔

میں تو پاپا جان کی آنکھوں میں دیکھ کر بات نہیں کر سکتی ہوں۔

شیزی بھائی! میں یہ سب نہیں کر سکوں گی اور آپ اس عمر میں اپنے والدین کو عدالتوں کے چکر لگوائیں گے۔ کچھ تو خوف خدا کر لیں۔ شمع نے تاسف سے کہا تو اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

ڈیر کزن! یہ خوف خدا ہی تو ہے جس نے میر ان کا چین اور راتوں کی نیند چھین لی ہے۔ ہر لمحہ اس کے قہر کے نزدیک تر ہونے کی آہٹ جیسے میرے اندر سنائی دینے لگی ہے۔ کاش میرے والدین نے یہ خوف ذرا پہلے کر لیا ہوتا تو آج انہیں ایک دنیا کے سامنے عدالت میں کبھی نہ گھسٹیتا مگر انسان جو بوتا وہی کاٹتا ہے۔ میرے والدین نے بھی ظلم و بے انصافی کا بیج بویا تھا۔ اب محبت کی فصل کیسے کاٹ سکتے ہیں۔؟ وہ گرنے کے انداز میں دوبارہ کارپٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

اور کون جانے اب ہماری آئندہ نسلوں کے لیے کیسی فصل تیار ہو گی۔ جانے ہم نے کیا بویا ہے۔ کتنے دلوں کو اپنی بداعمالیوں سے بنجر کیا ہے؟ کون جانے، شاذ نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بالوں کو انگلیوں میں جکڑ لیا۔ گزرے وقت کا لمحہ لمحہ جسے ریورس گئیر میں چلنے والی گاڑی کی طرح اس کے سامنے گزرنے لگا تھا

○

سکندر! آپ کے بغیر میں اتنے دن کیسے گزاروں گی وہ بھی اکیلے۔ سدرہ
نے سوٹ کیس مں سکندر کے کپڑے رکھتے ہوئے منہ بنایا تو سکندر
مسکرایا۔ اپنے پیار کی جو شمع روشن کیے جارہا ہوں اس کے سہارے جان
سکندر! اس نے بیڈ پر سوئی معصوم سی گڑیا کے چہرے پر پیار کیا۔

اور ویسے بھی میں صرف دو ماہ کے ٹور پر جارہا ہوں۔ چھوٹا سا
کورس ہے اس کے بعد واپس۔ اگر تم اکیلے پن سے پریشان ہو تو حیدر بھائی
کی طرف چلی جانا۔

جو حکم جناب۔ سدرہ مسکرائی

اچھا اب دیکھ لیں۔ آپ کی ساری چیزیں رکھ دی ہیں می نے پھر
بھی چاہیں تو ایک بار چیک کرلیں ورنہ وہاں جاکر پریشان ہوں گے

ہوں ٹھیک ہے۔ دیکھ لونگا تم آدھر آو دیکھو شمع اٹھ رہی ہے
شاید اس کی فیڈر کی ٹائم ہو گیا ہے۔

ہار رات کے دو بج رہے یں اپ سو جائیں صبح فلائیٹ ہے آپ کی
۔اسے میں فیڈ کرادوں گی۔ سندرہ نے سوٹ کیس بند کر کے سائیڈ پر رکھا
اور شمع کو گود میں اٹھایا۔

اسلام علیکم! کیسی ہیں بھابھی۔ سدرہ نے اندر داخل ہوتے ہی
ثمانہ کو مخاطب کیا جو خاصے جھنجھلائے ہوئے پریشان کن انداز میں کارڈ
لیس کے بٹن پش کر رہی تھی۔

او گاڈ! تم یہاں آگئی ہو۔ میں دس منٹ سے مسلسل تمہیں کال

کر رہی ہوں۔ کوئی فون نہیں اٹھا رہا۔ مجھے کیا پتا کہ تمہیں یہیں آ رہی ہو۔
ان کا انداز خاصا پریشان سا تھا۔

خیریت بھابھی۔۔۔۔۔سدرہ نے تشویش کے عالم میں شمع کو گود سے اتارا اور شمانہ کے قریب آ گئی۔

وہ سکندر کی گاڑی کا ائرپورٹ جاتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ ہاسپٹل سے فون آیا تھا، بہت سریل حالت ہے اس کی حیدر وہیں گئے ہوئے ہیں۔ شانہ نے جلدی جلدی بتایا۔

ایک سی ڈنٹ سدرہ کو لگا جیسے چاروں سمت تاریکی سی چھا گئی اور جب ہوش میں آئی تو حقیقتاً اس کی دنیا اندھیر ہو چکی تھی۔ اس کا شریک سفر اپنے بہت سے وعدے ادھورے چھوڑ کر اسے تنہا کر گیا تھا۔

اے خدائے بزرگ و برتر یہ تیری امانت تھی تو نے واپس لے لی مگر میرے مالک میں تیری بہت کمزور بندی ہوں۔ مجھے اتنا حوصلہ عطا کرنا کہ میں پیار کی اس روشن شمع کے سہارے اپنی زندگی گزار سکوں۔ مجھے حوصلہ دینا میرے مالک۔

سکندر کی میت کے سرہانے شمع کو گود میں لیے سدرہ دل ہی دل میں اپنے رب سے مخاطب تھی۔ اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر اس کے دامن میں گر رہے تھے مگر لب پہ خاموشی کی مہر لگی تھی۔

سدرہ! اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چلو۔ وہاں تم دونوں کو تنہائی کا احساس کم ہو گا۔ حیدر علی خان نے ڈیرہ سالہ شمع کو دیکھتے ہوئے سدرہ

سے کہا تھا۔ سکندر کی وفات کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔

نہیں بھائی جان! میں اس گھر سے کہیں نہیں جا سکتی۔ ابھی تو یوں بھی میں عدت میں ہوں۔ سدرہ نے پلکیں جھپک کر اپنے انسو اندر اتارے۔

بس آپ سے ایک درخواست ہے۔ سکندر سب سے زیادہ آپ پر بھروسا کرتے تھے۔ ان کے بعد میں بھی یہی چاہوں گی کہ میری عدت پوری ہونے تک بزنس وغیرہ کے سارے معاملات آپ سنبھال لیجے۔ اللہ کے بعد اس زمین پر آپ ہی میرا آسرا ہیں۔

تم فکر مت کرو سدرہ! یہ سارے کام میں دیکھ لیا کروں گا۔ تم اپنے ذہن پر بوجھ نہ لو اور بالکل مطمئن رہو۔ حیدر نے اسے یقین دلایا۔

اور جب وہ اگلے دن سکندر کے آفس گئے تو دفتر کی شان و شوکت اور بزنس کا عروج دیکھ کر ان کی آنکیں چندھیا گئیں۔ ان کے والد صاحب نے اپنی زندگی میں ہی دونوں بیٹوں کو ان کے حصے دے دیئے تھے تاکہ یہ مال ان کی اولاد کے درمیان فساد نہ سبب بنے۔ حیدر خان کا اپنا بزنس بھی کافی ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا۔ مگر ان کی بیوی حد سے زیادہ نمائش پسند اور فضول خرچ تھی اور کچھ انہیں بھی دکھاوے کا بہت شوق تھا۔ اس لیے وہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر دنیا پر اپنی امارات کا رعب ڈالا کرتے تھے مگر سکندر کا معاملہ بہت مختلف تھا۔ وہ بہت سادہ زندگی گزارنے کا عادی تھا اور اس کی حیات میں تو کبھی حیدر خان نے توقع بھی نہیں کی تھا کہ

اس کا بزنس کامیابیوں کی بلندیوں پر ہو سکتا ہے۔

اس لیے جب انہوں نے سکندر کے دفتر میں بحیثیت مالک کے قدم رکھا اور حریصانہ نظروں سے وہاں کا جائزہ لیا تو اگلے قدم پر شیطان نے ان کے ساتھ قدم ملا لیا اور اپنا ازلی کام انجام دینا شروع کر دیا۔

یہ دفتر میرے بھائی کا ہے اور مجھے اپنی بیوی بھابھی اور یتیم بچی کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے اس کی دیکھ بھال کرنی ہے اور یہ سب ان دونوں کی امانت ہے میرے پاس، پہلے قدم پر پہلے وسوسے پر انہوں نے شیاطن کو بری طرح جھڑک دیا تھا مگر ان کی نظریں اس ہری فائل پر الجھی تھیں۔ جس میں سکندر کی کمپنی کے ساتھ کینڈا کی طرف سے بیس کروڑ کا معاہدہ ہوا تھا اور وہ پراجیکٹ اب شروع ہونے والا تھا۔

لیکن یہ بھی تو سوچو کہ اس انتھک محنت اور خدمت کا تمہیں کیا صلہ ملے گا؟ کم از کم محنت کا معاوضہ تو تمہیں ملنا چاہیے نا؟ شیطان کی نظریں ان کی حرص بھری نگاہوں کو تاڑ چکی تھیں۔ اور وہ انکے کے نفس کی خواہش کے عین مطابق گفتگو کر رہا تھا۔

ہاں ٹھیک ہے مگر اس کی کچھ حدود ہوتی ہیں۔ میرا معاوضہ بھی اسی حد کے اندر ہو گا۔ اب حیدر زمان نے گویا تھک کر اپنے نفس کو شعوری طور پر اور شیطان کو لاشعوری طور پر تھپکی دے کر مطمئن کرنا چاہا اور شیطان گلا پھاڑ کر قہقہ لگانے لگا۔ دن پر دن گزرنے لگے اور حیدر خان کے ضمیر کی کمزوری سی آواز، نفس کی آواز کے سامنے دبنے لگی۔ حیدر خان

اکثر اوقات اس آواز پر استغفار پڑھنے کی بجائے لبیک کہتے تھے اور اس طرح ایک دن نفس اور شیطان مل کر اتنی بڑی طاقت بن گئے کہ حیدر خان کے کان ضمیر کی آواز سے بالکل نامانوس ہو گئے۔ کی وعید اور سدرہ سے کیے گئے وعدے ان کی یاداشت سے نکل گئے ار وان کا ہر عمل شیطان کے تابع ہوتا چلا گیا۔ وہ شیطان جو ک محض ایک سر گوشی تھی پہلے آواز بنا اور پھر ان کا حاکم بن گیا۔ صرف اس لیے کہ ان کے اپنے دل کھوٹ تھا ورنہ شیطان اتنی بڑی طاقت نہیں کہ انسان پر حکمرانی کر سکے وہ تو محض ایک تیلی کا شعلہ ہے جسے استغفار کی ایک پھونک بجھادے مگر اس کے لیے انسان کے دل کی سچائی اور خلوص شرط ہے اگر وہ حقیقتاً اللہ کی پناہ میں آنا چاہے تو اس کا نفس ایک بھونکنے والا سگ راہ ہے جو لوگ اس پر توجہ نہیں دیتے وہ اطمینان سے اپنی منزل پا لیتے ہیں اور جو ان سے گھبرا کر اپنا راستہ بدل لیتے ہیں تو اگلے موڑ پر شیطان انہیں تھام کر اپنی پناہ میں لے لیتا ہے اور ایک تیلی کا حقیر شعلہ جہنم کی آگ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔



مجھے بہت افسوس ہوا ہے سارے معاملات اور حالات دیکھ کر۔ سکندر کا بزنس تو بالکل تباہی کے دھانے پر کھڑا ہے۔ اب تو بہتر یہ ہی ہے کہ ساری قانونی کارروائی کر کے حصہ داروں کو حصہ دے دیا جائے۔ حیدر خان نے سدرہ کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا تو وہ سکتے کے عالم میں انہیں دیکھتی رہ گئی۔

بھائی جان

میں سچ کہہ رہا ہوں سدرہ! حالات کی مزید خرابی سے بہتر ہے کہ۔۔۔۔۔

لیکن بھائی جان! آپ کم از کم میری عدت تو پوری ہو جان دیں ۔میں خود جا کر دیکھنا چاہتی ہوں ساری صورتحال۔ وہ تو بہت مطمئن ہو کر نیا کورس کرنے باہر جا رہے تھے۔ سدرہ ان ساری باتوں پر تڑپ کر رہ گئی تھی۔

یعنی تمہیں حیدر پر بھروسہ نہیں ہے؟ وہ غلط بیانی کر رہے ہیں کیا مطلب ہے تمہارا؟ ثمانہ کڑے تیوروں سے اسے گھورنے لگی تو وہ سہم سی گئی۔اس کا اس بھری دنیا میں کوئی ایسا ہمدرد نہ تھا جو ان لوگوں کے بعد اس کی پشت پر ہاتھ رکھتا یا سہارا دیتا اور وہ جو بہت حوصلہ مند لڑکی تھی۔ مگر اس میں ان رشتوں کو کھونے کا حوصلہ بالکل نہیں تھا۔

نن۔۔۔۔۔ نہیں بھابھی! میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو بس اتنا کہہ رہی تھی کہ کچھ دن دیکھ لیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ۔۔۔۔۔

اب کچھ نہیں ہو سکتا سدرہ! بیوی کی شہ پر حیدر خان کو مزید حوصلہ ہوا اور وہ اب قدرے سخت لہجے میں مخاطب ہوئے۔

تمہارا یہ گھر جس میں تم رو رہی ہو یہ بیچنا پڑے گا اس قدر قرضے چڑھے ہوئے تھے سکندر پر۔۔ میں نے ساری معلومات کر لی ہے۔ سکندر کی جائیداد میں سے آٹھواں حصہ جو تمہارا ہو گا۔اس میں سے تمہیں قرضے

چکانے کے بعد ایک لاکھ روپیہ ملے گا اور جائیداد کا نصف شمع کا حصہ جب تک وہ بالغ نہیں ہو جاتی۔ میرے پاس بطور امانت محفوظ رہے گا۔ چھٹا حصہ میرا اور ثمانہ کا ہے۔ حیدر خان نے اپنے چہرے کا ماسک اتارا تو سدرہ کا دل کانپ کر رہ گیا۔

اور بھائی میرا ٹھکانہ

تم ہمارے گھر چلو ہمارے ساتھ رہنا۔ سارے فیصلے ہو چکے تھے سدرہ کو تو بس اطلاع دی جارہی تھی اور جانے سدرہ کو کیا ہو گیا تھا نہ جانے غم واندوہ نے اس کے حوصلے پشت کیے تھے اپنوں کی اس مطلب پرستی اور خود غرضی اس کی کمر توڑی تھی یا مال و دولت سے بددلی نے اسے کچھ کہنے اور کرنے سے روک دیا دیا تھا جو کچھ بھی تھا۔ وہ بس خاموشی کے ساتھ ان لوگوں کے پاس آگئی اور اس نے اسی خاموشی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

حیدر خان جو سدرہ کے بارے میں یہ رائے رکھتے تھے کہ وہ اپنا مال انہیں اتنی آسانی سے ہضم نہیں کرنے دے گی۔ وہ ایک پڑھی لکھی، باشعور اور بہت سمجھدار لڑکی ہی نہیں تھی بلکہ لبہت سے قانونی اور شرعی معاملات سے آگاہی رکھتی تھی۔ مگر وہ بہت حیران ہوئے تھے جب اس نے ایک مرتبہ بھی پلٹ کر انہیں یہ نہیں باور کرایا کہ مرنے والے کی جائیداد تقسیم کرنے سے پہلے اس کے ذمہ تمام قرضوں کو چکانا ہوتا ہے اور پھر جو کچھ بچتا ہے وہ شرع کے مطابق تقسیم ہوتا ہے اور پھر صرف بیوی کے پیسوں سے قرضہ چکانے کا حکم کہیں نہیں ہے۔ وہ سدرہ کی خاموشی پر کافی

دن الجھے الجھے پریشان سے رہے۔ وہ ہر بات پر خاموش نگاہوں سے انہیں دیکھتی۔ اس کی آنکھوں عجیب سرد سا تاثر ہوتا تھا۔ کوئی حیرت والی صدمہ، کوئی دکھ نہ ہوتا ان خالی آنکھوں میں۔ یوں لگتا کہ اس کے اندر برف جم گئی ہو۔ سدرہ کی یہ خاموشی اسے اندر ہی اندر کھانے لگی تھی۔ جیسے بہت عرصے سے بند پڑے کسی مکان میں گرد و غبار کے باعث سانس لینا محال ہو جاتا ہے اور جا بجا جالے لگ جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح سدرہ کے دل میں جالے لگنا شروع ہو گئے تھے۔ بے یقینی اور حیرت کے جالے۔

یہی وہ بھائی تھا۔ جس پر سکندر اس قدر اعتماد کرتے تھے؟ اگر یہی وہ بھائی ہے تو میں اس پر دھوکہ دہی کا الزام کیسے لگا سکتی ہوں؟ نہیں مجھ میں اتنی جرات نہیں ہے کہ میں سکندر کے یقین کو جھٹلا سکوں۔ میں نے اپنا سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ جانے اور اس کے بندے اور جب وہ اللہ اور بندوں کے درمیان سے نکل آئی تو اللہ کے غضب نے حیدر خان کو اس طرح گھیرنا شروع کر دیا کہ ان کو خبر بھی نہ ہو سکی۔

شمع چھ سال کی تھی جب سدرہ اسی صبر و استقلال کے ساتھ چپ چاپ اس فانی دنیا سے لوٹ گئی۔ شمع تمہارے پاپا کے انتقال کے بعد ایک بات میرے ذہن میں رچ بس گئی ہے وہ یہ کہ انسان زندگی میں کچھ بھی حاصل کر لے۔ دولت جائیداد فیکٹریاں وہ اپنی مملکت کو کتنا بھی وسیع کر لے، مگر اس عالیشان زندگی کا خاتمہ موت ہے۔ موت کے بعد وہ عظیم الشان انسان بھی اتنا ہی بے بس اور غریب ہے جتنا کہ اپنی پیٹھ پر کئی اینٹیں

ایک ساتھ لاد کر سیڑھیاں چڑھنے والا مزدور۔

مرنے کے بعد سب کی پیٹھ اپنے اعمال کے بوجھ سے لدی ہوتی ہے اور باقی تمام چیزیں وہ یہیں اس دنیا میں رہنے والوں کے درمیان چھوڑ جاتا ہے اور دنیا والے اس کی بے بسی پر عبرت حاصل کرنے کی بجائے اس کا بچا کھچا مال حاصل کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

یہ مال و جائیداد محض شر اور فساد کا باعث ہوتا ہے۔ تم اس کی خاطر کبھی اپنوں سے بے رخی نہ کرنا۔ کسی اپنے کو بے مروتی کا دکھ نہ دینا۔ ورنہ تم بھی دنیا سے خالی ہاتھ لوٹ جاو گی۔ میری باتیں شاید ابھی تمہاری سمجھ میں ٹھیک سے نہ آسکیں۔ مگر جیسے جیسے تم عمر کی منازل طے کرو گی، تم دیکھو گی جگہ جگہ یہاں تمہیں بہکانے والے آئیں گے کیونکہ تم ایک بہت وسیع ملکیت رکھتی ہو مگر میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ دنیا کی چیزیں یہیں رہ جائیں گی۔ان کے لیے اپنے دل میں روشن خلوص کی شمع کو کبھی بجھنے نہ دینا کیونکہ تاریک دل والوں کی قبریں بھی تاریک ہوا کرتی ہیں۔ تم اپنے باپ کی جلائی ہوئی پیار کی شمع ہو۔اپنے وجود سے ہر کسی کے لیے روشنی دینے کا سبب بننا۔ پھر بدنیتی کو کوئی آندھی تمہیں نہیں بجھا سکے گی۔

سدرہ کی تربیت نے شمع کے ذہن کو ہمیشہ مثبت انداز میں سوچنا سکھایا تھا اور یہ اس کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ شمع نے کبھی حیدر خان ارو ثمانہ کے سامنے آنکھ ملا کر بات نہیں کی۔ان دونوں نے ہمیشہ اسے ایک اطاعت گزار اور تابعدار لڑکی پایا۔اپنے حکم کی منتظر آنکھ کے اشارے سمجھ

لینے والی۔ حیدر خان کو بلا شبہ اپنا مستقبل محفوظ نظر آ رہا تھا۔ ثمانہ حیدر نے گھر کے اکثر ملازمین کی چھٹی کر دی تھی۔ کیونکہ جیسے جیسے شمع بڑی ہو رہی تھی۔ گھر کے بہت سے کام نمٹانے لگی تھی۔ دنیاد کھاوے کی خاطر انہوں نے شمع کو اسکول میں اپنے بچوں کے ساتھ داخل کروادیا تھا۔ مگر حقیقتاً اسے پڑھنے کا وقت ملتا نہیں تھا اور کچھ اسے بھی پڑھنے کا خاص شوق نہیں تھا۔ ابس اتنا پڑھ لیتی کہ مختلف کلاسز عبور کرتے ہوئے انٹر کر لیا تھا۔

ثمانہ کے دونوں بیٹوں سے اس کی کچھ خاص بات چیت یا دوستی نہیں تھی اور ان کی بیٹی مہر عمر میں اس سے بارہ سال بڑی تھی گو کہ وہ شمع سے بہت مہربانی سے پیش آتی مگر عمروں کے فرق کی وجہ سے ان دونوں کی دلچسپیاں کافی مختلف تھیں۔ شمع ان دونوں ساتویں کے امتحان سے فارغ ہوئی تھی جب مہر کی شادی کا ہنگامہ جاگ اٹھا اور گھر سے وہ واحد ہستی بھی رخصت ہو گئی جو کبھی کبھی اس سے محبت بھرے لہجہ میں گفتگو کر لیتی تھی ۔ مہر کی شادی کے کچھ عرصے بعد ہی اس نے ثمانہ کے بڑے بیٹے ذوالفقار کو اس کے بیڈ روم میں سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ عمر میں شمع سے چھ سال بڑا تھا۔

زلفی بھائی ! آپ سموکنگ کر رہے ہیں۔ شمع ہاتھ میں ڈسٹر لیے پورے گھر کی ڈسٹنگ کر رہی تھی اور ذوالفقار کے کمرے میں بھی اس مقصد سے آئی تھی۔

تم سے مطلب اسٹوپڈ گرل ! اپنے کام سے کام رکھو۔ اس نے بیڈ

پر لیٹے لیٹے ایک گہرا کش بھر کر دھواں ہوا میں چھوڑا۔

آپ کو پتا ہے تایا ابو کو معلوم ہو گیا تو بہت خفا۔۔۔۔

ول یو شٹ اپ! ذوالفقار اس کی بات کاٹ کر زور سے چلایا تھا۔

کون بتائے گا انہیں؟ ہاں؟ تم نے اگر کوئی بات کسی سے کہی تو اسی سگریٹ سے چہرہ چلا دوں گا تمہارا۔ انڈا اسٹینڈ؟ وہ اٹھ کر عین شمع کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور وہ ایک ایک لفظ چباتے ہوئے کہہ کر اسے بری طرح ہراسا کر دیا۔ پھر وہ واقعی کسی سے کچھ کہنے کی جرات نہ کر سکی۔ مگر جب حیدر خان کو یہ سب کچھ پتا چلا تو وہ صرف سگریٹ کا عادی نہیں تھا دھیرے دھیرے منشیات کا عادی بن گیا تھا۔ انہوں نے زمین آسمان ہلا کر رکھ دیا۔ ثمانہ سر جھکائے مجرم سی بنی خاموشی سنتی رہیں پھر ان کی بڑی منت سماجت کے بعد حیدر خان نے اسے ہاسپیٹل میں داخل کروایا۔ مگر وہاں کسی کے ملنے جلنے پر پابندی تھی۔ اس طرح ان کی ساکھ متاثر ہونے کا خدشہ تھا۔ بہت زیادہ دھن دولت انسان کو دنیاوی اعتبار سے بظاہر تو بہت مضبوط کر دیتا ہے۔ مگر در حقیقت انسان اپنے اوپر اوٹھنے والی نگاہوں سے بھی خوفزدہ رہتا ہے اور اس خوف نے حیدر خان سے بیٹے کی محبت کا جوش چھین لیا تھا۔ انہوں نے اسپتال والوں کو اچھی طرح مالامال کر دیا تھا مگر اپنے بیٹے کو ذرا سی اموشنل سپورٹ بھی نہ دے سکے اور ذوالفقار سیکورٹی گارڈ کی موجودگی میں بھی فرار ہو گیا۔ ہمیشہ کے لیے۔

ثمانہ کی چیخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ جوان بیٹے کی

موت کا صدمہ کچھ کم تو نہیں ہوتا اور زلفی تو جس حالت میں گھر لایا گیا تھا اس نے غیروں کی آنکھیں بھی نم کر دی تھیں۔

جو بھی ہو مگر یہ سچ ہے کہ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے اگر زلفی کو ایسی موت نصیب ہوئی ہے تو اس کے ماں باپ کو لمحہ بھر کے لیے رک کر سوچنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور اگر انہوں نے بن ماں باپ کی اس بچی کے روپ میں جواب پالیا تو یقیناً وہ آئندہ کسی سخت عذاب سے بچ جائیں گے ورنہ خدا تو ہر کسی کا برابر ہے۔ شاذ کی انکھوں سے اپنے بھائی کی بے بسی موت پر آنسو بہہ رہے تھے اور کافی پیچھے بیٹھے ہوئے کسی شخص کی باتیں سن رہے تھے۔ اس نے بلاارادہ ہی جگ گلاس ہاتھ میں لیے سب کو پانی پلاتی ہوئی غمگیں صورت شمع کو دیکھا تھا اور ایک بڑا سا کیوں؟ اس کے نگاہوں کے سامنے جگمگانے لگا۔

اور یہ کیوں؟ اس وقت مزید روشن اور واضح ہو گیا۔ جب شادی کے چار سال بعد مہر کے شوہر اکرام کا کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا اور مہر ہمیشہ کے لیے معذور ہو گئی۔ اس خبر کو سننے کے بعد شاذ کو جانے کیوں دکھ سے زیادہ اپنے یقین پر حیرت ہوئی تھی۔ جیسے وہ اس حادثے کا منتظر تھا ۔ زلفی کی موت پر سنی ہوئی باتوں نے اسے مزید آنے والے حادثوں کے لیے ذہنی طور پر تیار کر دیا تھا۔

شمع بیٹا! ذرا مہر کو پانی پلاؤ۔ دیکھو رو رو کر کیا حال ہو رہا ہے اس کا ۔ کسی نے کہا تو شاذ نے پلٹ کر تابعداری سے کولر کی طرف جاتی شمع کو

دیکھا۔اس کی آنکھوں میں دو سال پہلے والا منظر گھوم گیا جب شمع زلفی کی موت پر سب کو پانی پلاتے ہوے اس کی مرکز نگاہ بنی تھی۔ شاذ کی آنکھیں جلنے لگیں۔ وہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھا اور آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں سے گلاس چھین کر دور پھینک دیا۔

کیا چاہتی ہو تم! ہم سب ایک ایک کر کے مر جائیں؟ کیا دشمنی ہے تمہاری ہم سے؟ کیسے دوڑ دوڑ کر سب کی دعائیں لیتی ہو؟ کیوں اتنی خدمتیں کرتی ہو۔ تم ہماری ملازمہ نہیں ہو خبر دار جو تم نے آئندہ کام کو ہاتھ لگایا تو۔

اس کی دھاڑ پر سب ادھر متوجہ ہو گئے۔ شمع تو پہلے بھی اس سے دبتی تھی۔اس وقت تو جیسے سوکھے پتے کی طرح لرز رہی تھی۔

ش۔شیز۔ی۔بھا۔ئی

منہ بند کرو اپنا اور نوٹ کر لو کہ اس محفل میں تم کسی کی غلام نہیں ہو چپ چاپ ایک طرف جا کر بیٹھ جاو اور باقی سب کی طرح ہماری بربادی کا تماشا دیکھو۔ سمجھیں؟ وہ مارے غصے کے ننگے پیر آگے بڑھا۔ بکھرے ہوئے کانچ کی کرچیاں اس کے پیروں میں کبھتی چلی گئیں مگر وہ پروا کیے بغیر اندر چلا گیا اور اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے زور زور سے دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

اس وقت صرف انیس برس کا تھا اور حیدر خان کے مشورہ کے مطابق بی اے کا اسٹوڈنٹ تھا۔ مگر بہت سے پس پردہ رازوں کو جاننے کے

لیے اس نے اچانک اپنا ارادہ بدل کر ایل ایل بی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گو کہ اس فیصلہ کے بعد سے اسے اپنے والدین کی حد سے بڑھی ناراضی بھی برداشت کرنا پڑی مگر اس سارے جھنجھٹ سے نکلنے کے لیے وہ شہر چھوڑ کر مہر کے پاس چلا گیا جو اکرام کے بعد بہت زیادہ تنہا ہو گئی تھی۔

آپی آپ کا کیا کیا خیال ہے۔ یہ شمع کے والدین کیا واقعی اس کے لیے بہت سی جائیداد چھوڑ گئے ہیں؟ ایک دن ادھر ادھر سے سنی سنائی باتوں کی حقیقت جاننے کے لیے شاذ نے مہر سے سوال کیا۔

مجھے کچھ خاص تفصیل تو معلوم نہیں شیزی مگر سنا ہے کہ چچا جان کی وفات کے بعد شمع کا ورثہ پاپا نے اپنے پاس بطور امانت رکھا تھا۔ مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟ مہر نے حیرت سے الجھن کے شکار شیزی کو دیکھا۔

شمع کا ورثہ! شاذ کسی سوچ میں پڑ گی تھا۔ تو پھر وہ سب پاپا نے اب تک شمع کو واپس کیوں نہیں دیا ہے؟ اب تو وہ بیس سال کی ہونے والی ہے۔ وہ بڑ بڑانے کے انداز میں کہہ رہا تھا۔

تم کیوں خود کو ہلکان کر رہے ہو شیزی؟ پاپا جو مناسب سمجھیں گے کریں گے۔ مہر نے قدرے بے نیازی سے کہا تو شاذ ایک گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

نہیں اب تو شاید مجبوراً مجھے خود کو ہلکان کرنا پڑے گا مگر اس میدان میں اترنے کے لیے خاصی تیاری کی ضرورت ہے۔ فی الحال تو میں لندن جا رہا ہوں۔ بار۔ ایٹ لاء کی ڈگری لے لوں پھر کچھ سوچیں گے۔

اس پر جیسے کوی دھن سوار ہو گئ تھی ان دنوں۔

اور جب وہ ڈگری لے کر واپس آیا تو ثمانہ نے ساری خفگی بھلا کر اسے گلے لگالیا۔

بس چندا! یہ ساری پڑھائی وڑھائی تو چلتی رہے گی۔پہلے تم اپنا گھر بسالو،۔میری نظر میں بہت اچھی اچھی لڑکیاں ہیں تم جس سے کہو گے ہمیں منظور ہے۔

اس بارے میں میں نے اب تک غور نہیں کیا مما مگر۔۔۔وہ ایک دم رک کر چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا۔

مگر! ثمانہ نے بے تابی سے پوچھا

مما! یہ سارا فرنیچر ابھی چینج کروایا ہے آپ نے! اس نے ثمانہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

ہاں بیٹا! اس بار تو پورے ایک سال پر ہم نے چینج کیا ہے سب کچھ۔ ثمانہ کے انداز میں عجیب سی اتراہٹ تھی۔

لگتا ہے پاپا کا بزنس خوب ترقی کر رہا ہے آج کل۔ شاذ کی چھبتی نظریں ثمانہ کے ڈائمنڈ ائیر نگز پر جمع تھی۔

مما! ابھی آپ میری شادی کی بات کر رہی تھیں پھر کیا خیال ہے جب گھر میں لڑکی موجود ہے تو آپ کو خوار ہونے کی کیا ضرورت ہے ؟اس کے ذہن میں ایک خیال سرعت کے ساتھ آیا تھا۔

مطلب! ثانہ نے حیرت سے اسے دیکھا

مطلب یہ امی کہ ۔۔۔اس نے ذرا فاصلے پر پھل کاٹتی شمع کو دیکھا جواب پلیٹ اٹھا کر اس کی طرف رکھنے آ رہی تھی۔

اگر میں شمع سے شادی کر لوں۔ شمع کا ہاتھ بری طرح لرزا اور پلیٹ ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ثمانہ حواس باختہ سی ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

کیا مصیبت ہے۔ تمہیں برتن توڑنے کے علاوہ کوئی کام ہے؟ کتنا مہنگا سیٹ تھا۔ خراب کر دیا احمق! جاہل! چلو اندر دفع ہو جاو اور فضل کو بھیجو یہ سب صاف کرے آ کر۔ شاذ غور سے ثمانہ کے بگڑے تیوروں کا جائزہ لے رہا تھا۔

شیزی! دیکھ لو؟ کس قدر احمق لڑکی ہے یہ؟ ہماری سوسائٹی میں موو کرنے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے اس میں۔ مختلف پارٹیز میں میرے ساتھ آیا جایا کرو اپنے جیسی کوئی بولڈ اور جینئس لڑکی تلاش کر و ہائی اسٹینڈرڈ والی۔ ثمانہ ذرا دیر بعد اس کے سامنے بیٹھ کر دوبارہ مخاطب تھیں

۔

لیکن مما! یہ ہائی سوسائٹی میں رہنے کے باوجود یہاں موو کرنے کے قابل کیوں نہ بن سکی۔ قصوروار کون ہے؟ وہ بہت سنجیدگی سے ان کو دیکھ رہا تھا

شیزی! کس ٹون میں بات کر رہے ہو تم؟ ہم نے ایک لاوارث یتیم لڑکی کو اپنے ساتھ ساری زندگی لگا کر رکھا۔ اسے پڑھایا لکھایا۔ کون کسی کے لیے اتنا کرتا ہے؟ انہوں نے تیوری چڑھا کر اپنے چہیتے بیٹے کو دیکھا

۔

مما اگر اسے پڑھایا لکھایا اس پر کون سا احسان کیا؟ میرا خیال ہے سکندر چچا کی چھوڑی ہوئی جائیداد اس کی ساری عمر کے لیے کافی تھی۔ پڑھنے لکھنے میں تو اس کا ایک فیصد بھی خرچ نہیں ہوا ہوگا اور ایک زمانہ گواہ ہے کہ پڑھانے لکھانے سے زیادہ اس کی ذات پر کوئی خاص خرچ کبھی نہیں ہوا۔

وہ اٹھ کر آگے آیا۔ ٹیبل پر رکھی ایک پلیٹ میں زمین سے پھل کے ٹکڑے اٹھا کر رکھنے لگا۔

شیزی تمہارا دماغ تو درست ہے؟ تم ان معاملات میں بولنے والے کون ہو۔ اپنے حواسوں میں رہو ورنہ تمہارے پاپا۔ ثمانہ چیخ کر رہ گئیں یوں آئینہ دکھائے جانے پر۔

حواسوں میں آ رہا ہوں مما؟ آہستہ آہستہ حواسوں میں ہی آ رہا ہوں اگر کسی بگڑے ہوئے کام کا درست کرنے کے لیے میرا اپنے ہاتھ سلامت ہیں تو یقین کیجے میں کسی اور کو زحمت نہیں دونگا۔ پھل کے ٹکڑے پلیٹ میں واپس رکھ کر وہ ذو معنی انداز میں مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ لڑکی اندر ہی اندر کیا گیم کھیل رہی ہے۔ ثمانہ اس موقع پر بھی اپنی اولاد کو بچا گئیں۔

ایسی کوئی بات نہیں ہے مما! آپ درمیان میں اس احمق اعظم کو

مت گھسیٹیے۔ میں کوئی اس کے عشق میں مرا نہیں جارہا ہوں یونہی ایک بات دھیان میں آئی تھی جو میں نے کہہ دی۔ آپ میرے لیے لڑکی ڈھونڈیے۔ شادی تو میں آپ کی پسند سے ہی کروں گا۔ وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ شمع مزید عتاب کی زد میں آئے اور ثمانہ تو گویا واری فدا ہو گئیں اس پر اور اگلے ہفتے ہی انہوں نے اپنی بہن رضوانہ کے ذریعے ایک بہت ہی امیر کبیر لڑکی کا انتخاب کر لیا۔ باتیں سارے مراحل طے کرنے کے بعد انہوں نے شاذ کو بلوایا۔ وہ اب تک مہر کے پاس ہی رہتا تھا۔

بیٹا! یہ دیکھو میں نے تمہاری انگیجمنٹ کی ساری تیاریاں کر لی ہیں عینی کے لیے جوڑا میں چاہتی ہوں تم اپنی چوائس سے لے لو بلکہ میرا خیال ہے کہ اسے بھی ساتھ لے جاو۔ اچھا ہے تم دونوں کی ملاقات بھی ہو جائے گی۔ ثمانہ نے صرف منگنی پر ہی لاکھوں خرچ کر دیے تھا۔ شاذ حیرت سے ادھر گرد بکھری چیزوں کو دیکھ رہاتا۔ اسی دوران ثمانہ کسی کام سے باہر گئیں اور شمع اندر داخل ہوئی۔

شیزی بھائی! دیکھا آپ نے کتنی پیاری چیزیں لائی ہیں تائی امی آپ کے لیے؟ وہ سامان واپس جگہ پر رکھنے لگی۔

شمع! تم خوش ہو؟ شاذ نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا جو چابک دستی سے چیزیں سمٹ رہے تھے۔

بہت زیادہ۔ اس کے لہجے سے خوشی چھلک رہی تھی۔

تم پر لوگوں کے رویے اثر انداز نہیں ہوتے؟ تمہیں اتنا برا

سلوک برا نہیں لگتا؟ اب وہ جھنجھلانے لگا تھا اور شمع کو اس کے غصے سے بہت خوف آتا تھا۔

شیزی بھائی! اپنے بہر حال اپنے ہوتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اپنا اگر مارے گا تو بھی چھاؤں میں ڈالے گا اوا پ یقین کریں میرے لیے اپنائیت کی یہ چھاوں کافی ہے۔ اس نے تول تول کر الفاظ ادا کیے تھے۔

اپنائیت! شیزی کی آنکھوں میں پھر خون اترنے لگا۔ مگر اس نے شمع سے کچھ نہیں کہا۔ پاس پڑی ہوئی میک اپ کٹ اٹھائی اور چند لمحے الٹ پلٹ کرنے کے بعد دوبارہ مخاطب ہوا۔

تمہیں ہم میں سے کون اپنا لگتا ہے شمع؟ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھ رہا تھا۔

سب ہی شیزی بھائی! آپ سب میرے اپنے ہیں۔ خونی رشتوں سے بڑھ کر کون سا رشتہ ہوتا ہے؟ وہ اسی اطمینان سے چوڑیوں کا ڈبہ الماری میں رکھ رہی تھی۔

تمہیں معلوم ہے ان خونی رشتوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے؟ اپنے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس کا انداز بدستور تھا۔

میرے ساتھ تو سب بہت اچھے ہیں۔ سوری شیزی بھائی! میں آپ کی باتیں سمجھ نہیں پاتی ہوں۔ وہ الجھ کر میک اپ کٹ کا بغور جائزہ لیتے شاذ کی طرف دیکھنے لگی۔

سمجھ تو میں خود بھی نہیں پاتا ہوں اپنی باتیں۔ وہ دھیرے بڑبڑا

رہا تھا۔

شمع! تم مجھ سے شادی کرو گی۔ کٹ بند کر کے اس نے ایک دم سر اونچا کیا تو اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر شمع ڈر کے پیچھے ہٹ گئی۔ نن نہیں۔ ہر گز نہیں۔ وہ بوکھلا کر کھڑ ہو گئی تھی۔

پلیز شیزی بھائی آپ ایسی باتیں نہ کریں مجھے خوف کے مارے راتوں کو نیند نہیں آتی ہے۔ آپ کی شادی طے ہو چکی ہے۔

انگیجمنٹ ختم ہو سکتی ہے بلکہ اوہ گاڈ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ شاذ نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ مجھے معاف کر دو شمع پلیز۔ بلکہ ہم سب کو معاف کر دینا۔ شاذ نے اپنی جلتی آنکھوں پر انگلیاں رکھ دی تھیں اور دروازے کے قریب رک جانے والی ثمانہ نے فیصلہ کیا انگیجمنٹ کے بجائے نکاح ہی کر دیا جائے گا اور جلد از جلد اس کی بیوی کو رخصت کروا کر گھر لے آئیں گی تاکہ یہ ساری اگر مگر ختم ہو جائے۔ مگر انسان اپنے بنائے ہوئے منصوبوں پر اکثر عمل نہیں کر پاتا ہے اور یہی ارادوں کا ٹوٹنا انسان کو اللہ کی پہچان کراتا ہے مگر صرف عقل والوں کو اور ثمانہ کا شمار عقل والوں میں ہر گز نہیں ہوتا تھا۔ ثمانہ نے حیدر خان سے اس موضوع پر بات کی۔ حیدر خان ہمیشہ ہی اپنی بیوی کی تدابیروں اور منصوبہ بندیوں کے قائل رہے تھے۔ بھلا اس بات سے کیا انکار کر سکتے تھے۔

اس طرح ان لوگوں نے شاذ کی منگنی کی بجائے اس کا نکاح کر دیا اور رخصتی ایک ہفتے بعد رکھی۔ مگر ان تدبیر کرنے والو لوگوں نے ایک

بار بھی یہ نہیں سوچا کہ اخر لڑکی والوں پر کون سی مصیبت نازل ہوئی ہے جو ان کی ہر بات آنکھ بند کر کے مان رہے ہیں جبکہ ان کی بیٹی اکلوتی اور ان کی کل جائیداد کی وارث تھی۔ مگر اس وقت ان کی سمجھ داری پر غرور اور گھمنڈ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس وقت ان کے ہاتھ کے طوطے اڑ گئے جب رخصتی سے صرف ایک دن پہلے لڑکی کی ماں کا فون آیا کل رخصتی نہیں ہو سکے گی اور بعد میں ہر کسی کی زبان پر یہی تھا کہ لڑکی گھر سے بھاگ گئی ہے کیونکہ وہ اس شادی پر خوش نہیں تھی۔ بے شک بری تدبیر والوں کا وبال (حقیقی) ان بری تدبیر کرنے والوں ہی کے لیے ہے۔ القرآن

اور شاذ تو یہ خبر سن کر جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔

شیزی! بیٹا! ثمانہ نے اسے ڈر کر دوبارہ مخاطب کیا۔

کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کچھ تو کہو

اب اور کیا ہو سکتا ہے مما! اب کہنے کے لیے بچا کیا ہے۔ میں تو یہ بھی نہیں کہوں گا میرے ساتھ برا ہوا کیونکہ میرے ساتھ اس بھی زیادہ برا ہونے والا ہے اور اب مجھے محبت اور انصاف میں سے کسی ایک کو چننا پڑے گا۔ شاید انصاف کو چننا ناگزیر ہو گیا ہے لیکن مما! ہر قدم پر یہ یقین رکھنے گا کہ میں نے محبت کے لیے ہی انصاف کو چنا ہے۔ وہ بات مکمل کرے کے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ دھم دھم کرتا شمع کے کمرے میں گیا اور دھڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ شمع جانماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھی۔ منہ پر ہاتھ پھیر کر سامنے دیکھ۔

تمہیں دعائیں مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ شمع! مرے پر سو درے۔ تم تو اس مقام پر کھڑی ہو جہاں نظر اٹھاؤ تو اللہ نظر آئے گا۔ قلب کی پاکیزگی! ہم گناہ گاروں پر کچھ تو رحم کھایا ہوتا تم نے۔ کہاں ٹھکانہ ملے گا ہمیں؟ وہ سرخ آنکھوں میں نمی لیے سراپا سوال بنا ہوا تھا۔

شیزی بھائی! خریت؟ کیا ہو گیا ہے اب؟ وہ جانماز لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

مت بنو اتنی معصوم۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ سب کیا اور کیوں ہو رہا ہے۔ تم سمجھتی ہو میں تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑ دونگا؟ تم اپنے معاملات نمٹا کر اس دیا سے جاو گی۔ اس سے پہلے میں تمہیں مرنے بھی نہیں دونگا۔ سمجھیں؟ وہ آواز دبا کر غرایا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے سے کون سا جرم سرزد ہو گیا جس کے لیے آپ مجھے اس قدر الزام دیتے ہیں۔ آخر میں نے کیا کیا ہے'؟ وہ بری طرح الجھ کر رو پڑی۔

اگر ایک بھی انسو تمہاری آنکھ سے نکل کر زمین پر گرتو زمین پھٹ جائے گی شمع! تم کیوں چاہتی ہو کہ میرا پورا خاندان زمین میں فن ہو جائے؟ خدا کے لیے اپنا مال واپس لو اور ہماری گردنیں اس بھاری طوق سے آزاد کرا دو۔ ہماری جان چھوڑ دو۔ شمع کے آنسو رک گئے۔ اب وہ حواس باختہ سی شاذ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کی ذہنی حالت پر شک ہو۔ وہ بہت برقی رفتاری سے ایک سوٹ کیس نکال لایا تھا اور الماری

کھول کر شمع کے کپڑے اس میں ٹھوسے

اور اگر کوئی سامان لینا ہے تو اس میں ڈال لو تمہارے پاس صرف دس منٹ ہیں اس کے بعد تم ہمیشہ کے لیے یہ گھر چھوڑ دو گی جلدی کرو۔

وہ قریب پڑی ایک کرسی پر ٹک گیا۔

مم مگر کہاں جاوں میں ؟ میرا تو کوئی ٹھکانہ نہیں۔

بکواس بند کرو اور فوراً حرکت میں آ جاو۔ تم میرے ساتھ جا رہی ہو مہر آپی کے گھر۔ ہری اپ ! شمع کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے بھی مطمئن سی ہو کر حرکت میں آ گئی۔

مگر شیزی بھائی ! اتنا تو بتا دیجئے کہ ہم وہاں کیوں جا رہے ہیں ؟ باہر نکلنے سے پہلے اس نے ایک لمحہ کے لیے رک کر شاذ کی طرف دیکھا۔

کیونکہ ہم اب جو قدم اٹھائیں گے اس کے بعد تمہار یہاں رہنا مناسب نہیں۔

ک۔ کیسا قدم۔ وہ خوفزدہ ہو گئی

پہلے تو میں پاپا سے زبانی مصالحت کروں گا اور اگر وہ نہ مانے تو۔

وہ رک کر خوفزدہ سی شمع کر دیکھنے لگا۔

تو ! وہ بے تابی سے پوچھ بیٹھی

تم کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ اب اپنا منہ بند کرو اور نکلوں یہاں سے۔ وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا اور شاذ کا خیال درست ثابت ہوا۔ حیدر خان بیس سال کے عرصے میں اچھی طرح قدم جما چکے

تھے۔اب اتنی آسانی سے تو وہ ان سب چیزوں سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔شاذ کی بات کو انہوں نے ہنسی میں ہی اڑا دیا اور اس کے سنجیدگی سے پوچھنے پر اپنے باپ ہونے کا فائدہ اٹھا کر اسے جھڑک دیا۔

ٹھیک ہے پاپا پھر بہت مجبور ہو کر مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب ہماری ملاقات کورٹ میں ہو گی۔شاذ جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

تو تم نے اس لیے وکالت پڑھی تھی کہ اپنے باپ کو کٹہرے میں کھڑا کر سکو۔حیدر خان طنزیہ مسکرائے

آپ یہی سمجھ لیں شاید ایسا ہو۔خدا حافظ۔وہ اطمینان سے کہہ کر پلٹ گیا تھا۔

کل کچھ ایسا ہوا میں بہت تھک گیا

اس لیے کے بھی ان سنی کر گیا

کتنی یادوں کے بھٹکے ہوئے کارواں

دل کے زخموں کے در کھٹکھٹاتے رہے

اجنبی شہر کے اجنبی راستے

میری تنہائی کے اجنبی راستے

میری تنہائی پر مسکراتے رہے

بس کرو شیزی! اتنا مت سوچوں۔اس تم اپنی طبیعت خراب کر لو گے۔مہر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے سر اوپر اٹھایا۔ شمع

وہاں سے جا چکی تھی اس نے مہر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

آپی! خدا گواہ ہے کہ میں آپ سب سے بہت محبت کرتا ہوں بہت زیادہ۔ اس کی سرخ آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی اور چہرے پر اضطراب کی کیفیت تھی۔

مجھے پتا ہے میری جان! مجھے پتا ہے۔ انہوں نے شاذ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ فرح کے دھلے کپڑے پھیلانے کی غرض سے باہر جاتی عینی لمحہ بھر کو یہ منظر دیکھ کر رک گئی۔ عجیب سے احساس جرم نے دل پر دستک دی تھی۔

آپی! زلفی کی موت کے بعد میرے دل میں عجیب سی ہیبت بیٹھ گئی۔ مجھے اللہ کا قہر خود سے قریب محسوس ہونے لگا ہے۔ جیسے کسی دن میں بھی یوں ہی لوگوں کو بے گور و کفن مرا ہو ملوں گا جیسے۔۔۔۔

شیزی؟ مہر پوری قوت سے چلائی تھیں وہیل چیئر کو پیچھے کر کے موڑا اور تیزی سے اندر چلی گئیں۔ شاذ نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی بس خاموشی سے کسی غیر مرئی نکتے کو دیکھتا رہا اور عینی کو لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم میں جان باقی نہ رہی ہو۔ اس قدر صحت منداور قد آور شخص کے منہ سے یاسی بات کی توقع وہ کر بھی کیسے سکتی تھی۔ اب تک تو اس نے ہمیشہ شاذ کو ایک خوش باش انسان کے روپ میں دیکھا تھا بس یہ تھا کہ اسے غصہ ذرا جلدی آجاتا تھا اور بہت غضب کا آتا تھا۔

"عینی آپی! اب ہماری سروس ہے۔ اس بار آپ جیت نہیں

سکیں گی۔ سعد کی آواز پر اس نے گاڑی کا دروازہ لاک کرتے ہوئے سامنے دیکھا۔ انتہا کی تھکن اور بیزاری کے باوجود وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

عجیب لڑکی ہے یہ ہر بار کوئی نیا گن سامنے آتا ہے اس کا۔ اس نے دوپٹے کو پیچھے کر کے گرہ لگائی اچھل اچھل شٹل کارک پر ضرب لگاتی عینی کو دیکھ کر سوچا۔

اسلام علیکم ماما! عینی آپی! میں دو منٹ میں پانی پی کر آتا ہوں۔ سعد نے شاذ کو سلام کیا اور یعنی سے کہہ کر اندر چلا گیا۔ اس کے پیچھے احمد اور فرح۔ ہم بھی پئیں گے۔ کا نعرہ لگاتے ہوئے چلے گئے۔

اسلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟ شاید اتنے عرصے میں پہلی بار عینی نے شاذ کو از خود براہ راست مخاطب کیا تھا۔ اس دن کے بعد سے لاشعوری طور پر وہ شاذ سے اکھڑ پن اور بے نیازی نہیں برت پا رہی تھی۔

وعلیکم اسلام۔ اللہ کا کرم ہے بالکل خیرت ہے۔ آپ سنائیں آپ کا دل لگ گیا یہاں پر؟ وہ نرمی سے مسکرایا اور اندر جانے کے بجائے رک گیا

۔

نہیں اب ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ بھلا دل لگانا بھی کوئی کام ہے؟ چھی۔ عینی کے دل میں درد کی لہر اٹھی تھی۔ مگر بظاہر وہ ہنس رہی تھی۔

قرت! ایک بات پوچھوں آپ سے۔ شاذ نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

جی ضرور

آپ کی بات چیت اور انداز بیاں کچھ مختلف ہے آپ کراچی کے رہنے والی لگتی ہیں۔اس کی بات پر عینی کا رنگ اڑ گیا۔شاذ سے یہ تبدیلی چھپنی نہ رہ سکی۔

جی۔اس کا سر مجرمانہ انداز میں جھک گیا تھا۔مگر کراچی میں رہنا کوئی جرم تو نہیں جو آپ اس طرح سر جھکا رہی ہیں۔شاذ نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ہاں اگر کسی اور جرم کا احساس ہوا ہے تو اور بات ہے۔عینی کو یوں لگا جیسے اس کے بدن سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔شاذ اپنی بات مکمل کر کے اندر چلا گیا تھا

چلیں آپی ؟اسٹارٹ کریں۔سعد واپس اکر کہہ رہاتا۔

آپ لوگ کھیلیں بیٹا! میں آتی ہوں۔وہ بمشکل کہہ کر اندر چلی آئی

یااللہ! اپنا آپ چھپانا کتنا مشکل ہو جاتا ہے۔میں کیا کروں۔کہاں جاوں۔اف خدا میری مدد کر۔عینی کمرے میں آکر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی تھی۔

☆☆☆☆

ناصرہ بیگم کا کنبہ یوں تو بہت مختصر تھا۔ان کے گھر میں کل چار نفوس تھے۔وہ خود ان کے شوہر شاہ حسنین اور ان کے بچے احمر اور ماہ جبین مگر ناصرہ کا اخلاق اور کردار ایسا اعلیٰ تھا کہ بڑی تعداد میں لوگ ان کے

گرویدہ تھے وہ انتہائی مہمان نواز اور بااخلاق خاتون تھیں اور نصیب کی بات کہ شوہر بھی بے حد سخی اور مالدار ملے۔ان کی زندگی کا صرف ایک اصول تھا۔نیت صاف منزل آسان۔اپنے دونوں بچوں کے بارے میں انہوں نے ہمیشہ دو نکتوں کو مد نظر رکھا۔دونوں کی اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ کریں اور ان کی شادیاں کسی اعلا نسب اور مذہب خاندان میں کریں ۔ناصرہ کا عقیدہ تھا

شرافت اور انکساری خون میں ہوتی ہے میں اپنی بہوں ایسے گھر سے لاوں گی جو اپنے ہوں اور نیک لوگوں کی اولاد ہوں۔ماہ جبیں کی طرف سے یہ آرزو پوری ہوئی اور وہ بہت اچھی جگہ بیاہ کے چلی گئی مگر احمر کے معاملے میں قسمت یاوری نہ کر سکی۔ویسے تو عاصمہ احمر کی دور کی رشتے دار کی بھی ہوتی تھیں۔مگران کی والد زہرہ سے ناصرہ کی کبھی نہ بنی تھی۔زہرہ کے طور طریقے،بد سلیقگی،رہن سہن،۔غصب کا اکھڑا پن اور سب سے بڑھ کر شخصیت کا دوغلا پن ناصر ایسی چیزوں سے بہت دور رہتی تھیں۔وہ بہت کھرا مزاج رکھتی تھیں مگر زہرہ کا انداز ان سے مختلف تھا۔سامنے والے کو میٹھی چھری سے ذبح کرنا انہیں بخوبی آتا تھا۔ناصرہ سے وہ بطور خاص کینہ رکھتی تھیں۔جس کی وجہ یہ تھی کہ زہرہ اور ناصرہ کی مائیں آپس میں سوتیلی بہنیں تھیں۔ناصرہ ان سے کوئی لگاو نہیں رکھتی تھیں مگر ان کے بارے میں خاموش رہتی تھیں جبکہ زہرہ ناصر کے متعلق زہر افشانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں۔

زہرہ کی بیٹی عاصمہ احمر کے ساتھ ایم کام کر رہی تھی یہیں سے احمر کے دل میں عاصمہ کے لیے گنجائش ہونے لگی اور اپنے گھر والوں کے لیے گنجائش کم ہونے لگی۔ عاصمہ کچھ تو اپنی ماں کی ہم مزاج تھی ہی کچھ تعلیم نے اس کے ذہن کو بہت پالش کر دیا تھا کچھ لوگ اپنی فطرت میں اس قدر منفی رویوں کی بہتات لے کر دنیا میں آتے ہیں کہ تعلیم ان کا کچھ سنوار نہیں پاتی۔ بلکہ وہ علم و دانش کو بھی منفی انداز میں استعمال کرنے لگتے ہیں۔ عاصمہ کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں تھا۔ وہ بہت ٹھنڈے مزاج کے ساتھ انتہائی آہستہ روی سے احمر کے ذہن و دل پر اس طرح قابض ہوتی چلی گئی کہ احمر کے ذہن کو ماں کا پڑھایا ہوا اطاعت و فرمانبرداری ار و لحاظ مروت کا سبق بھول گیا اور انہوں نے ایک دن سر اٹھا کر اپنی ماں سے عاصمہ کے بارے میں بات کر لی۔

ناصرہ بیگم نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا

ارے میں بہو لاوں گی کوئی اپنے خاندان سے جو ہمیں اپنا سمجھے، اپنا بنا کر رکھے۔ اس کی ماں نے کبھی ہمیں اپنا نہیں سمجھا ہے بھلا اس کے دل میں ہم لوگوں کے لیے کیا محبت ہو گی۔ وہ بہت دور اندیش خاتون تھیں۔

کیسی دقیانوسی باتیں کر رہی ہیں اماں! وہ بہت سلجھی ہوئی تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ بہت تکرار ہوئی مگر وہ کسی کی سننے پر راضی نہ ہوئے۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ گھر میں دیر سے آنا شروع کر دیا۔ غرض کہ انہوں نے اس حد

تک پریشان کیا کہ ان لوگوں کو راضی ہوتے ہی بنی۔

بتاؤ ذرا کیا زمانہ آگیا ہے۔ارے ہم بوڑھے ماں باپ تو اس قابل بھی نہیں سمجھے جاتے ہیں کہ کوئی ہم سے مشورہ کرلے۔ارے کیا ہم شادی نہ کرتے اس کی؟ایسا ہیرا چن کر لاتے کہ جو گھر میں چار چاند لگا دیتی مگر نصیب کا کوئی کیا کرے۔ناصرہ بیگم روتے ہوئے اپنی اکلوتی بیٹی ماہ جبیں سے کہہ رہی تھیں۔جس کی شادی چار ماہ قبل ہی ہوئی تھی۔

احمر نے ان اختلافات کے بارے میں ایک ایک تفصیل عاصمہ کے گوش گزار کر دی تھی جس کی وجہ سے ان کے دل میں شروع ہی سے ساس سسر کے خلاف زہر بھر گیا تھا جس کو انہوں نے کبھی ظاہر نہیں کیا تھا ۔مگر احمر کی بیوی بنتے ہی انہوں نے اس خوب صورتی سے ان دونوں کا پتا صاف کیا تھا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔سب سے پہلے عاصمہ نے احمر کے سامنے قلیل آمدنی اور اضافی اخراجات کا رونا رونا شروع کیا۔

”آخر کیا ضرورت ہے اتنی فضول خرچیوں کی۔ہر وقت لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔لوگوں کے اپنے گھروں میں کیا جگہ نہیں ہوتی جو ہر وقت یہاں گھسے رہتے ہیں؟اتنی کم آمدنی میں ہم اتنے مفت خوروں کو افورڈ نہیں کر سکتے۔آپ ان لوگوں کو منع کیا کریں کہ ہر وقت ہمارے گھر نہ گھسے رہیں۔خود بھی چین سے رہیں اور ہمیں بھی چین سے رہنے دیں۔“عاصمہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔اسے اس قسم کے ہنگامے برداشت کرنے کی عادت نہیں۔آپ لوگ اپنا اور اس کا سکون کیوں غارت کر رہے

ہیں۔" جو الفاظ رات میں عاصمہ نے احمر سے کہے تھے وہ صبح احمر کی زبان سے نکلے تھے۔

"دیکھو بیٹا! اپنا سکون تو ہم اس وقت برباد کر چکے جب تمہاری بیوی کو رخصت کروا کر لائے تھے۔ باقی باتوں کا جواب یہ ہے کہ تمہاری کمائی کو گھر میں آتے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اور لوگوں کا یہ جمگھٹا میرے گھر میں اس وقت سے رہا ہے۔ جب تم کھڑے کھڑے فرش گیلا کر دیتے تھے۔ تمہارے باوا نے تمہیں بھی کھلایا اور ان مفت خوروں کو بھی۔ تو پیارے بچے! یہ کم آمدنی کا رونا میرے سامنے نہ رویا کر، اللہ رکھے تیرا باپ آج بھی کما رہا ہے اور اگر کمانے کے قابل نہ رہا تب بھی میں سیپارہ پڑھنے والے بچوں سے جو ہدیہ لیتی ہوں، وہ ہم دونوں کے گزارے کے لیے کافی ہوگا۔ تمہاری آمدنی تمہیں اور تمہاری بیوی کو مبارک ہو۔"

ناصرہ بیگم نے چند لمحے تو ششدر ہو کر احمر کی شکل دیکھی پھر چھالیہ کترتے ہوئے بہت اطمینان سے اسے جواب دیا اس وقت تو احمر خاموش رہ گیا۔

مگر عاصمہ نے ہر دم کم آمدنی کا احساس دلا کر اسے اس حد تک پریشان کر دیا کہ روز کی جھک جھک سے تنگ آ کر اس نے اپسے روزن کھولنا شروع کر دیے جن میں سے رزق کی پاکیزگی چھن جاتی ہے۔ شاہ حسنین نے کچھ دن تو خاموشی سے صورتِ حال کا جائزہ لیا پھر ایک دن احمر کو پاس بلا لیا۔

"بیٹا! تمہیں معلوم ہے کہ انسان کو مال اتنا ہی ملتا ہے۔ جتنا اس کی قسمت

میں لکھا ہوتا ہے۔اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ سارا کچھ جلد سے جلد حاصل کرنے کے لیے شارٹ کٹ استعمال کرے اور لوٹ مچادے یا وہ صبر سے، تحمل سے اپنی باری کا انتظار کرے اور اللہ سے اچھی امید وابستہ کرے۔دوسری صورت میں انسان دنیا میں بھی کامیاب ہوتا ہے اور آخرت میں بھی فلاح پاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کے لیے بھی فلاح اور نیکی کا سبب بنتا ہے۔لیکن جو جلدی کرتا ہے اور رزق حلال کی افادیت سمجھ نہیں پاتا ہے۔وہ برباد ہوتا ہے، یہاں بھی، وہاں بھی اور اپنے آئندہ نسل کے لیے فقط تباہی کا باعث بنتا ہے۔کیونکہ انسان جو کچھ کرتا ہے، بعض اوقات اس کا پھل اس کی اولاد کھاتی ہے تو بیٹا! خود کو اور اپنی اولاد کو حرام رزق کی آگ سے بچاؤ اگر یہ آگ پھیل گئی تو نسلوں کی تباہی ہو گی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔" وہ آگ جس کا ایندھن پتھر اور انسانی جسم ہیں۔ "

انھوں نے ہمیشہ کی طرح نہایت مشفقانہ انداز میں حرام و حلال کے بارے میں بتایا۔احمر نے ہمیشہ کی طرح سعادت مندی سے سر جھکا کر ساری باتیں سنیں۔پھر یکدم سر اٹھا کر پہلی بار ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مگر ابا جان! اس ساری تقریر کا مطلب؟ کیا آپ کے خیال میں میری روزی کا ذریعہ ناجائز ہے؟"

شاہ حسنین ششدر سے رہ گئے۔انھوں نے اپنی اولاد سے اس منہ زوری کی توقع کبھی نہیں کی تھی۔

''جی بالکل۔ یہی مطلب ہے کہ آپ کے محترم والد صاحب کا یعنی جو جان ماری صبح سے شام تک۔۔۔۔۔۔۔ کرتے ہیں، وہ آپ کو نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اسی طرح محنت کرنے سے رزق حرام ہو جاتا ہے۔ حلال تو بس ابا جان نے کمایا ہے اور تو سب بے ایمان اور حرام خور ہیں۔ توبہ توبہ، جب اپنی اولاد کی طرف سے اس قدر بد ظن ہیں تو اوروں کے بارے میں کیا کیا نہ سوچتے ہوں گے۔'' عاصمہ نے جانے کب وہاں آگئی تھیں اور اب اپنے مخصوص انداز میں احمر سے مخاطب تھیں۔۔ان کے ٹھنڈے لہجے میں جو آگ تھی۔اس نے رشتوں کے درمیان بچی کھچی مروت اور رواداری کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

''ابا جان! صبح سے شام تک ہڈیاں گھستا ہوں۔رات ہونے تک جوڑ جوڑ دکھنے لگتا ہے میرا اور اس کے بعد آپ مجھے حلال اور حرام میں فرق سمجھا رہے ہیں؟'' احمر بری طرح چیخ کر رہ گئے۔ شاہ حسنین خاموش سے ہو گئے۔

''رہنے دو بچے! یہ بے چارے تمہیں کیا سمجھائیں۔۔۔۔ تمہیں تو آج کل کوئی اور سمجھا رہا ہے۔ مگر تھوڑا لحاظ مومروت ملحوظ رکھو، بات کرتے ہوئے۔ تمہارا باپ کہے گا تمہارے بھلے کے لیے ہی کہے گا۔ چلو اگر کوئی غلط بات بھی کر دے تو چپ رہ جانے میں کچھ بگڑتا نہیں سنور ہی جاتا ہے۔'' ناصرہ بیگم سے یہ بد تو زیبی برداشت نہ ہو سکی تھی۔

''ہاں اماں! باپ تو جو کہے وہ فرمان الٰہی۔ بس سر جھکا کر جوتے کھاتے

رہیں، بڑوں کی عزّت کرنا فرض جو ٹھہرا۔احمر بری طرح بھڑک رہے تھے اور عاصمہ میں چنگاری ڈال کر ایک طرف کھڑی لطف لے رہی تھیں۔

''اے بد بخت ! باپ کا کہا فرمان الٰہی نہیں مگر وہی بتا رہا تھا جو فرمان الٰہی ہے۔اب یہ نوبت آن پڑی کہ تجھے ہماری باتیں جوتوں کی طرح لگتی ہیں۔''

''بس کرو ناصرہ!'' شاہ حسنین نے ناصرہ کو غصہ میں اور دیکھ کر روک دیا۔

''مباحثہ کرنے سے دل سیاہ ہونے لگتا ہے۔احمر! ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھنا۔ محنت میں برکت ہوتی ہے۔ مگر اس وقت جب نیت میں کھوٹ نہ جب ذہن و جسم کا مثبت انداز میں درست سمت کرنے کے بعد استعمال کیا جائے۔ ورنہ محنت تو ایک چور اور ڈاکو بھی بہت کرتا ہے۔ایک سمگلر بھی نہ جانے کتنی راتیں کالی کر کے منصوبے بناتا ہے کہ فلاں راستے سے اشیاء اسمگل کی جائیں یا فلاں راستے سے۔ان لوگوں کو اس محنت کا فائدہ سارے کا سارا یہیں مل جائے گا۔ وہاں کیا ملے گا۔ یہ تو بس اللہ کو معلوم ہے تم جو کام کرتے ہو، وہ بالکل جائز ہے کہیں کہیں پر ناجائز اور حرام خود بخود شامل ہونے کی کوشش کرتا ہے اور ایسے موقعوں پر کہیں کہیں انسان کا نفس اسے اپنے کچھ، رکے ہوئے کام اور کچھ ناآسودہ خواہشات یاد دلاتا ہے۔ حرام کو حلال کر لینے کا مشورہ دیتا ہے۔

مگر میرے بچے! ایسے موقعوں پر اپنے نفس کو جھڑک دیا کرو۔ بعض اوقات حرام اور حلال میں صرف ایک معمولی سی بارڈر لائن ہوتی ہے۔ صحیح اور غلط کے درمیان محض ایک باریک سی لکیر اور کبھی کبھی ہم اپنے نفس کے شور سے اس قدر گھبراتے ہیں کہ بے خیالی میں وہ لکیر پار کر جاتے ہیں، حرام کو حلال میں شامل کر لیتے ہیں اور ایک بار وہ لکیر پار ہو جائے تو انسان کی جھجھک ختم ہو جاتی ہے اور اس کا نفس اسے پوری طاقت سے مہمیز کرنے لگتا ہے۔

''تو بیٹا! یہ ساری بات کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جب تک میرے بازو میں دم رہا، پاک روزی کمائی۔ اللہ کے فضل سے مجھے حرام رزق کبھی جوانی میں ہضم نہیں ہوا۔ اب تو بڑھاپا آ رہا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اگر اپنی کمائی اس گھر میں لاؤ تو اس بارڈر لائن کو دیکھتے ہوئے چلنا ہمیشہ ورنہ، ورنہ تمہیں دور سے میرا اسلام۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو مال اور عیال کی خاطر اپنا گھر بھڑکتی آگ سے بھر لیتے ہیں۔ میرے لیے میرا اللہ کافی ہے۔ ''

وہ اطمینان سے اسی مشفق لہجے میں کہہ کر اٹھے اور سر پہ ٹوپی جما کر نماز پڑھنے کی غرض سے چلے گئے۔ احمر ساکت سے بیٹھے تھے اور عاصمہ کی تو من کی مراد بر آئی تھی، گویا انہیں تو پہلے بھی یہ علاقہ اور اور یہاں کا طرزِ زندگی ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا اور ان کی خوش قسمتی کہ انہیں کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں پڑی۔ بلکہ الٹا شور اور ہائے ویلا کیا کہ ماں باپ نے بیٹے

بہواور پوتے پوتی کو گھر سے نکال باہر کیا۔ جب ان لوگوں نے یہ گھر چھوڑا اور ایک پوش علاقے میں شفٹ ہوئے تو ان کی بیٹی عینی کی عمر پانچ سال اور جہاں زیب محض دو ماہ کا تھا۔ عینی کا ننھا سا دل اپنے دادا، دادی سے بہت زیادہ لگاؤ رکھتا تھا۔ اس جگہ اس کے بہت سے دوست بن گئے تھے، اس لیے یہ گھر چھوڑنا اسے بے حد شاق گذار تھا۔

عاصمہ کو گھر اور گھر داری سے قطعی دلچسپی نہیں تھی۔ انہیں اپنی ساس کا طرزِ زندگی پسند نہ تھا کہ وہ اپنے اصولوں میں بہت سخت خاتون تھیں۔ اب علیحدہ ہو کر انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور گھر سے راہِ فرار اختیار کرنے کے نت نئے طریقے سوچنے لگیں۔

اور اس کے لیے سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ جہاں زیب کے لیے ایک آیا کا انتظام کیا۔ کھانا پکانے کپڑے دھونے اور صفائی ستھرائی کے لیے ماسی رکھی اور گھر کے چھوٹے موٹے دوسرے کام نمٹانے کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ کا انتظام کیا۔ ان سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے احمر کو ان سب کی تنخواہوں اور دوسرے خرچ کے لیے پریشان کرنا شروع کر دیا اور وہ ایک عورت کے سکھ چین اور اطمینان کی خاطر، زندگی کی دوڑ میں اس قدر تیز رفتاری سے شامل ہو گئے کہ وہ بارڈر لائن بھی کہیں بہت پیچھے رہ گئی۔

وہ ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے بالآخر اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان لوگوں نے یہ علاقہ بھی چھوڑ دیا اور شہر کے مہنگے ترین علاقے میں پانچ

کنال کی کوٹھی خرید لی۔اب ان کا طرزِ زندگی مکمل طور پر بدل چکا تھاان کا اسٹیٹس بہت ہائی ہو گیا تھااور ایک چھوٹے سے علاقے میں رہائش پذیر اپنے بوڑھے والدین انہیں تقریباً بھول گئے تھے۔ شروع شروع میں ایک آدھ مرتبہ وہ وہاں • گئے اور ان لوگوں کو پیسے وغیرہ دینا چاہے۔ مگر شاہ حسنین نے بہت سہولت سے انکار کر دیا۔

"ہمیں وہ چیز نہیں چاہیے بیٹا! جس کی وجہ سے ہم نے اپنی اولاد کو خود سے دور کر لیااب تک تمہیں اندازہ ہوا نہیں ہے شاید کہ جیتے جی اولاد سے جدائی کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ بس اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔ تم سے صرف اتنا کہنا ہے کہ تمہاری ماں اپنے پوتے پوتی سے شدید محبت کرتی ہے۔ ہو سکے تو ان لوگوں کو کبھی کبھی لا کر ملا دیا کرنا اس سے۔" انہوں نے احمر سے کہا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"عاصمہ شاید ٹھیک کہتی ہے کہ میں اس معاملے میں بڑا بد قسمت ہوں کہ میرے اپنے والدین بھی مجھ سے حسد رکھتے ہیں، میری ترقیوں سے جلتے ہیں۔ "

"ماشاءاللہ عاصمہ بہت سمجھدار بچی ہے، اللہ اسے بھی اپنی امان میں رکھے۔" ایک پانی کا قطرہ تھا جو شاہ حسنین کے دل کے اندر اور ناصرہ کے رخسار پر گرا تھا۔ایک درد بھری آہ تھی جو باپ کے دل کی دیواروں سے ٹکرائی تھی اور ماں کے لبوں پر سسکیوں کی صورت آئی تھی اور اس ایک آہ نے بہت تیز رفتاری سے آسمان تک رسائی حاصل کر لی تھی اور جب احمر

وہاں سے باہر نکلے تو ان کی تقدیر میں بہت کچھ لکھا جا چکا تھا۔
احمر کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ مگر انہوں نے باپ کی بات کا اتنا بھرم رکھ لیا تھا کہ ہفتے میں ایک مرتبہ عینی اور جہاں زیب کو ان لوگوں سے ملوا کر لے آتے تھے۔ عینی کو وہاں جانا بہت اچھا لگتا تھا اس طرح پرانے فرینڈز سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی اور اس ماحول میں وہ خود کو بہت پُرسکون محسوس کرتی تھی اور پھر وہ والدین سے ضد کر کے ویک اینڈ وہیں گزارنے لگی۔ عاصمہ کو یہ بات ایک آنکھ نہیں بھائی تھی۔ مگر عینی ان ہی کی بیٹی تھی اور ضد اور خود سری میں وہ اکثر اس کا مقابلہ نہیں کر پاتی تھیں۔
جب عاصمہ اور احمر نے نئی کوٹھی خریدی اس وقت عینی کی عمر دس سال ہو چکی تھی۔ ضد، اکھڑ پن، منہ زوری اور بد تمیزی کی حد تک سوال وجواب کرنا اس کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا تھا۔ اس نے اسے حد درجہ بے باک بنا دیا تھا۔
جہاں زیب کا معاملہ اس سے بہت مختلف تھا۔ وہ شروع سے آیا کے ہاتھوں پلا بڑھا ایک ڈرا سہا بچہ تھا۔ اس کی آیا ایک سخت گیر عورت تھی جو اکثر اسے مارنے پیٹنے سے بھی گریز نہیں کرتی تھی۔ مگر عاصمہ کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دیتی تھی بلکہ اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ عاصمہ اور جہاں زیب کی ملاقات جتنی کم ہو اتنا اچھا ہے۔
وہ اکثر ''بابا سو رہا ہے، پڑھ رہا ہے۔'' قسم کے مختلف بہانے گھڑتی تھی اور اگر جہاں زیب کبھی ماں سے ملاقات کر بھی لیتا تو پہلے ہی وہ اتنا ڈر اس کے

دل میں ڈال دیتی تھی کہ وہ ''سب ٹھیک ہے'' کے علاوہ کوئی بات انہیں نہیں بتا یا پاتا تھا۔

عینی بہت کچھ جانتی تھی مگر وہ یہ نہ سمجھ پاتی تھی اس کا ردِ عمل کیا ہونا چاہیے۔ کیونکہ ماں کی غیر دلچسپی اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور وہ خود ابھی اتنی باشعور نہیں ہوئی تھی کہ اس معاملے کو اپنے طور پر نمٹا سکے۔ اسے اپنے بھائی سے بہت محبت تھی مگر اس کے باوجود وہ آپا کے کھر درے اور سخت ہاتھوں کو روک نہیں پاتی تھی، بس وہ خاموشی سے سب دیکھتی رہتی جیسے وہ کسی شیشے کے پنجرے میں قید ہو جس کے آر پار سب صاف نظر آرہا تھا مگر وہ آگے بڑھ کر اس منظر کا حصہ نہیں بن پاتی تھی۔ یہ ساری باتیں مل کر اندر ہی اندر اسے چڑ چڑا اور بد مزاج بنا رہی تھیں۔

اور ایک دن وہ بھیانک حادثہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر پہلے جہاں زیب کسی بات پر رو یا تھا اور اس کی آپا نے اسے مارا پیٹا تھا۔ مگر آج جہاں زیب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور وہ اپنی بیماری کی وجہ سے مسلسل توجہ چاہ رہا تھا۔ گھر پر کوئی نہیں تھا عاصمہ بھی اپنی کسی دوست کی طرف گئی ہوئی تھیں۔ عینی اسکول سے واپس آئی تو گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

''انابی؟ جذبی کہاں ہے؟'' اس نے پورے گھر میں تلاش کرنے کے بعد آپا سے سوال کیا تھا جو میگزینز بہت آرام سے دیکھنے میں مگن تھی۔

''آج بہت تنگ کر رہا تھا بابا، میں نے سزا دی ہے واش روم میں بند کیا ہے۔ لائٹ بھی آف کر دی تھی۔'' اس کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا

تھا۔ عینی کا دل دھک سے رہ گیا۔

''وہ اندھیرے سے ڈرتا ہے آپا! آپ نے کب بند کیا ہے اسے ؟''

''گیارہ بجے۔'' جواب آیا اور عینی تڑپ کر رہ گئی۔''

''اب ڈیڑھ بج رہا ہے۔ کس واش روم میں بند کیا ہے آپ نے اسے ؟''

اس کی چیخ پر آپا بھی بوکھلائی۔

''ڈیڑھ۔ اوہ مجھے تو پتا ہی نہیں چلا۔ یہیں اسی کمرے میں۔'' عینی نے آگے بڑھ کر تیزی سے دروازہ کھولا اور اس کے حلق سے بلا ارادہ چیخ نکلی۔ جہاں زیب زمین پہ گرا ہوا تھا۔ خوب صورت ٹائلز امپورٹڈ شاور اور دنیا کی مہنگی ترین اشیاء سے مزّین چمکتے ہوئے اس واش روم میں اس وقت سب سے سستی چیز وہی چار سالہ معصوم اور کم سن سفید پڑتا بے جان جسم تھا جو اپنی شاندار کوٹھی میں اپنی ہی ملازمہ کے ہاتھوں مار کھانے کے بعد وہاں بند کیا گیا اور خوف و دہشت کے باعث کتنی ہی دیر چلاتا رہا مگر اس بے حس عورت کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور نہ اس وقت اسے خیال آیا جب اچانک اس کی چیخیں بند ہو گئیں اور اب وہ عینی کے پیچھے کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کے دماغ نے جھٹ خطرے کا سگنل دیا اور وہ وہاں سے فرار ہو گئی۔ عینی پہلے تو اسے اپنی مدد کے لیے پکارتی رہی پھر خود ہی آ کر جذبی کو کھینچ کر باہر نکالا۔ بڑی مشکلوں سے اس کے اکڑے ہوئے جسم کو بستر پر ڈالا پھر کتنی ہی دیر تک وہ جذبی کو آواز دیتی رہی، بلاتی رہی مگر کوئی جواب نہ آیا تو تھک کر رو پڑی۔ روتے روتے اسے

خیال آیا کہ کسی طرح اپنے ماں باپ کو اطلاع کر دے۔ بڑی وقت کے بعد وہ ٹیلیفون سیٹ تک آئی اور ساتھ رکھی ڈائریوں میں سے نمبر ملانے لگی۔ مگر ماں کا پتا کہیں نہ ملا۔ باپ اپنے آفس میں موجود نہیں تھا۔

وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر دوبارہ جذبی کے پاس آئی اور کتنی ہی دیر روتے روتے سو گئی۔ جب احمر اور عاصمہ گھر لوٹے تو ان کی قسمت میں بھی آنسوؤں کے سوا کچھ نہ بچا تھا۔ اس خبر کو سننے کے بعد ناصرہ اور شاہ حسنین نے پہلی مرتبہ بیٹے کے گھر کی دہلیز پار کی تھی۔

''میرے بچو! میرے پاس تمہیں دینے کے لیے دلاسے اور تسلیوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ خدا ہم سب کو اس غم کا مقابلہ کرنے کی ہمت دے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے ساری عمر کی پونجی لٹ گئی ہو۔ کچھ بھی پاس نہیں بچا۔''

شاہ حسنین کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور ناصرہ کی رو رو کر ہچکیاں بندھ رہی تھیں۔ وہ ننھا معصوم فرشتہ جیسے بار بار ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے بھول پن اور شرارت کے ساتھ آ رہا تھا۔ ناصرہ کی ملاقات اس موقع پر زہرہ سے بھی ہوئی تھی۔ جو غم واندوہ کی تصویر بنی ایک طرف بیٹھی تھیں۔

''غم تو واقعی بہت بڑا ہے زہرہ اور ہم دونوں کا سانجھا بھی ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جب آنی ہوتی ہے تب ہی آتی ہے مگر تمہیں نہیں لگتا کہ اس ننھے وجود کی موت کا سبب ہم سب کی بے توجہی

تھی۔

شاید ہم سے کچھ غلطی ہوئی ہے۔ایک لمحے کے لیے رک کر ٹھہر کر سوچو غور کرو۔ کیا ہم سے اپنی اولاد کی پرورش میں کوتاہی ہو گئی ہے ؟! اگر ایک لڑکے کی تربیت میں کچھ کمی رہ جائے تو صرف ایک لڑکے کا مستقبل غارت ہوتا ہے۔ایک فرد کی تباہی ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایک لڑکی کی تربیت میں کوتاہی ہو جائے تو ایک خاندان کی تباہی و بربادی ہوتی ہے، نسلیں غارت ہو جاتی ہیں۔ پاکیزہ ماں کی گود میں پاکیزہ خیالات اور اعلیٰ اخلاق کی مالک اولاد پرورش پاتی ہے اور مستقبل کی ایک ماں کو وہ سارے اسرار و رموز اور طور طریقے سکھانا اس کی ماں کا بہت اہم فرض ہے۔

تم ذرا غور کرنا کہ کہیں تم نے اس فرض میں غفلت تو نہیں برتی ؟ تم نے ایک مستقبل کی ماں کو کون سے طریقے سمجھائے تھے محبت سے گھر بسانے کے اور جنت کمانے کے۔اللہ کی رضا حاصل کرنے کے یا عقل سے دنیا کمانے اور اللہ کا قہر حاصل کرنے کے ؟

میری باتوں پر غور کرنا زہرہ تم اللہ کے بعد وہ واحد ہستی ہو جو اب بھی چاہے تو طوفان کو مزید تباہیاں مچانے سے روک سکتی ہے۔

ناصرہ کے سینے سے لگی عینی اپنی سانس روکے ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس روز اس کی آنکھوں میں سوچ کا پہلا رنگ اترا تھا۔ شعور و آگہی نے در ذہن پر پہلی دستک دی تھی اور زہرہ کے پاس ان ساری باتوں کے جواب میں خاموشی تھی۔ محض خاموشی۔



وقت بہت بڑا مرہم ہوتا ہے گزرتے وقت سب کے زخموں کو بھر دیا۔ مگر جانے کیوں عینی کے اندر، کہیں بہت اندر کسی زخم سے خون رستا رہتا تھا اکثر وہ رات بھر خوفزدہ ہو کر در و دیوار تکتی رہتی ہے۔ ایک منظر جب اس نے جذبی کو کھینچ کو بستر پر ڈالا تھا بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگتا اور وہ رات بھر سسکتی رہتی تھی۔ اس کی ذہنی حالت خراب ہونے لگتی تھی۔ وہ اپنے باپ سے اجازت لے کر اپنے دادا دادی کے پاس آ گئی۔ ان دنوں اس کے اسکول کی گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔

یہاں آ کر محبت اور توجہ پاکر وہ بہت حد تک سنبھل گئی اور اپنے پرانے دوستوں میں گھل مل کر کافی پر سکون ہو گئی۔ اس کے دوستوں میں ایک ماہ جبیں کی بیٹی زویا تھی۔ (ماہ جبیں، ناصرہ کے گھر کے پیچھے ہی تھیں) اور دوسرا شجاع تھا۔ زویا اور شجاع سے اس کی دوستی یوں تو پہلے بھی بہت اچھی تھی مگر اس زمانے میں ان دونوں نے جس طرح اسے سنبھالا اور اس کے دکھ کو شیئر کیا اس نے عینی کو ان دونوں کے بے حد قریب کر دیا تھا۔ شجاع کی والدہ نرم خو مگر اصول پرست خاتون تھیں اور عاصمہ کے لیے دل میں کچھ خاص خوشگوار جذبات نہیں رکھتی تھیں۔

پڑوس میں رہنے کی وجہ سے وہ عاصمہ کی فطرت اور اخلاق سے پوری طرح واقف تھیں۔ عینی سے محبت بھرا رویہ رکھتی تھیں۔ مگر گزرتے وقت کے ساتھ شجاع اور عینی جس طرح قریب آ رہے تھے۔ وہ انہیں کھٹکنے لگا تھا۔

ایک تو وہ عاصمہ کے حوالے سے کبھی عینی کو قبول نہیں کر سکتی تھیں اور عینی خود بھی اپنی تمام تر محبتوں کے باوجود ایک انتہائی، خود سر اور بے باک بگڑی ہوئی امیر زادی کے روپ میں سامنے آ رہی تھی۔ اس سلسلے میں وہ اکثر شجاع کو متنبہ کرتی رہتی تھیں۔ رد عمل یہ ہوتا کہ وہ عینی سے محتاط ہو جانے کے لیے کہتا اور جواباً بے پروائی سے ہنستی رہتی۔

ان دنوں وہ میٹرک کے امتحان سے فارغ ہوئی تھی اور اس کا دل دوبارہ چھٹیوں کے دن دادا ابو کی محبت بھری باتوں اور دادی کی شفیق جھڑکیوں کے ساتھ گزرنا چاہتا تھا اور وہ جانتی تھی کہ حسبِ معمول عاصمہ کوئی نہ کوئی عذر پیش کریں گی۔

ہیلو ڈیڈ! ہائے مام!'' وہ ڈائننگ روم میں لہکتی ہوئی داخل ہوئی کندھے پر لٹکا بیگ اتار کر زمین پر رکھا اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''یہ بیگ؟ کہاں کی تیاری ہے۔'' عاصمہ نے تیکھے انداز سے اسے دیکھا۔

''دادا جانی کے پاس۔ شرفو! جمیلہ! ناشتہ لاؤ فٹافٹ ایک آملیٹ اور گرما گرم چائے۔ ہری اپ'' اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

زویا اور شجاع سے ملے کافی دن ہو گئے ہیں۔'' اس نے کہا تو عاصمہ بھڑک گئیں۔

''یہ دو دو ٹکے کے لوگوں سے ملنا بند کر دو عینی! ورنہ خود بھی ایسی ہی ہو جاؤ گی اور یہ شجاع تو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا ہے۔ مڈل کلاس رویوں کا حامل، ایک بنیاد پرست شخص۔''

''مجھے اس کی ان کوالٹیز سے کیا لینا دینا ہے مام! وہ صرف میرا دوست ہے۔
بہت اچھا اور سچا دوست بس۔''
''اچھا عینی! یہ بتاو کہ تمہارا آگے کون سا سبجیکٹ پڑھنے کا ارادہ ہے؟''
احمر نے بات بگڑتی دیکھ کر موضوع بدلنا چاہا۔اس دوران عینی کا ناشتہ آگیا تھا۔
''مجھے تو ڈرائینگ کے سوا کوئی چیز اچھی نہیں لگتی ڈیڈ۔'' عینی نے سلائس دانتوں سے کاٹ کر چائے کا گھونٹ بھرا۔
''اچھا تو پھر ہمارا بیٹا فائن آرٹس پڑھے گا۔کیوں بھئی۔''
''اویس ڈیڈ۔'' عینی نے خوش ہو کر کہا۔
''نو نیور،اسے میڈیکل پڑھنا ہے اور یہ ڈاکٹر بنے گی۔'' عاصمہ نے حاکمانہ انداز میں کہا۔
''مجھے سائنس سے نفرت ہے۔'' وہ فوراً بول پڑی۔
''تو اب محبت کر لو۔'' ان کا انداز بدستور تھا۔
''محبت اور نفرت کسی کی مرضی سے نہیں ہوتی ہے۔اٹس سو نیچرل مام!''
اس نے نیپکن سے ہاتھ پوچھا اور اطمینان سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
☆☆☆☆
احمر اور عاصمہ نے عینی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میٹرک میں اس کی پرسنٹیج اچھی آئی تو وہ اسے ہیرے کی لونگ بنوا کر دیں گے اور جب یہ بات عینی نے دادی کو بتائی تو وہ بھڑک اٹھیں۔

''اے ہے۔ کنواری لڑکیاں ناک کی لونگ نہیں پہنتیں۔ خبردار جو تم نے ناک میں ڈالی۔ ''

''واہ دادی؟ میری کلاس فیلو سائرہ پہنتی ہے۔ مجھے بھی پہننی ہے بس۔''
اس نے اکھڑ پن سے کہا تو ناصرہ خاموش ہی ہو گئیں۔

اگلے دن وہ زویا کے گھر گئی۔ ''مام کہتی ہیں مجھے بھی سائنس پڑھنا ہے اور پتا ہے زویا! مام شروع سے خواہش رکھتی ہیں کہ میں بہت زیادہ پڑھوں۔ صرف پڑھائی نہیں اور سارے کام وہ چاہتی ہیں کہ میں ان کی مرضی سے کروں مگر وہ جتنا مجھے کسی بات کے لیے فورس کرتی ہیں، اتنا میرا دل ہٹنے لگتا ہے اور اب میرا دل پڑھنے میں بھی نہیں لگتا ہے۔ لاسٹ سمسٹر میں میرے مارکس بھی کم آئے تھے۔'' زویا اس سے ایک سال سینئر تھی اور سائنس کی اسٹوڈنٹ تھی۔

''کیوں، تم محنت کیا کروں ناں۔ اگر مامی کہتی ہیں تو تمہارے بھلے کے لیے ہی کہتی ہوں گی اور سائنس تو بہت انٹرسٹنگ سبجیکٹ ہے۔ ''

''خاک انٹرسٹنگ ہے اور کیا ضروری ہے کہ پیرنٹس جو کہیں وہ درست ہو؟'' عینی ایک کاغذ پر کوئی اسکیچ بنا رہی تھی۔

''میرا تو خیال ہے کہ ایسا ہی ہے۔ پیرنٹس ہمیشہ ہمارے بھلے کی بات کرتے ہیں۔'' زویا نے سر ہلایا تو عینی لمحے بھر کے لیے سوچ میں پڑ گئی۔

''اور جو پیرنٹس کے پیرنٹس یعنی دادا دادی، نانا نانی وغیرہ کہتے ہیں؟ ''

''وہ بھی ٹھیک کہتے ہیں کیونکہ وہ رتبے میں دوگنا بڑے ہوتے ہیں۔'' زویا

نے کہا۔

"صرف رتبے میں بڑا ہونا اس بات کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ میں نہیں مانتی۔ میرا یقین تو یہ ہے کہ جو دل کہے وہ سنو بس" وہ اچانک بیڈ پر ہی کھڑی ہو گئی۔

"اور میں قرۃ العین احمر ہمیشہ اپنے دل کی سنوں گی یہ میرا خود سے عہد ہے اور یہ روایت میں نے ان سے ہی سیکھی ہے جو مجھ پر حکمرانی کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یعنی میرے گریٹ پیرنٹس۔" وہ ایک ہاتھ اٹھا کر باآواز بلند کہہ رہی تھی۔ زویا اسے دیکھ کر رہ گئی۔

اور جب اس کا میٹرک کا رزلٹ آیا تو اس نے نہایت فخر اور غرور سے عاصمہ کی دی ہوئی خوب صورت لونگ کو اپنی ناک کی زینت بنایا تھا۔

"اچھا بھئی، اب یہ بتاو کہ ہماری بیٹی اب کون سے کالج میں ایڈمیشن لے گی؟"

"پاپا! میں سائیکولوجی میں ایم اے کروں گی یا فائن آرٹس پڑھوں گی۔ کالج کا سلیکشن بھی اس کے مطابق کروں گی۔ پہلے مجھے زویا اور شجاع سے بات کرنا ہو گی۔" وہ جانتی تھی کہ عاصمہ کا بی پی ہائی ہونے کا ہے مگر وہ بہت اطمینان سے کھڑی تھی۔ "

"ایک تو اس مڈل کلاس لڑکے نے اس کی زندگی تباہ کر دی ہے۔ تم اچھی طرح کان کھول کر سن لو عینی تم میڈیکل پڑھو گی۔" عاصمہ کی آواز میں غراہٹ تھی۔

''سوری مما! میٹرک تک بھی میں نے صرف آپ کی خاصر سائنس پڑھی ہے۔اب ہر دفعہ میں آپ ہی کی بات تو نہیں مان سکتی نا۔
نیو جنریشن کی کچھ اپنی پرابلمز ہوتی ہیں۔آپ لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ ''
عینی نے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہااور تیزی سے باہر نکل گئی اور عاصمہ غصے کے مارے چیزیں یہاں وہاں پھینکنے لگیں۔
''یہ کل کی لڑکی ہمیں اولڈ جنریشن کہہ رہی ہے۔مائی گاڈ۔۔۔۔مجھے حیرت ہے۔میں نے اس کو برداشت کیسے کیا ہے۔'' احمر نے بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا تھا۔
''تمہیں یاد ہے نا احمر! تم صرف ایک معمولی کلرک تھے جب ہماری شادی ہوئی تھی اور آج جو کچھ ہو صرف میری وجہ سے۔میں نے تم لوگوں کی خاطر کیا کچھ نہیں کیا اور یہ مجھے ایک پل میں اپنے آپ سے الگ کر گئی ہے۔او گاڈ۔'' وہ سر تھام کر بیٹھ گئیں۔اور پھر وہی ہو! جو اس نے چاہا۔
اس کا ایڈمیشن ایک ہائی اسٹینڈرڈ کالج میں بہت آرام سے ہو گیا مگر اس نے اپنی مرضی کے مطابق آرٹس میں داخلہ لیا۔
''تمہیں معلوم ہے شجاع! اس لڑکی کی ضد نے آنٹی اور انکل کو کتنا ہرٹ کیا ہے؟ حالانکہ اس کے مارکس بہت اچھے آئے تھے۔یہ ان کی خواہش پوری ہو سکتی تھی۔''
اس دن زویا اور شجاع ناصرہ کے گھر آئے تھے۔کیونکہ وہ حسبِ معمول ویک اینڈ پر آئی ہوئی تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم اس قدر خود غرض کیوں ہوتی جارہی ہو۔ تم نے کبھی غور کیا ہے۔ حتیٰ کہ تم اپنے ماں باپ کے لیے بہت اذیت کا باعث بنتی جارہی ہو؟'' زویا کی بات پہ شجاع نے اطمینان سے ڈرائی فروٹ پھانکتی عینی کو ملامت آمیز نظروں سے دیکھا۔

''میں بے کار باتوں پہ غور نہیں کیا کرتی ڈیئر فرینڈ! لو ڈرائی فروٹ کھاو۔'' اس نے لاپروائی سے پلیٹ شجاع کی طرف بڑھائی۔

''تم کیا سمجھتی ہو، اس طرح بی ہیو کر کے تم فلاح پاجاو گی؟ تم اخلاق سے اس قدر عاری کیوں ہوتی جا ہو؟'' وہ اس کے اطمینان پر جل کر رہ گیا۔

''وہ لشجی! ڈیم اٹ۔ کیا کیوں کیسے؟ تم نے غور کیا؟ تم سمجھتی ہو؟ ان باتوں کے علاوہ تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے؟ میں جس کلاس سے تعلق رکھتی ہوں، وہاں ایسی باتیں کرنے والوں کو دقیانوسی اور بنیاد پرست کہتے ہیں۔ ہماری کلاس میں کسی پر کسی کے ڈیوز نہیں ہوتے۔ اخلاق، مروت، رواداری۔ نان سینس ہمارے یہاں صرف ہمارے حقوق ہوتے ہیں، ہماری ذات کے حقوق بس۔ ہمیں فرائض سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ ہمارے لیے ہمارے دل کی مرضی، ہماری چاہت سب کچھ ہوتی ہے۔ میرے اس اتنا فالتو وقت نہیں ہے کہ میں خود کو دوسروں کی چاہتوں اور خواہشوں پر قربان کرتی پھروں۔ ''

اس نے پلیٹ ایک طرف پٹخ کر تلخی سے کہا تو جاء نماز طے کرتی ناصرہ نے اپنے وجود کو پتھر ہونے محسوس لیا تھا۔

''مگر بیٹا تم نے کبھی یہ سوچا کہ تم بہت خصوصی طور پر اپنی ماں سے متنفر ہو رہی ہو۔ حالانکہ۔ ''

''اب آپ مجھ سے اس ٹون میں بات نہ کریں دادی۔ پلیز فار گاڈ سیک میں یہاں ٹینشن ریلیف کرنے آتی ہوں، مزید ڈپریس ہونے کے لیے نہیں۔ مگر میں یہاں سے جاتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ میں دو حصوں میں بٹ گئی ہوں۔ میرے اندر دو وجود سانس لینے لگتے ہیں۔ کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں یہاں نہ آیا کروں؟'' اسے اب غصہ آنے لگا تھا۔

''ہم میں سے کوئی ایسا نہیں چاہتا لیکن نانو ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ تم اپنے اندر اپنے سوالوں کے جواب تلاش کرو پھر تم اس قدر منتشر نہیں رہو گی۔ عاصمہ آنٹی کے ساتھ تمہارا رویہ واقعی بہت زیادہ خراب ہے اور یہ غلط بات ہے۔'' زویا نے اس کے غصے کی قطعاً پروا نہیں کی۔

''نہیں یہ بالکل درست ہے، وہ اس رویے کی مستحق ہیں بلکہ وہ تو اس سے بھی زیادہ برے رویے کی مستحق ہیں۔'' اس نے حقارت بھرے انداز میں سر جھٹکا۔

''اپنی ماں کے لیے یہ انداز اختیار نہیں کرتے ہیں عینی!'' ناصرہ نے تنبیہی انداز میں گھورا تو وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی ہیں۔

''کبھی آپ کے سوالوں کے جوابات دوں گی دادو۔ مگر ابھی وقت نہیں آیا۔''

''تمہارا یہ رویہ ہم دونوں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کر رہا ہے عینی!

تمہیں احساس ہے۔؟'' ناصرہ کے اندر چلے جانے کے بعد شجاع نے اسے مخاطب کیا۔

''ہم دونوں؟ یعنی میں اور تم۔ مگر کس لحاظ سے؟'' عینی نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم نہیں جانتیں؟'' شجاع کھڑا ہو گیا۔

''نو سوری۔'' وہ بھی اسی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کھڑی ہوئی۔

''اوکے، اللہ حافظ۔'' شجاع نے کہا اور پلٹ کر باہر چلا گیا۔

''تم نے اسے خفا کر دیا ہے عینی! وہ تم سے۔۔۔۔۔۔۔۔''

''شٹ اپ زویا! تمہیں کوئی ضرورت نہیں اس کی طرف سے وضاحتیں دینے کی۔ کچھ شجاعت، شجاع احمد کو بھی تو دکھانے دو ناں۔ دیکھ لینا، سر کے بل چل کے آئے گا دوبارہ۔'' عینی یقین کے ساتھ مسکرا رہی تھی۔

اور اس کا یقین درست ثابت ہوا۔ اگلے ہی دن شجاع دوبارہ آ گیا۔

''کیسی ہو؟ نانو نظر نہیں آ رہی ہیں۔'' وہ جیکٹ کی جیب میں ہاتھ پھنسائے پوچھ رہا تھا۔

''ہوں پڑوس میں گئی ہوئی ہیں اور دادا جان نماز پڑھنے۔ تم بیٹھو ناں۔'' وہ ہمیشہ کی طرح ''سواٹ'' ہو کیئرز'' کی تصویر بنی صحن میں بیٹھی دھوپ سینک رہی تھی۔

''آج سردی کچھ زیادہ ہے ناں۔'' شجاع نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے

ہوئے یونہی کہا تو وہ مسکرادی۔

''ہاں اور میرے پاس اس سردی کو کم کرنے کی ایک ترکیب ہے۔''

''کیا؟'' شجاع نے پوچھا تو وہ کچھ کہے بغیر اندر چلی گئی تھوڑی دیر میں واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں خوب صورت سا سگریٹ کیس اور لائٹر تھا۔

''اصل میں دادی ان چیزوں پر بہت اعتراض کرتی ہیں اس لیے چھپا کر رکھتی ہوں ورنہ وہاں تو میری جینز کی پاکٹ میں ہوتا ہے یہ ہر وقت۔'' وہ بہت اطمینان سے سگریٹ نکال کر اس نے ہونٹوں میں دبایا، لائٹر سے اسے جلایا اور ایک گہرا کش لگا کر دھواں چھوڑتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''ول یو پلیز۔'' عینی نے سگریٹ کیس شجاع کی طرف بڑھایا جو سکتے کی حالت میں اس کی انگلیوں میں دبا سگریٹ اور اس کا کش لگانے کا ماہرانہ انداز دیکھ رہا تھا۔

''عینی! تم سگریٹ۔'' الفاظ اس کے ہونٹوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے۔

''ہاں شجی! ہمارے کالج میں اکثر لڑکیاں اسموکنگ کرتی ہیں ویسے مزہ بڑا آتا ہے۔ تم ٹرائی کرو۔'' وہ اسے آفر دے رہی تھی۔

''عینی! تم کن راہوں پر چل نکلی ہو؟ میری امی تمہارے بارے میں پہلے ہی کوئی نیک خیالات نہیں رکھتی ہیں۔'' اس کا پارہ آخری حدوں کو چھونے لگا۔

''کم آن شجی! تم جانتے ہو کہ میں ایسی باتوں کی پروا نہیں کرتی ہوں اور تمہاری امی سے میرا کیا واسطہ؟ وہ بے نیازی سے اپنی جگہ واپس جا کر بیٹھ گئی۔

''ابھی نہیں ہے۔ بعد میں ہوگا ناں؟'' شجاع نے غصے سے کرسی کی ہتھی پر مکہ مارا۔

''مگر کیوں؟'' اس نے بھنویں اچکائیں۔

''کیوں؟ کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں؟'' وہ طیش کے عالم میں کھڑا اور گیا۔

''محبت؟ شادی؟'' عینی سے حیرت سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''آر یو آل رائٹ شجاع احمد! ایسی کوئی کمٹ منٹ ہمارے درمیان نہیں ہوئی ہے۔''

''ٹھیک ہے، اب کر لو۔ ول یو میری می؟'' شجاع نے کہا تو وہ زور سے ہنس پڑی۔

''کم آن شجی! میں نے اس بارے میں بالکل نہیں سوچا اور پھر تمہاری ممی مجھے اتنا ڈس لائیک کرتی ہیں وہ کہاں ماننے والی ہیں۔ ''

''میں انہیں منا لوں گا، یہ میرا تم سے وعدہ ہے مگر تم اپنے آپ کو تھوڑا بدلو اور یہ چھوڑ دو۔'' شجاع نے جلتے ہوئے سگریٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''تم سودے بازی کر رہے ہو شجاع احمد! محبت میں سودے بازی؟'' اس نے طنزیہ انداز میں ایک اور کش لگایا۔

"میں تمہارے بغیر رہنے کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا مگر میری ماں کبھی راضی نہیں ہو گی اگر تمہاری عادات نہ بدلیں تو۔" وہ جذباتیت سے کہہ رہا تھا۔

"تم میری خاطر یہ نہیں چھوڑ سکتیں؟ خود کو بدل نہیں سکتیں؟"

بہت مشکل ہے۔ چلو کوشش کروں گی۔ رائٹ؟"

اس نے سگریٹ زمین پر پھینک کر چپل سے مسلی تو وہ طمانیت سے مسکرا دیا۔

"ڈیڈ! مجھے گاڑی چاہیے۔ میری ذاتی گاڑی مجھے آنے جانے میں پرابلم ہوتی ہے۔"

"اوہ شیور! کیوں نہیں بھئی ہم اپنی بیٹی کے لیے بہت خوب صورت گاڑی لائیں گے۔ لیکن پہلے آپ اپنی مما سے پرمیشن لے لیں۔"

احمر نے عاصمہ کی طرف دیکھا۔ "میرے لیے اس گھر کا سربراہِ اعلا میرا باپ ہے۔ اگر آپ کے لیے کوئی اور ہے تو اس سے پرمیشن آپ خود مانگ لیں۔ مجھے ہر حال ایک ہفتے کے اندر گاڑی چاہیے۔" عینی کا انداز قطعی تھا۔

"کیوں؟ تم کون سا بسوں پر دھکے کھاتی ہوئی جاتی ہو؟ وین پر آتی جاتی ہو۔ پرابلم کیا ہے تمہیں؟ ہم نے تو اپنے زمانے میں یہ نخرے نہیں کیے۔ دھواں اڑاتی بسوں پر سفر کرتے تھے مگر اف تک نہیں کرتے تھے۔"

عاصمہ کی زخم خوردہ انا چیخ پڑی تھی۔

''ڈونٹ شاوٹ مام! نخرے وہی کرتا ہے جو نخرا افورڈ کر سکتا ہے۔ آپ نے بھی اس وقت تک اف نہیں کیا جب تک آپ کو علم تھا کہ آپ کا ''اُف'' بیکار ہے۔ میرے ساتھ سیچویشن مختلف ہے۔'' وہ اپنی مخصوص ہٹ دھرمی سے کہہ رہی تھی۔

''چلو! چلو ٹھیک ہے بھئی۔ ہم آپ کو گاڑی دلا دیں گے۔ خوش!'' احمر نے جلدی سے کہا۔ گویا جنگ چھڑنے سے روک رہے ہوں۔

☆☆☆☆

سرخ رنگ کی شیراڈا اس قدر قریب آ کر رکی تھی کہ شجاع بے اختیار ہی اچھل کر پیچھے ہو گیا تھا۔

''ڈر گئے بزدل!'' وہ کھڑکی سے سر نکال کر ہنستے ہوئے گویا اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

''تم! عینی؟'' وہ اب تک حیرت زدہ سا تھا۔

''کیوں؟ تمہیں کوئی اعتراض؟ چلو آ جاو، آج مابدولت تمہیں اپنے پلین پر گھر چھوڑ آئیں۔'' وہ حد سے زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''نہیں رہنے دو۔ میں چلا جاوں گا۔ میری بس آتی ہی ہو گی۔'' شجاع نے پس و پیش سے کام لیا۔

''کم آن شجی! یقین کرو میں تمہیں گھر ڈراپ کرنے کے بعد ایک پیالی چائے کی ڈیمانڈ بالکل نہیں کروں گی۔'' وہ شرارت سے مسکرائی تو شجی خجالت سے سر کھجاتے ہوئے دوسری طرف سے آ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔دراصل۔۔۔۔'' شجاع نے صفائی دینی چاہی تو عینی نے ٹوک دیا۔

''پلیز شجی! کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔مجھے پتہ ہے کہ تم امی سے کتناڈرتے ہو۔ ''

''میں ان کااحترام کرتاہوں۔ڈرتانہیں ہوں۔'' وہ فوراًبول پڑا۔''سچ پہ ڈالتے ہیں لفظوں کا پیراہن۔۔۔۔'' وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباکر مسکرائی۔

''خیر جانے بھی دو جس طرح تمہاری امی کو میرا وجود دنا گوار گزرتا ہے بالکل اسی طرح میری مما تمھیں ناپسند کرتی ہیں مگر میں نے توہر حال میں تمہاری دوستی قائم رکھی ہے لیکن مجھے لگتاہے کہ تم ضرور مجھے دھوکا دے جاوگے کبھی اور بہانہ ہوگاوالدین کااحترام۔ہونہہ۔'' اس نے گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھائی۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا عینی! تمہاری محبت میں، میں جان سے گزر سکتاہوں۔آزمالینا کبھی۔میں امی کوراضی کرلوں گاامی عاصمہ آنٹی کے بی ہیویر کی وجہ سے خفارہتی ہیں اور توکوئی بات نہیں ہے۔ ''

''دیکھیں گے بھئی۔'' عینی نے مسکراکر بات ختم کردی۔

''ویسے تم نے بہت جلدی ڈرائیونگ سیکھ لی ہے۔زبردست۔'' شجاع نے داددی تووہ کالر جھاڑنے لگی۔

☆☆☆

دن پہ دن گزرتے گئے اور عینی کالج کلاسز عبور کرتے ہوئے یونیورسٹی تک آ گئی۔ اس نے اپنی مرضی کے مطابق سائیکالوجی کے سبجیکٹ کو چنا تھا۔ اس کا وہی رنگ ڈھنگ تھا۔ اس نے سموکنگ چھوڑنے کے بجائے اب ڈنکے کی چوٹ پر شروع کر دی تھی۔ یہ واحد چیز تھی جس پر شاہ حسنین نے اسے بذاتِ خود ٹوکا تھا اور ان کے سمجھانے کا عینی پر بس اتنا اثر ہوا تھا کہ اس نے ان کے سامنے کبھی سگریٹ نہیں پی۔

''ہم لوگ بہت بدنصیب ہیں اماں!'' عینی نے اس دن دادا کے گھر میں قدم رکھا تو ماہ جبیں کی آواز سن کر لمحہ بھر کے لیے رک گئی۔ زویا سے جتنی اس کی دوستی تھی، ماہ جبیں سے اتنا ہی بیر تھا۔ ''وہ ماں باپ جو اس وقت ہماری دیکھ بھال کرتے ہیں جب ہماری حیثیت زمین پر رینگنے والے کیڑے سے بھی کمتر ہوتی ہے اور جب ہم کسی قابل ہو جاتے ہیں تو جس طرف منہ اٹھتا ہے، چل پڑتے ہیں اپنے والدین کو لاوارثوں کی طرح چھوڑ کر۔'' ماہ جبیں کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''نہیں بچے ایسے نہیں کہتے۔ تم تو میری بہت فرمانبردار اطاعت گزار بیٹی ہو۔ خدا تمہیں دونوں جہاں میں سکھی رکھے۔'' ناصرہ بیگم کی شفقت بھری آواز پر عینی نے دروازے کی جھری سے اندر جھانکا مہ جبیں ناصرہ کے سر میں ڈال رہی تھیں۔

''مگر بھائی جان کی وجہ سے تو دل بہت دکھی ہوا ہے نا؟ صرف ایک عورت نے ان کے حواسوں پر اس طرح قبضہ کر لیا ہے کہ نہ اپنی آنکھوں سے

دیکھتے ہیں۔ اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور نہ اپنی زبان سے بات کرتے ہیں۔ بھابھی جس خوب صورتی سے انہیں نچاتی رہی ہیں، اس سے زیادہ مہارت سے وہ ناچتے رہے ہیں۔ یہ محبت تو نہیں ہے اماں؟ بھابھی تو صرف چالیں چلتی ہیں اپنے مفاد میں فضا ساز گار رکھنے کے لیے اور چالیں چلنے والا محبت تو نہیں کرتا۔ بس چالیں چلنے کا خواہشمند ہوتا ہے وہ بڑی مہارت سے انہیں مہرہ بنا کر چال چلتی رہیں اور بھائی جان کو احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ کب اپنے والدین کی فرمانبر داری کے دائرے سے نکل کر بے ہدایت ہو گئے۔" ماہ جبیں بہت لگن کے ساتھ ماں کے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھیں۔

"چھوڑو بیٹا! ان باتوں کا کیا فائدہ۔ مجھے اور تمہارے باپ کو تو بس ایک دکھ نے مار ڈالا کہ ہماری اولاد ہو کر احمر نے رزقِ حرام کا در کھولا ہے نہ جانے ہم سے کب کوئی بھول ہو گئی ہے اور اب عینی کو دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ کیسی پیاری بچی ناقدری ماں کے ہاتھوں برباد ہو کر رہ گئی ہے۔" ناصرہ کی آواز دکھ سے لبریز تھی۔ عینی نے بے بلاارادہ چوکھٹ تھام لی تھی۔

"برباد؟ ارے رل گئی اماں! تہس نہس ہو گئی۔ کوئی اخلاق ہے اس کا؟ کوئی کردار ہے اس کا؟ توبہ ماں باپ کے سامنے جینز اور ٹی شرٹ پہن کر کش لگاتی ہے اور۔۔۔۔"

عینی نے چوکھٹ پر ہاتھ زور سے جما لیا پھر ذرا دماغ قابو میں آیا تو پلٹی اور تیز

قدموں سے باہر نکل گئی۔

"وہ ماں باپ اور ہوتے ہیں جن کے حکم خدا کے حکم کا درجہ رکھتے ہیں۔ میرے والدین تو وہ لوگ ہیں جنہیں خود اپنی غلطی کا ادراک نہیں اور ایسے لوگوں کی باتیں میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں جنہیں خود صحیح غلط کی آگہی نہ ہو، وہ اپنی اولاد کو کیا سمجھا سکتے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں اپنے آپ سے مخاطب تھی۔ اس کے اندر کا اضطراب حد سے زیادہ بڑھنے لگا تھا۔

"عینی! تمہارے پاپا کا خیال ہے کہ تم اب بڑی ہو گئی ہو، اس لیے ہمیں تم سے مشورہ لینا چاہیے۔" عاصمہ اس کے ارد گرد پھیلی کتابوں کو سمیٹ کر اپنی جگہ بناتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"تھینکس مگر جو بھی کہنا ہے جلدی کہیے مام! مجھے اپنے سمسٹر کی تیاری کرنی ہے۔" وہ ان دنوں ایم اے کے سیکنڈ سمسٹر کی تیاری کر رہی تھی۔

"بات یہ ہے کہ ہم تمہاری شادی طے کر رہے ہیں مسز زبیری کے بھانجے سے۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ ان کا بھانجا وکیل ہے اور۔۔۔۔۔"

" جسٹ اے سیکنڈ مام۔" اس نے عاصمہ کی بات کاٹی "آپ مجھ سے مشورہ لے رہی ہیں یا اطلاع دے رہی ہیں؟

"جو تم سمجھو۔" عاصمہ نے سرد سے انداز میں کہا۔

"تو پھر ایک اطلاع میں بھی آپ کو دے دوں مما! کہ مجھے شجاع کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرنا ہے۔" اس کے قطعی انداز پر عاصمہ بھنا کر اٹھ

کھڑی ہوئیں۔

''بکواس بند کرو اگر تم نے پھر کبھی اس تھرڈ کلاس فیملی کا نام لیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ ''

''مما! میرا میسج پاپا کو دے دیجئے گا۔ گڈ بائے۔'' وہ اطمینان سے کہہ کر دوبارہ اپنی فائل پر جھک گئی۔

گزرتے ماہ وسال نے اسے بہت بدل دیا تھا۔ اس کے ماں باپ اس سے سخت بیزار اور نالاں ہو گئے تھے۔ ماہ جبیں کو اس میں دوسری عاصمہ کی جھلک نظر آتی تھی۔

☆☆☆☆

''کیا تم نے آنٹی سے یہ سب کہہ دیا؟'' شجاع کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ زویا بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

''عینی! یہ تم کیا کرتی پھر رہی ہو؟'' وہ دونوں عینی کے بلانے پر اس کی یونیورسٹی آئے تھے۔

''کیوں؟ پھر مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟ اس وکیل سے شادی کی ہامی بھر لیتی؟ اور تم! تم فوراً سے پہلے اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجو، سمجھے؟'' وہ شجاع سے کہہ رہی تھی۔

''عینی! پلیز تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے امی کو منانے میں تھوڑا وقت لگے گا۔'' وہ حسبِ معمول بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

''ہماری ملاقات کوئی دو چار دن پہلے نہیں ہوئی ہے۔ بچپن سے ہم ایک

دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم آج تک اپنی مما کو راضی نہیں کر پائے۔ میں نے تمہاری خاطر اپنے ماں باپ سے بغاوت کر دی ہے۔ کم از کم اپنے نام کی عزّت رکھ لی ہوتی شجاع احمد صاحب!'' وہ بھرپور طنز کر رہی تھی۔

''زویا؟ اسے سمجھاو یہ میری مجبوریوں کو سمجھ نہیں رہی ہے۔''

شجاع نے دہائی دی۔

''مجھے سمجھانے کے بجائے تم سمجھو میں کوئی اسکول میں پڑھنے والی تیرہ چودہ سال کی بچی نہیں ہوں۔ ایم اے کی سٹوڈنٹ ہوں۔ اگلے ماہ بائیس برس کی ہو جاوں گی۔ تم مجھے مزید باتوں سے نہیں بہلا سکتے۔ یہی وقت ہے، کچھ کر سکتے ہو تو کر لو۔ میں تمہارے ساتھ بھاگ جانے پر بھی راضی ہوں۔'' اس کے لہجے کی ٹھنڈک کو ان دونوں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں اترتا محسوس کیا تھا۔

''عینی! پلیز ہوش میں رہ کر بات کر وہ کہہ رہا ہے ناں کہ اپنی امی کو منا لے گا۔'' زویا نے اسے ٹوکا۔

''نہیں زویا! اس کی امی کبھی نہیں مانیں گی۔ میں جانتی ہوں۔ میری مام بھی کبھی نہیں مانیں گی یہ تم لوگ بھی جانتے ہو پھر ہم ایسی راہ کیوں نہ اختیار کر لیں جس میں ہمیں کسی کو منانے کی ضرورت پیش نہیں آئے۔'' وہ بہت اطمینان سے سگریٹ سلگاتے ہوئے ایسے کہہ رہی تھی جیسے شادی کے بجائے آئس کریم کے پسندیدہ فلیور پر بات کر رہی ہو۔

''تم شاید ایسے کر سکتی ہو مگر میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا ہوں۔ تم نے

میری خاطر کوئی قربانی نہیں دی، کبھی کوئی ایثار کیا؟ نہیں تم اس قدر اپنے لیے جیتی ہو کہ تم خود کو بدل کر میری ماں کی پسند کے مطابق بھی نہیں ڈھل سکیں پھر میں کیا کروں؟" شجاع نے دکھ سے اس کی انگلیوں کے درمیان جلتے ننھے سے شعلے کو دیکھا۔

"قربانی شجاع احمد! تم قربانی کی بات کرتے ہو۔ میں تو کسی سے کمپرومائز بھی نہیں کر سکتی ہوں۔ تم نے مجھ سے اسی طرح محبت کی تھی اور ایسے ہی قبول کرنا ہوگا۔ میں کہہ رہی ہوں ناں کہ میں تمہارے ساتھ بھاگ بھی سکتی ہوں، ہم کورٹ میرج کر لیں گے۔ ایوری تھنگ از فیئر اِن لو اینڈ وار۔" وہ شجاع کو بڑی چیلنجنگ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"سوری عینی! میں اپنی ماں سے بہت محبت کرتا ہوں۔" شجاع نے گویا چیلنج قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

"اور مجھ سے؟" وہ تمسخر سے مسکرائی۔

"تم سے بھی کرتا ہوں مگر میں اپنی ماں کو چھوڑ نہیں سکتا۔" اس نے سر ہلایا۔

"اور مجھے چھوڑ سکتے ہو؟" اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی شجاع نے نظریں چرا لیں۔

"عینی اسے تھوڑا سا وقت اور دو۔ ہو سکتا ہے۔"

"تم چپ رہو زویا! خاموش رہو بالکل۔ مجھے اپنا انجام اول دن سے معلوم تھا۔ مجھے کوئی حیرت نہیں ہے۔ تھینکس شجاع! کم از کم مجھے میری اوقات

کا پتا تو چل گیا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جلتا ہوا سگریٹ اپنی ہتھیلی کی پشت پر مسل دیا اور کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''عینی! میں کوشش کروں گا۔'' شجاع نے کہا تو وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

''ارے خرسند! یہ لو بیٹا! یہ آئس کریم تو اسپیشلی آپ کے لیے بنوائی ہے۔'' عاصمہ کی شیرینی میں ڈوبی آواز پر اس کے اندر بڑھتے ہوئے قدم بے اختیار رک گئے۔ ''خرسند؟'' اس نے متجسس انداز میں آگے بڑھ کر ذرا سا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ ''ہے تو خاصا اٹریکٹو۔'' خوب صورت پرسنالٹی کے مالک خرسند کو دیکھ کر اس کے ذہن میں ابھرنے والا خیال تھا۔

وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆☆

''جی مام! آپ نے مجھے بلایا تھا۔'' وہ جانتی تھی کہ موضوع کیا ہو گا اس لیے کافی مطمئن تھی۔

''ہم کافی دنوں سے ویٹ کر رہے ہیں مگر تمہارے شجاع کی ممی کا کوئی پتا نہیں ہے۔ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر وہ نہیں آئیں تو ہم اگلے سنڈے کو تمہاری انگیجمنٹ کر دیں گے۔'' عاصمہ کی باتیں اس کو اندر تک ہلا گئیں۔

(یہ نئی چال ہے؟(

''بس ہمیں مزید کچھ کہنا سننا نہیں ہے۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور اپنے ناخن فائل کرنے میں منہمک ہو گئیں۔ انہوں نے بہت زبردست

چال چلی تھی۔ عینی لاجواب سی ہو کر پلٹ گئی اور پھر اتوار کا دن بھی آگیا مگر شجاع اس آخری دن تک کچھ نہ کر سکا۔

''دادو! میں کیا کروں؟ مجھے کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ بزدل ہے مگر میں سمجھتی تھی کہ وہ بالآخر اپنی ماں کو راضی کر لے گا۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکا۔'' عینی اس دن اپنی بوڑھی دادی سے لپٹ کر بہت روئی تھی۔

''بیٹی! ماں باپ ہمیشہ اولاد کے بھلے کے لیے سوچتے ہیں۔ تم اپنی ماں کی بات مان لو کیونکہ شجاع کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ اپنی ماں کے مدِّمقابل کبھی کھڑا نہیں ہو سکتا۔'' انہوں نے اسے سمجھا بجھا کر گھر روانہ کر دیا تھا۔

''ٹھیک ہے، منگنی کون سی بڑی چیز ہوتی ہے۔ محض ایک انگوٹھی! اتار کر پھینک دی۔ رشتہ ٹوٹ گیا۔'' وہ خود کو تسلیاں دیتے ہوئے منگنی پر راضی ہو گئی۔ مگر جب اس کے سامنے چار گواہوں کے ساتھ مولوی صاحب آئے تو وہ جھٹکا کھا کر اپنی ماں کو دیکھنے لگی۔

''عینی! ہاں کہو چندا!'' عاصمہ نے اسے چمکارا تو وہ جانے کیا سوچ کر اقرار کر گئی۔

''مام! آپ کیا سمجھتی ہیں۔ آپ میری شادی اس وکیل کے ساتھ کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں؟ وہ بھی اس دھوکہ دہی اور فریب کے ساتھ؟'' مہمانوں کے جانے کے بعد وہ عاصمہ کا رستہ روکے کھڑی تھی۔

''میں ایسا کر چکی ہوں مائی ڈارلنگ!'' عاصمہ فتح کے نشے میں چور تھیں۔

''تمہیں پتا کیا ہے ابھی۔ یہ دیکھو، تمہارے شادی کے کارڈز چھپ کر آ چکے ہیں۔ اگلے ہفتے تم یہاں سے رخصت ہو جاؤ گی۔''عینی نے بے یقینی سے ایک کارڈ اٹھا کر دیکھا۔

''تم چاہو تو شجاع کو انوائیٹ کر سکتی ہو۔'' وہ جیت کے خمار میں ڈوبی اس پر تیر چلا رہی تھیں۔ عینی نے بمشکل اپنے دل و دماغ قابو میں کیے اور دانت پر دانت جما کر اپنی ماں کو دیکھا جس کے فیصلے اپنی اولاد کی بھلائی کے لیے نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ محض اپنی انا کے پندار کو بچانے کے لیے ہوتے تھے۔

''مام!'' اس نے برداشت کی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے انہیں مخاطب کیا۔

''مجھے نہیں پتا کہ کیا بات تھی آپ کا لحاظ، مروت یا کچھ اور کہ آج تک ایک بار بھی میں آپ کو آئینہ نہیں دکھا سکی۔ آپ نے کبھی سوچا ہے مام! کہ آپ کس قدر کنگال ہیں۔ خالی ہیں؟ آپ نے اپنی اس قدر پرستش کی ہے کہ آپ کسی اور کو محبت دے نہ سکیں، اور کسی کی کیا بات کروں۔ آپ تو اپنی اولاد سے محبت نہ کر سکیں۔ میرا بھائی آپ کی بے توجہی کے ہاتھوں مر گیا۔ آپ کو کبھی وہ یاد آیا؟ کبھی آپ نے اس کے بارے میں سوچا؟ نہیں مام کبھی نہیں مگر میرے دل میں جذبی کا زخم اب ناسور بن گیا ہے۔ میرے دل میں آپ کے لیے محبت نہیں نفرت ہے ڈیئیر مدر! شدید

نفرت یہ کس کی بد نصیبی ہے میری یا آپ کی۔ مجھے نہیں معلوم مگر یہ سچ ہے آپ نے ہمیشہ چال چلی ہے۔ اپنی فتح کی خواہشمند رہی ہیں مگر افسوس! اس بار آپ ہار گئی ہیں مام اور یہ آپ کی زندگی کی بدترین شکست ہے۔ ''
اس نے چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا اور کارڈ ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھادیا۔ اس کی بات اور اس کے انداز پر ایک لمحہ کو عاصمہ کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔

''بڑی ذلت آمیز شکست ہوتی ہے کہ انسان اپنی اولاد سے ہار جائے۔ مگر آج دادو کی کہی ہوئی بات مجھے یاد آرہی ہے انہوں نے کہا تھا کہ پاکیزہ من کی گود میں پاکیزہ خیالات اور اعلا اخلاق کی مالک اولاد پرورش پاتی ہے اور ایک عورت کو وہ سارے اسرار و رموز سکھانا اس کی ماں کا بہت اہم فرض ہے اور اگر آج یہ بدترین شکست آپ کا نصیب ہوئی ہے تو ذرا غور کیجئے گا کہ آپ سے کہاں غفلت ہوئی ہے۔ اس فرض سے آپ کی ماں بھی غافل رہیں اور آپ نے تو خیر حد کر دی۔ آپ بھی ذرا رک کر، لمحے بھر کو ٹھہر کر سوچیے گا کہ آپ نے کہاں کہاں حد کی ہے۔'' وہ اسی انداز میں کہتے ہوئے واپس پلٹ گئی۔

☆☆☆☆

''عینی! میں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ میں اور امی چند دنوں کے لیے بابا کے پاس اسلام آباد جانا چاہ رہے تھے۔ تم بے فکر رہنا، تمہاری رخصتی سے ایک دن پہلے واپس آجائیں گے۔'' زویا فون پر کہہ رہی تھی۔ زویا کے والد

نوکری کے سلسلے میں اسلام آباد میں ہی رہتے تھے۔

''میری بلا سے تم زندگی بھر وہیں رہ جاو۔ مگر میری رخصتی فی الحال ہو نہیں رہی ہے۔'' وہ اپنے مخصوص اطمینان سے بولی۔

''کیا مطلب؟ سنو عینی! اب کوئی گڑبڑ کرنے کے بارے میں سوچنا بھی مت، تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔'' زویا نے اسے تنبیہ کی تو وہ تمسخرانہ ہنسی ہنس دی۔

''اوہ رئیلی؟ تھینکس فار یو انفارمیشن۔''

''عینی!'' زویا کو خطرے کی گھنٹی سنائی دی تھی۔

''اوکے زویا! تم چلو، میں بھی کچھ دن میں آرہی ہوں وہاں تمہارے پاس۔'' اس نے مسکرا کے فون کاٹ دیا اور زویا ہیلو ہیلو کرتی رہ گئی۔

عینی نے بہت اطمینان سے ساری پلاننگ کی اور صبح کی فلائیٹ سے بکنگ کروا کر عاصمہ اور احمر کو الوداع کہہ کر گھر سے نکل گئی۔ان دونوں کے خواب خیال میں بھی نہیں تھا کہ وہ یونیورسٹی کے بجائے کہیں اور جارہی ہے۔ائیر پورٹ پہنچ کر اس نے شجاع کو فون کیا۔

''شجاع! اگر میں یہ کہوں کہ میں اس وقت اپنا گھر چھوڑ چکی ہوں اور ایک پناہ گاہ کی تلاش میں ہوں تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟'' اس کے مطمئن لہجے پر شجاع نے یہی سوچا کہ وہ مذاق کررہی ہے۔

''میں جانتا ہوں کہ تم ایک سمجھدار لڑکی ہو اور ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاو گی۔''

''میری سمجھ داری کو ایک طرف ڈالو شجاع! میں بس تمہارا جواب پوچھ رہی ہوں۔'' اب کے جواب میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ چند لمحے انتظار کرنے کے بعد وہ زہر خند ہنسی ہنس دی۔

''آج تمہاری محبت کے تابوت میں آخری کیل ٹھک گئی ہے شجاع احمد! لیکن وہ محبت تو شاید تھی ہی نہیں۔ میں تمہارے ذریعے اپنی مام کو ہرانا چاہتی تھی بس۔ ورنہ محبت کی موت پر کچھ تو تکلیف ہوتی ناں؟ اور تم نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ تم محض لفظوں کے بازیگر تھے، ورنہ وہ اور ہوتے ہیں جو کسی کی محبت میں جان دے دیتے ہیں۔ میں آج تم سے ہر رشتہ توڑ رہی ہوں۔ آئندہ ہم اگر کبھی ملے تو تم اپنا باقاعدہ تعارف کروانا۔ مجھ سے بالکل اجنبیوں کی طرح میرے بارے میں سوال کرنا اور میں اپنے بارے میں بتاؤں گی کہ میرا نام قرۃ العین احمر ہے جس کا اب کسی رشتے اور محبت پر ایمان نہیں رہا۔ خدا حافظ۔'' اس نے بات مکمل کی اور بیگ اُٹھا کر اندر چل پڑی۔

دو دن اس نے ایک ہوٹل میں گزارے، اس کے پاس اتنی بڑی رقم تھی کہ وہ ایک ہفتہ بہت آرام سے ہوٹل میں قیام کر سکتی تھی۔ اپنی رخصتی کی تاریخ گزر جانے کے بعد وہ اگلے دن صبح صبح زویا کے گھر پہنچ گئی۔ افتخار علی غالباً بہت پریشانی کے عالم میں گھر سے نکل رہے تھے اسے دیکھتے ہی حیرت سے ساکت ہو گئے۔

''عینی! تم یہاں؟ ابھی زویا کا فون آیا تھا کہ تم وہاں سے کہیں چلی گئی ہو

مگر۔ بیٹا! تم یہاں کیسے؟'' وہ بری طرح پریشان ہو گئے تھے۔

''انکل! اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ مجھے کچھ دن کے لیے اپنی پناہ میں لے لیجئے صرف کچھ دن۔ میرے والدین کو بتائے بغیر، مکمل رازداری کے ساتھ، میں چند دنوں میں اپنا بندوبست کہیں اور کر لوں گی۔'' اس کے لفظ لفظ سے مایوسی اور تھکن جھلک رہی تھی۔ افتخار علی اسے لے کر اندر آ گئے۔

''تسلی سے عینی بیٹا! آرام سے۔ مجھے بتاؤ کہ تم نے اتنا بڑا قدم کیوں اٹھایا ہے؟ کس کے لیے اٹھایا ہے؟ وہ کچھ دیر بعد اس سے مخاطب تھے۔

''انکل! مجھے خود بھی نہیں پتا میں نے ایسا کیوں کیا ہے لیکن میں یہ جانتی ہوں کہ اگر مجھے دوبارہ اپنے والدین کی صورت بھی نظر آئی تو میں زہر کھا لوں گی۔'' اس کا انداز اتنا حتمی تھا کہ افتخار علی خاموش رہ گئے۔

''ٹھیک ہے بیٹا! تم جا کر آرام کرو اور بالکل مطمئن رہو۔'' انہوں نے فی الحال یہی بہتر سمجھا اور خاموشی اختیار کر لی۔ یوں بھی وہاں جو طوفان آنا تھا وہ آ چکا ہو گا عینی کی واپسی سے اس طرف کوئی خاص فرق نہیں پڑنے والا تھا۔ تقریباً ایک ہفتے بعد زویا اور ماہ جبیں پریشان حال اور تھکن سے چور واپس آئی تھیں اور عینی کو یہاں موجود پا کر مزید پریشان ہو گئیں۔

''افتخار! آپ اس کی ماں کو نہیں جانتے، وہ مجھے سولی چڑھا دے گی اگر اسے معلوم ہوا کہ یہ ہمارے گھر ہے۔'' ماہ جبیں نے کہا۔

''بعض اوقات خاموشی سے وقت کا انتظار کرنا انسان کے لیے بہت کار آمد

ثابت ہوتا ہے۔ جو قدم وہ اٹھا چکی ہے، اس کے بعد بہتری اسی میں ہے کہ دونوں طرف کی آگ ٹھنڈی ہونے کا انتظار کرو خاموشی اور صبر کے ساتھ اور اللہ سے بھلائی کی دعا مانگو۔'' انہوں نے کہا تھا۔



دروازے پر دستک بہت زوردار تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی، نجانے کب روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ چند لمحے وہ سمجھ نہ پائی کہ کیا ہوا ہے مگر دروازہ دوبارہ بجا تو حواس درست کرتے ہوئے دروازے تک آئی۔

''سوری۔ آپ شاید سو رہی تھیں۔'' اس کی سوجی سوجی سرخ آنکھیں اور بکھرے بال دیکھ کر شمع شرمندہ سی ہو گئی۔

''نہیں آپ کہیے۔'' اس نے بالوں پر ہاتھ پھیر کر درست کیا۔

''مہر آپی بلا رہی ہیں۔ کھانا ٹیبل پر لگ گیا ہے۔'' وہ کہہ کر پلٹ گئی۔ عینی نے گھڑی کی سمت دیکھا سوا دس بج رہے تھے حالانکہ وہ عموماً ساڑھے آٹھ سے نو کے درمیان بچوں کو کھلا کر انہیں سلا دیا کرتی تھی۔ وہ جلدی جلدی واش روم میں گئی۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، بالوں میں برش کر کے باہر آ گئی۔

''سوری میڈم! وہ جانے کیسے آنکھ لگ گئی تھی۔'' وہ سخت شرمندہ تھی۔

''کوئی بات نہیں عینی! ہم نے تمہیں صرف اس لیے ڈسٹرب کیا ہے کہ تم بھوکی سو گئی تھیں ورنہ بچوں کو تو شمع سلا چکی ہے دوسرے کمرے میں۔'' مہر نے محبت سے کہا تو وہ تشکر آمیز نظروں سے شمع کو دیکھتے ہوئے ایک

کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
''ویسے شدید ڈپریشن میں نیند سے بہتر کوئی راہ فرار نہیں، اگر آ جائے تو کیوں آپی۔'' عینی نے بے اختیار نظریں گھمائیں، وہ سامنے صوفے پر اطمینان سے بیٹھا ٹی وی کے چینل بدل رہا تھا۔
''اچھا اب یہ ریموٹ ایک طرف رکھو اور آ کر کھانا کھا لو جلدی سے۔''
مہر نے اس سے کہا تو وہ اٹھ کر ڈائننگ ٹیبل پر آ گیا اور عینی کے عین سامنے والی کرسی گھسیٹ کر جم گیا۔ ''کیا لو گے سبزی؟'' مہر نے شاذے پوچھا۔
''دے دیجئے۔'' اس نے کہا پھر جانے کیا سوچ کر مسکرانے لگا۔
''ویسے قسمت کی بات ہے پاکیزہ اور حلال گوشت سامنے رکھا ہو مگر بندہ اسے ہاتھ بھی نہ لگائے۔ کھانا تو دور کی بات ہے۔'' عینی کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر اتر گئی۔ ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر اس طرح پلیٹ میں میں گرا جیسے ہاتھ بے جان ہو گئے ہوں۔ اس کی نظریں اپنی پلیٹ پر گڑ کر رہ گئیں (اس نے مجھے پہچان لیا ہے؟ مگر کیسے (
''عینی! کیا ہوا؟'' مہر اور شمع دونوں نے اس کی کیفیت کو محسوس کیا تھا۔''
''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، بلا وجہ آپ نے ڈسٹرب کیا انہیں۔ مس قرت! آر یو آل رائٹ؟'' وہ سراسر مذاق اڑا رہا تھا۔ عینی نے ایک جھٹکے سے سر اونچا کیا۔
''آپ؟'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر شمع اور مہر کی موجودگی کا خای خیال کر کے محض ہونٹ کچل کر رہ گئی۔

''جی؟'' شاذ نے پوری توجہ کے ساتھ اس کے چہرے پر لرزتی اضطرابی کیفیت کو دیکھا تھا۔

''ایکسکیوز می۔'' عینی اچانک کھڑی ہوئی اور تقریباً بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔

''اسے کیا ہوا۔'' شمع حیران تھی۔ شاذ محض کندھے اچکا کر رہ گیا۔ عینی نے کمرے میں آ کر دروازہ لاک کیا اور اندر درازوں میں کچھ ڈھونڈنے لگی۔ بڑی تلاش کے بعد اسے سگریٹ کیس اور لائٹر نظر آیا اس نے سگریٹ جلا کر ایک گہرا کش بھرا اور ایک طمانیت کی لہر جیسے اس کے اندر اترتی چلی گئی۔

''لیکن وہ مجھے کیسے پہچان سکتا ہے؟ ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو۔ لیکن نہیں اس کی باتوں سے لگ رہا ہے کہ وہ مجھے پہچان گیا ہے اور اگر ایسا ہے بھی تو میری بلا سے وہ مجھے سو بار پہچان لے۔ زیادہ سے زیادہ مجھے یہاں سے نکلوا دے گا، نکلوا دے۔ آئی ڈیم کیئیر۔'' وہ اب قدرے مطمئن ہو کر سوچ رہی تھی اس رات وہ دیر تک اسموکنگ کرتی رہی تھی۔ آدھی رات گزرنے کے بعد اسے پانی کی شدت سے طلب محسوس ہوئی تھی اور وہ یہ سوچ کر کہ سب سو گئے ہوں گے بہت اطمینان سے ادھ جلا سگریٹ انگلیوں میں دبائے دبائے ہی باہر آ گئی۔ کچن میں آ کر اس بات پر غور کیے بغیر ہی کہ وہاں کی لائٹ آن ہے، اس نے فریج کھولا۔

''قرت! آپ چائے پینا پسند کریں گی؟'' وہ آہستگی سے باہر نکلنا چاہ رہی

تھی۔ تبھی اس نے پلٹ کر پوچھا تو بوکھلاہٹ میں پانی کی ٹھنڈی بوتل بے اختیار عینی کے ہاتھوں سے پھسل کر گر پڑی۔ بوتل پلاسٹک کی تھی اور ڈھکن بند تھا۔

''کمال ہے، میری آواز سن کر آپ کے ہاتھ سے چیزیں یوں چھوٹ جاتی ہیں جیسے میں نے طبل جنگ بجادیا ہو۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ عینی ایک گہری سانس لے کر پلٹی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' وہ گلاس نکال کر بوتل سے پانی انڈیلنے لگی۔

''حالانکہ آپ مجھے ناقابل بیان حد تک ڈسٹرب کر چکی ہیں کئی ماہ پہلے ہی۔'' اس نے عینی کے بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں دبے سگریٹ کو دیکھا تھا۔

''آپ مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہتے ہیں؟ میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے شناخت کر چکے ہیں مگر یہ نہیں جانتی کہ کیسے؟'' عینی براہ راست شاذ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''خدا کو دیکھا نہیں مگر عقل سے پہچانا ہے اور آپ تو میری اتنی بڑی مجرم ہیں کہ صرف سوال و جواب کرنے سے بچت ممکن نہیں آپ کی۔'' شاذ نے بہت نرمی سے مسکراتے ہوئے اس کا بایاں ہاتھ تھام کر اس کی انگلیوں میں جلتا سگریٹ نکالا اور مسل کر زمین پر پھینک دیا۔

''کیوں؟ آپ کے لیے باعث شرمندگی ہوگا کہ لوگ آپ کے بارے

میں کہیں کہ آپ کی بیوی سگریٹ نوشی کرتی ہے۔'' وہ طنزیہ مسکرائی۔

''میرے بارے میں لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس کی بیوی کسی کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہے۔'' عینی کا سر بے اختیار جھکا تھا۔'' میرے لیے اب کچھ بھی باعث شرمندگی نہیں ہے قرت! یہ جلتا ہوا شعلہ وہ آگ ہے جو خاندان کے خاندان راکھ کر دیتی ہے۔ میرا بھائی اسی شعلے کی لپیٹ میں آ کر مجھ سے ہمیشہ کے لیے بچھڑا۔ یہ زہر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ ایک اچھی لڑکی اس زہر کو اپنے اندر اتارے۔'' اس کے چہرے پر سنجیدگی کدر آئی تھی۔ عینی کا سر منوں بوجھ سے جھکا ہوا تھا۔

''میں اچھی لڑکی نہیں ہوں مسٹر خرسند شاذ! آپ یقین کریں آپ کے حق میں میرا بھاگ آنا بہت اچھا ثابت ہوا ہے۔'' وہ اپنی بات کہہ کر پلٹ گئی اور شاذ خاموشی سے اس کی پشت کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆

''تم میری جگ ہنسائی کروانا چاہتے ہو؟'' زوردار دھاڑ پر سعد کو پڑھاتی عینی نے چونک کر باہر کی سمت دیکھا۔

''جانتے ہو، میرے دشمنوں کے لیے یہ کتنی چٹخارے دار خبر ہو گی۔ کتنا بڑا ایشو بنایا جائے گا کہ بیٹا باپ کو عدالت میں گھسیٹ رہا ہے؟'' آواز تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ عینی نے پلٹ کر شمع کو دیکھا وہ کافی دیر سے اسی طرح بیٹھی تھی بالکل خاموشی کے ساتھ سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا منہ میں دبائے۔

"شمع؟ خیریت؟" اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھا اور شمع کو جانے کیا ہوا۔ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میرے اللہ مجھے اپنے پاس بلا لے، یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے۔"

عینی بے اختیار ہی اس کی طرف لپکی تھی۔

"پپا! میرا خیال ہے آپ سہولت سے بات کریں اگر میری آواز آپ کی آواز سے بلند ہو گئی تو اس سے زیادہ جگ ہنسائی ہو گی۔" شاذ نے پر سکون لہجے میں متنبّہ کیا تھا۔

"یو ایڈیٹ! اس دو کوڑی کی لڑکی کی خاطر تم مجھے رسوا کرواوگے؟" ان کی ٹون برقرار تھی۔

"وہ لڑکی دو کوڑی کی نہیں ہے پاپا! اور یہ بات مجھ سے بہتر آپ جانتے ہیں کہ اگر آپ کی ملکیت میں سے اس کی ملکیت نفی کر دی جائے تو آپ اس کے سامنے دو کوڑی کے ہو جائیں گے اور اگر آپ غور کریں تو میں آپ کو حقیقی رسوائی سے بچانا چاہتا ہوں۔ وہ رسوائی جو شاید اس کی جائیداد پر قابض ہونے کے بعد آپ کو روز محشر اٹھانی پڑے گی۔" شاذ اب بھی اطمینان سے بات کر رہا تھا اور ایک طرف بیٹھی مہر دعا کر رہی تھیں کہ وہ ایسے ہی ضبط سے بات کرے ورنہ اس کا غصہ تو ان کے ہوش اُڑا دیتا تھا۔

"روز محشر؟ واٹ نان سینس؟ ہم نے تمہیں ہائی اسٹینڈرڈ اسکولوں میں بہت اچھی تعلیم دلوائی ہے اور تم ایسے بات کر رہے ہو جیسے ٹکے ٹکے کے مدرسوں میں مولویوں کے ڈنڈے کھا کر پڑھتے رہے ہو۔" اب وہ طنزیہ

کہہ رہے تھے۔

''آپ روز محشر سے انکار کر رہے ہیں؟'' اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سی بھرنے لگیں۔

''نہیں۔ لیکن اس دن کے انتظار میں دنیا سے منہ موڑ کر بیٹھنے کا قائل نہیں ہوں میں۔'' اب وہ بحث کے موڈ میں آ گئے تھے۔

''انتظار مت کریں مگر تیاری تو کریں سو میں سے سو نمبر تو ہم میں سے کسی کے نہیں آئیں گے مگر پاسنگ مارکس تو آئیں نا؟ آپ نے تو پوری کاپی پر سیاہی کرا دی ہے پاپا! سارے جوابات سیاہ ہو گئے ہیں۔ دوسری کاپی لیں۔ ایگزامنر سے معذرت کریں۔ ابھی وقت سے وہ ہلکی پھلکی سزا کے بعد آپ کو دوسری کاپی دے دے گا۔ مزید وقت ضائع مت کریں ورنہ نتیجہ آپ کے حق میں بہت برا ہو گا اور اس امتحان کے بعد کوئی سپلیمنٹ بھی نہیں ہو گا۔ ''

''تمہارا دماغ بالکل خراب ہو چکا ہے شاید۔ احمق انسان! دنیا میں رہنے کے لیے دنیا کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ ورنہ لوگ ہمیں بیچ کھائیں گے۔'' حیدر خان نے سر جھٹکا۔ جیسے اس کی باتوں کے اثر سے نکلنا چاہتے ہوں۔

''جی ہاں بالکل اسی طرح جیسے آپ نے بیوہ بھاوج اور یتیم بھانجی کو بیچ کھایا۔ دنیا کے ساتھ چلنے کے لیے دین کو بھی تھوڑا سمجھا ہوتا پاپا!'' شاذ نے تاسف سے کہا۔

''میں نے ان کی ساری جائیداد ان لوگوں کی پرورش میں خرچ کر دی

ہے۔اب میرے پاس کچھ نہیں دینے کے لیے۔" انہوں نے جواب دیا۔
"ان لوگوں کی پرورش یا اپنے نفس اور اپنی لا متناہی آرزووں کی پرورش!" اس نے حیدر خان کی آنکھوں میں جھانکا جہاں سایہ سا لہرایا تھا۔
"فار گاڈ سیک پاپا! یہ کیا کر رہے ہیں آپ اپنے ساتھ اور ہم لوگوں کے ساتھ؟ آپ نہیں جانتے۔"
"جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔" آپ اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں پاپا۔"
"بکواس بند کرو۔" حیدر خان اس کی بات کاٹ کر چیخ پڑے۔"اتنا کچھ جانتے ہو مگر یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے والدین کے احترام کے بارے میں کتنی سخت ہدایات دی ہیں؟"
"جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس احترام اور احکام کی حدود کیا ہیں جہاں پر والدین کے احکام اللہ کے احکام سے ٹکرا جائیں وہاں حدیں آجاتی ہیں۔اللہ کے احکامات پہلے ہیں اور میں اگر آپ سے یہ ساری باتیں کر رہا ہوں تو احکامِ الٰہی مجھے مجبور کر رہے ہیں۔آپ مصالحت کیوں نہیں کر لیتے۔ شمع کی ملکیت اسے لوٹا دیں۔میں گواہ بنوں گا۔میں ہر کارروائی کے لیے تیار ہوں۔" اس نے پھر مصالحت کرنا چاہی۔
"تم سے جو بن پڑے کر لو۔میں بھی دیکھتا ہوں، تم کتنے پانی میں ہو۔" وہ

جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ٹھیک ہے پاپا! پھر آپ مجھ سے کوئی شکایت بھی مت کیجئے گا۔ میرے ہر آئندہ عمل پر آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں۔'' شاذ نے بیٹھے بیٹھے سر ذرا سا اونچا کر کے انہیں دیکھا، وہ سر جھٹک کر چلے گئے۔ تو اس نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ پھر چند لمحوں بعد جیسے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں مہر چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اضطراری کیفیت میں اٹھ کر لاونج میں ٹہلنے لگا۔

''کیا ہوا شیزی!'' انہوں اس کو مخاطب کیا تاکہ اس کا دھیان بٹے۔

''شور، شور ہے آپی! بہت زیادہ شور ہے۔ کیوں؟ میری مٹی میں اتنا شور ہے۔ کیوں؟ میری مٹی میں اتنا شور کیوں ہے؟ میرے اندر کسی لمحے سکون کیوں نہیں ہوتا۔'' وہ اسی کیفیت میں کہہ رہا تھا۔ پھر ٹہلتے ٹہلتے اچانک رکھا گیا۔

''کوئی میری بات نہیں سمجھتا ہے۔ میں کیا کروں؟ میں خود بھی اپنی بات نہیں سمجھ پاتا، اپنے اندر ہونے والے اس غدر کو ختم نہیں کر سکتا میں کیا کروں؟ کیا کروں میں؟'' اس نے جنونی کیفیت میں چلاتے ہوئے قریب ہی رکھا ہوا پیتل کا گلدان اٹھا کر دروازے کی طرف پھینکا اور عین اسی لمحے عینی دروازہ کھول کر باہر آئی تھی۔ گلدان کا منہ اس کے ماتھے پر تیز دھار چھری کی مانند لگا اور زمین پر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ عینی کے ماتھے سے خون بہنے لگا۔ عینی کو یوں لگا جیسے ہر طرف اندھیرا چھا گیا ہو۔ مہر نے ڈر

کر آنکھیں موند لیں۔

''او گاڈ سوری قرت! رئیلی ویری سوری۔ میرا تو دماغ قابو میں نہیں رہتا ہے۔ شمع جلدی سے فرسٹ ایڈ باکس لاو ہری اپ۔''

مہر نے آنکھیں کھولیں۔ عینی گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی تھی اور شاذ اس کے قریب بیٹھا زخم کی گہرائی جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند لمحوں بعد شمع فرسٹ ایڈ باکس لے آئی۔ شاذ جلدی جلدی خون صاف کرنے لگا۔

''اسی لیے کہتی ہوں شیزی! کہ خود پر قابو رکھا کرو۔ غصہ میں تم کچھ بھی کر جاتے ہو۔ کسی دن اپنا کوئی نقصان کر بیٹھو گے۔'' مہر وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے نزدیک آ گئیں۔

''پتہ نئیں آپ کی لغت میں ''نقصان'' کسے کہتے ہیں آپی؟ کیا اب بھی کچھ بچا ہے نقصان کے لیے؟'' وہ بہت تلخی سے کہتے ہوئے عینی کے ماتھے پر مرہم لگا رہا تھا۔

''مگر اس سارے قصّے میں اس بے چاری کا کیا قصور تھا؟ یہ کم از کم اس سلوک کی مستحق نہیں تھی۔'' مہر کو عینی کے زخم سے بہت تکلیف ہوئی تھی۔

ٹیوب پر کیپ لگاتے ہوئے شاذ نے بے اختیار عینی کی سمت دیکھا۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی چند لمحے دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے پھر شاذ نے سر جھٹک کر رخ موڑا فرسٹ ایڈ باکس بند کر کے شمع کے حوالے کیا اور جانے کے ارادے سے کھڑا ہو گیا۔

"آپ کے پاس اپنی آپی کی بات کا کوئی جواب نہیں۔" عینی نے جیسے اسے چیلنج کیا تھا۔ وہ چند قدم آگے بڑھ چکا تھا۔ ایک لمحے کے لیے رکا۔

"بہت سے کھاتے کھلتے ہیں آپ کی طرف۔ کبھی کریں گے حساب کتاب۔ ابھی تو اندرونی جنگ ختم نہیں ہوئی ہے میری۔" وہ ذرا سا رخ موڑ کر بولا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ مہر نے حیرت سے اسے اور عینی کو دیکھا تھا۔



"احمر! اتنے دن ہو رہے ہیں اسے یہاں سے گئے ہوئے۔ آپ کی اتنی اچھی واقفیت ہے لوگوں سے مگر کوئی کچھ نہ کر سکا۔" عاصمہ پریشان حال سی بیٹھی ہیں۔

"دعا کرو عاصمہ وہ محفوظ ہاتھوں میں ہو ورنہ۔" احمر کی آواز اندیشوں کی وجہ سے لرز کر رہ گئی۔

"اللہ کرے۔" عاصمہ سسک پڑیں "کتنی بڑی بھول ہو گئی مجھ سے۔ میں اپنی بیٹی کے ساتھ بھی۔ گیم کھیلنے لگی تھی۔ یا اللہ مجھے معاف کرنا، مجھے میری بیٹی لوٹا دینا۔ "

"عاصمہ! میں ابا جان کے پاس جانا چاہ رہا ہوں۔ اس وقت ہمیں ان کی دعاوں کی شدید ضرورت ہے۔ "

"وہ لوگ ہمیں اپنے گھر میں قدم بھی نہیں رکھنے دیں گے اونچی ناک والے لوگ ہیں آپ کے والدین۔" عاصمہ ان لوگوں کو بس اتنا ہی جان

پائی تھیں۔
''کچھ بھی ہو مگر میں وہاں جا رہا ہوں۔'' وہ حتمی انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
''جب احمر اس چھوٹے سے گھر کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئے تو برسوں پہلے کا منظر ان کی نگاہوں میں گھوم گیا۔ ناصرہ اسی طرح بچوں کو قرآن پڑھا رہی تھی اور شاہ حسنین اایک طرف لیٹے ہوئے تسبیح گھما رہے تھے۔
''اماں!'' احمر کے لبوں سے یہ لفظ سسکی کی صورت میں نکلا تھا۔
ناصرہ نے چونک کر سامنے دیکھا۔
''احمر!'' ناصرہ کی چیخ پر شاہ حسنین ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھے۔
''میرا بچہ، میرا لعل۔'' احمد ناصرہ کے بازوؤں میں چھپ کر سسکنے لگے تھے۔
''ابا جان! میرے پاس کوئی اچھا لفظ نہیں ہے جس سے میرے گناہوں کی تلافی ہو سکے۔ میں نے جان لیا ہے کہ جیتے جی اولاد سے بچھڑنے کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ آپ کے دل دکھا کر میں نے جو کچھ کیا، وہ سب میرے حق میں بہت برا ثابت ہوا ہے۔ کیا ہمارے گناہوں کی تلافی اب ممکن ہے؟'' وہ اب شاہ حسنین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔
''انسان کو اپنی زندگی کے خاتمے سے پہلے اپنے گناہوں کا احساس ہو جائے تو کفارہ ادا ہو سکتا ہے میرے بچے!'' انہوں نے احمر کے سر پر ہاتھ

رکھا۔

''عینی مل جائے گی۔ تم اللہ سے گناہوں کی معافی مانگو اور کفارہ ادا کرنے کی تیاری کرو۔ اللہ بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے اس پر یقین رکھو کہ اس نے عینی کی مکمل حفاظت کی ہو گی۔'' شاہ حسنین کے چہرے پر سکون ہی تھا احمر نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ''

''میری ثابت قدمی کے لیے دعا کریں گے ابا جان؟ ''

''ہاں بیٹا! بس شیطان کو جھڑکنا مت بھولنا۔'' ان کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

☆☆☆☆

آج حیدر خان کی پہلی پیشی تھی۔ باپ کو وہاں مجرموں کی طرح موجود پا کر شاذ کے دل کو لمحے بھر کے لیے کچھ ہوا تھا۔ مگر وہ سر جھٹک کر مضبوط قدموں سے چلتا اندر آگیا تھا۔ جب ساری کارروائی نمٹا کر وہ واپس گھر پہنچا تو اس کے سر کا درد آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ وہ اپنا کوٹ صوفے پر پھینک کر خود بھی وہیں جوتوں سمیت گر گیا۔

''شیزی بھائی! آپ آ گئے؟'' شمع لاونج سے گزری تو اسے دیکھ کر ادھر ہی چلی آئی۔

''بڑا سکون ملا ہو گا نا باپ کو کٹہرے میں کھڑا کر کے۔ آپکی ڈگری حاصل کرنے کی محنت وصول ہو گئی ہو گی۔ کتنا منع کر رہی تھی آپ کو۔ ''

''شمع پلیز۔'' اس نے راہ کر دونوں ہاتھوں کو سر پر رکھ لیا۔

''کیا ہوا طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔'' شمع کو اس کی کیفیت عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔

یکدم ہی وہ اُٹھ بیٹھا اور منہ پر ہاتھ رکھ کر واش روم کی طرف بھاگا۔ واش روم جا کر اس نے ایک لمبی قے کی۔ شمع کے تو ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔

''آپی! آپی! جلد آئیں۔ بوا جی! پانی لائیں۔'' وہ چیخ کر بولی پھر واش روم کا دزروازہ دھڑ دھڑانے لگی۔

''شیزی بھائی! دروازہ کھولیں خدا کے واسطے۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ ''

''کیا ہوا شمع''!

عینی مہر کی وہیل چیئر دھکیلتی باہر آ کر پریشان سی پوچھ رہی تھی۔

''شیزی بھائی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، قے ہوئی ہے انہیں اور اب اب دروازہ بند کر لیا ہے۔'' گھبراہٹ کے مارے اس کی آواز میں لرزش آ گئی تھی۔ عینی نے الجھ کر دہرایا اور مہر لب بھینچ کر رہ گئیں۔

''جن کی مٹی میں شور بہت زیادہ ہو، وہ ایسے ہی روتے ہیں •۔ آج پہلی پیشی تھی۔'' مہر آہستگی سے بولیں تو عینی گہری سانس لے کر رہ گئی، آج ہی تو مہر نے اسے سب کچھ بتایا تھا۔

''میرا بھائی بہت بہادر ہے عینی! سارے جہاں سے لڑ سکتا ہے مگر یہ آنسو تو ہمارے باپ نے بھرے ہیں اس کی آنکھوں میں۔''

تھوڑی دیر بعد واش روم کا دروازہ کھلا۔ گریبان کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ سرخ چہرہ، سوجی ہوئی نم آنکھیں۔ اپنی اپنی جگہ تینوں کے دل پر چوٹ

پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا مگر پھر ایک جگہ رک کر سر کو تھام لیا۔ عینی نے بے اختیار ایک قدم آگے بڑھایا اور پھر خود کو سرزنش کرتے ہوئے پیچھے ہٹالیا۔ مگر شمع تیزی سے لپکی اور اس کا بازو تھام لیا۔

''شیزی بھائی''!

''ڈونٹ ٹچ می۔'' اس نے غراتے ہوئے کہا اور ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑالیا۔ شمع بری طرح لڑکھڑا گئی پھر سنبھل کر چند لمحے بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی اور تیزی سے اندر جانے کے لیے بھاگی، مگر عین اس لمحے جب وہ شیزی کے قریب سے گزر رہی تھی۔ اس نے شمع کا بازو پکڑ کر پیچھے گھسیٹا۔

''اگلی بار تم ساتھ چلو گی۔ سنا؟ اگلی بار تمہیں کورٹ چلنا ہے اور پوری مضبوطی سے قدم جما کر چلنا ہے انڈر اسٹینڈ؟'' اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا اور شمع کو آگے دھکیل دیا۔

''شیزی! پلیز ادھر آو میرے پاس۔'' مہر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا عینی اب تک ان کی وہیل چیئر تھامے کھڑی تھی۔ شاذ کے لبوں پر ایک تھکی تھکی سی مسکراہٹ در آئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر مہر کا ہاتھ تھام لیا اور ان کے قریب زمین پر ہی بیٹھ گیا۔

''پھر وہی غصہ؟ میں کہتی ہوں کہ تم اتنا مت سوچا کرو۔ یہ سوچیں تمہارے اندر صرف غصّہ بھرتی ہیں۔'' انہوں نے حسب عادت اس

کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

''سوچنا کوئی ارادی عمل نہیں ہے آپی۔ جانے کہاں سے خود بخود یہ سوچیں جوق در جوق چلی آتی ہیں۔'' اس کے لفظ لفظ میں تھکن تھی۔

''پریشان ہو؟'' مہر کے لہجے میں محبت کی حلاوت تھی۔

''ہاں آپی! بہت زیادہ عجب سی بے سکونی ہے۔'' ''جو حق پر ہوتے ہیں سنا ہے، کبھی غیر مطمئن نہیں ہوتے۔''

''مطمئن تو میں ہوں آپی مگر۔'' وہ سر اٹھا کر کہتے کہتے ایک دم ہی عینی پر نظر ڈال کر رک گیا۔ عینی کو اچانک اپنا آپ وہاں اجنبی لگنے لگا۔

''ایکسکیوز می میڈیم! میں ذرا بچوں کے بیڈ کی چادریں چینج کر لوں۔'' وہ کہہ کر پلٹ گئی۔

''قرت!'' اس نے پکارا تو وہ ٹھہر گئی۔

''جی؟''

''کب تک چلے گا یہ ڈرامہ، آپ نے کبھی اپنے بیڈ کی چادر اپنے ہاتھوں سے چینج کی ہے؟ بہت ہو گئی۔ اب آپ چھٹی کریں یہاں سے۔''

''شیزی! حواس میں ہو، کس طرح بی ہیو کر رہے ہو؟'' مہر نے عینی کا مارے خفت کے سرخ پڑتا چہرہ دیکھتے ہوئے اسے ڈپٹ دیا۔

''آپ کو معلوم نہیں آپی! یہ اسی رویے کی مستحق ہیں۔ کم از کم میرے لیے۔'' وہ تلخی سے بولا۔

''میں تسلیم کرتی ہوں۔ ورنہ یہ لہجہ اور انداز گفتگو۔ میں نے کبھی برداشت

نہیں کیا مسٹر!'' عینی کے لہجے میں تپش تھی۔ اپنی بات مکمل کر کے عینی اندر کی طرف بڑھ گئی اور مہر پر سوچ نظروں سے اسے جاتا ہوا دیکھنے لگیں۔

''میں چلتا ہوں آپی! تھوڑی دیر آرام کروں گا پھر کچھ اور کیس۔ اسٹڈی کرنے ہیں۔'' وہ بھی جانے کے لیے اُٹھا۔

''شیزی! تمہاری طبیعت اب بہتر ہے؟'' مہر نے چونک کر پوچھا۔

''فی الحال تو ایسے ہی چلے گا سوئیٹ آپی! بس دعا کیجئے گا آخر تک ثابت قدم رہوں۔ درمیان میں ہی کہیں شدت غم سے جان نہ گنوا دوں۔'' وہ بیزاری سے کہہ رہا تھا اور مہر تاسف سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

اگلی بار شمع بھی ساتھ گئی تھی۔ وہ بہت خوفزدہ تھی۔ مگر شاذ نے سے بے انتہا مورل سپورٹ دی۔ ہر بار اس کی آنکھیں Bravo کا نعرہ لگاتے ہوئے اس کے ٹوٹتے حوصلوں کو جوڑنے میں اور لڑکھڑاتے قدموں کو جمانے میں مدد دیتی تھیں اور آخر کار ایک دن تھک ہار کر حیدر خان نے اسے مصالحت کا پیغام بھیج دیا۔ وہ اس بکھیڑے اور رسوائی سے نکلنے کے لیے شمع کی جائیداد لوٹانے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے شاذ کو قانونی گواہ بناہ کر شمع کی جائیداد کے کاغذات اس کے حوالے کر دیے۔

''یہ سنبھالو تم اپنی مملکت جو دل میں آئے کرو اس کا۔ اب ہمارا تمہارا حساب کلیئر ہو گیا ڈیئر کزن! آج میں تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی اچھی سی چائے پیوں گا۔'' بے پایاں خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''چائے تو آج عینی بنا رہی ہیں۔ اپنے ہاتھ کی کل پلا دوں گی۔'' شمع نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''چلو۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے کہ۔ ''

''کیا بات ہے شیزی! آج بہت خوش ہو؟'' مہر اپنی وہیل چیئر دھکیلتی باہر آئی تھیں۔

''اوہ میری پیاری آپ! آپ جانتی ہیں۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''مجھے معلوم ہے میری جان! بار بار یقین دلانے کی ضرورت کیوں پڑتی ہے تمہیں؟'' وہ شفیق انداز میں مسکرائیں۔ بہت دنوں بعد اس کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ دیکھ کر سکون کی ایک لہر ان کے اندر تک اُتر گئی تھی۔ اسی وقت عینی چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''ارے عینی! تم چائے بنا رہی تھیں، بوا کہاں ہیں؟'' مہر نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ ان کی بیٹی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی، آج اس لیے جلدی چلی گئیں۔ میں جا رہی تھی چائے بنانے مگر عینی نے آفر دی تو میں رک گئی۔'' شمع نے آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

عینی نے باری باری سب کو کپ میں چائے نکال کر دی پھر شکر ڈالنے کے لیے آگے بڑھی۔

''میرے کپ میں ہاف اسپون ڈالنا۔'' مہر نے کہا۔

''میں ایک چمچ لوں گی۔'' شمع نے آگے بڑھ کر خود ہی شکر ڈال لی اب وہ شاذ کی طرف مڑی۔

''یہ تو پورا مردان شو گر مل ہے۔ تین چمچ شکر لیتا ہے چائے میں۔'' مہر مسکرائیں۔

''آج صرف ایک چمچ بھی چلے گی، باقی دو چمچ کی مٹھاس تو ان کے ہاتھوں کی ہو گی۔'' وہ نچلا ہونٹ دبا کر شریر انداز میں کپ کو دیکھ رہا تھا۔

''آج معلوم ہوا کہ چھچھورے بھی ہیں۔'' عینی نے خاصا تپ کر اسے دیکھا پھر یکدم آگے بڑھی۔ کپ اس کے ہاتھ سے لیا اور اپنی انگشت شہادت گرم چائے میں ڈال کر دو تین چکر دیے اور پھر کپ اسے واپس کر دیا۔

''اب آپ آرام سے پی سکتے ہیں، اس ایک چمچ کی کمی بھی پوری ہو گئی ہے۔'' وہ بھرپور اعتماد سے کہہ رہی تھی۔ چند لمحے حیرت سے کپ کو دیکھنے کے بعد شاذ بے ساختہ ہی ہنس پڑا تھا۔ مہر اور شمع بھی مسکرا دیں۔

''آپ کے اعتماد کا تو میں اوّل دن سے قائل ہوں مس قرت!'' اس نے ہنستے ہوئے ایک گھونٹ بھرا اور اگلے ہی پل اس کی ہنسی غائب ہو گئی۔ ایک تو چائے بالکل پھیکی اس پر اس قدر بدذائقہ کہ اگلنے اور نگلنے کے درمیان والی کیفیت میں اس کا چہرہ بگڑ گیا۔ اب ہنسنے کی باری عینی کی تھی۔

''سوری حاضرین! میں نے آج زندگی میں پہلی بار چائے خود بنائی ہے کسی

کے مشورے کے بغیر اور مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ میں نے کیسی چائے بنائی ہو گی۔اس لیے اگین سوری۔ ''

''اور میرا مشورہ ہے قرت! اس پہلی بار کو آخری بار کر لیجئے ورنہ کسی کے ہاتھوں قتل ہو سکتا ہے آپ کا۔ حد ہو گئی یعنی ایک لڑکی کو چائے تو کم از کم بنانا آنا چاہیے۔'' وہ بمشکل چائے کا وہ بدذائقہ گھونٹ حلق سے اتار کر کلی کرنے کی غرض سے اُٹھ گیا تھا۔

☆☆☆☆

اس دن وہ زویا سے ملنے گئی تھی۔

''عینی بیٹا! آپ کے ڈیڈی کی طبیعت بہت خراب ہے۔عاصمہ بھی بہت فکر مند ہیں۔اب آپ واپس لوٹ جائیں بیٹا۔بہت عرصہ گذار لیا بے گھر ہو کر، وہ لوگ آپ کے لیے اس قدر فکر مند تھے کہ میں رہ نہیں سکا اور آپ کے بارے میں سچ بتا دیا۔'' افتخار علی چند دن پہلے ہی کراچی سے واپس آئے تھے۔

''ٹھیک ہے میں سوچوں گی۔'' اس نے بات گویا ختم کر دی۔

''اس نہج پر بھی سوچنا کہ عاصمہ اور احمر تمہارے دادا کے گھر شفٹ ہو گئے ہیں اور احمر تمہارے بارے میں سوچ سوچ کر خود کو بیمار کر چکا ہے۔''

افتخار علی نے اسے حیرت کے سمندر میں غرق کر دیا تھا۔

''دادا کے گھر؟ ریئلی؟ ''

☆☆☆☆

''ماما! آپ مجھے غلط تو نہیں سمجھ رہی ہیں نا؟ یقین کیجئے میں صرف اپنے خاندان کو مزید تباہیوں سے بچانا چاہتا تھا۔ میں آج بھی آپ دونوں سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی پہلے کرتا تھا۔'' شاذ ہاتھ جوڑے ثمانہ کے سامنے کھڑا تھا۔

''نہیں بیٹا! ایسے نہیں کرتے۔ میں جانتی ہوں تمہاری نیت کو۔ تمہاری محبت کو۔ والدین ہمیشہ ہی اپنی بھٹکی ہوئی اولادوں کو راہِ راست پر لانا پڑتا ہے مجھے فخر ہے کہ میری اولاد کو صحیح غلط کی اتنی واضح شناخت ہے۔''

ثمانہ نے اس نے بندھے ہاتھ کھول دیے۔

''اور پاپا! آپ نے آپ۔ آپ نے معاف کر دیا ناں مجھے؟ میری تمام تر گستاخیوں اور بدلحاظیوں پر اگر آپ مجھے کوئی سزا دینا چاہیں تو میں حاضر ہوں پاپا!'' وہ حیدر خان کی طرف بڑھا اور انہوں نے چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد سینے سے لگا لیا۔

''آئی ایم پراوڈ آف یو مائی سن! اب تمہیں ہمارے ساتھ رہنا ہے سمجھے؟''

''لیکن پاپا! مہر آپی''

''ہم نے اس گھر کے ساتھ والا گھر خرید لیا ہے۔ مہر وہیں رہے گی ہمارے قریب۔'' انہوں نے اسے خود سے الگ کیا۔

''اور ایک خبر اور ہے تمہارے لیے۔ شمع کا رشتہ آیا ہے ایک جگہ سے۔''

ثمانہ مسکرا کر گویا ہوئیں تو وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔

''ہے تو مڈل کلاس فیملی لیکن لوگ بہت اچھے ہیں۔ لڑکے کی ماں نے کسی

موقع پر شمع کو دیکھا تھا، اس کی پھرتی اور دوڑ دوڑ کر کام کرنے سے بہت متاثر ہو گئیں۔ تم چاہ تو خود مل لو لڑکے سے۔ دیکھ بھال لو۔" شاذ کو ثمانہ بہت مختلف لگی تھیں۔

"مڈل کلاس ہونا کوئی عیب نہیں، اگر لڑکا اور اس کی فیملی اچھی ہے، دیکھتے ہیں۔ آج تو مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ دو دن بعد واپس آوں گا تو ملنے چلیں گے۔ ان لوگوں کے گھر۔ ویسے لڑکے کا نام کیا ہے۔" اس نے بر سبیل تذکرہ پوچھ لیا۔

"شجاع، شجاع احمد۔" ثمانہ نے بتایا۔

☆☆☆☆

عینی میگزین دیکھ رہی تھی تب ہی وہ اندر داخل ہوا۔

"کیسی ہیں قرت؟" اس نے عینی کو مخاطب کیا۔

"آپ کو معلوم ہو جانا چاہیے اب تک۔" وہ اسی طرح بولی۔

"کیا؟" وہ سمجھ نہیں سکا۔

"دن رات ہزاروں کیسز نمٹاتے ہیں۔ مگر اپنا معاملہ نمٹائے نہیں نمٹتا آپ سے۔"

"خود ہی تو بگاڑا ہے آپ نے سارا کیس۔ اب مجھے الزام کیوں دیتی ہیں؟" وہ قریب آ کر وہیں بیٹھ گیا۔

"میری طرف کے کھاتے کھول دیجئے۔ میرا حساب صاف کر لیں، اب میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔" وہ جیسے بڑبڑا رہی تھی۔

''کیسے کھول دوں آپ کی طرف کا کھاتا؟ اتنا آسان کہاں ہے اب؟'' وہ گویا اپنے آپ سے کہہ رہا تھا۔

''کیوں؟ کیا مشکل ہے؟'' عینی نے حیرت سے نظریں اٹھائیں۔

''اچھی لگنے لگی ہیں آپ مجھے۔'' اس نے اطمینان سے کہا تو حیرت کے مارے عینی کا منہ کھل گیا۔

''واٹ''

''اتنا حیران مت ہوں۔ میں خود بھی بہت حیرت زدہ ہوں، جو لڑکی اچھی چائے بھی نہیں بنا سکتا سکتی اس کی کون سی خوبی مجھے بھا گئی ہے۔ مگر سچ یہی ہے۔ کیا کیا جائے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''نہیں خیر، خوبیاں تو مجھ میں اور بہت ساری ہیں۔ میری حیرت کی وجہ یہ نہیں، میں یہ سوچ رہی ہوں کہ آپ اظہار محبت فرما رہے ہیں یا اظہار رائے؟ جس شخص کو اظہار محبت کرنا نہیں آتا، اسے محبت کرنا کہاں آتا ہو گا۔'' عینی نے حساب بے باق کیا تو وہ جگمگاتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''ابھی تو میں واقعی اظہار رائے کر رہا ہوں۔ اگر ابھی اظہار محبت کروں گا تو آپ ناراض ہو جائیں گی مسز خرسند شاذ!'' وہ اٹھ کر اندر چلا گیا اور عینی نے پہلی بار اپنے دل کی آواز اپنے کانوں میں سنی تھی۔

''خرسند!'' وہ لاونج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا، تبھی عینی چلی آئی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ باقی سب اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔

''جی حکم۔'' اس نے ریموٹ سے آواز ہلکی کی۔

''میں آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔'' وہ کھڑے کھڑے مخاطب تھی۔

''زہے نصیب مگر بیٹھ تو جائیں کم از کم۔'' وہ مسکرایا۔

''آپ نے خود سے کبھی کچھ نہیں پوچھا۔ایک بار بھی کوئی سوال نہیں کیا اپنے معاملے میں۔مجھے آپ کی برداشت پر حیرت ہے ورنہ میں نے کئی بار آپ کا غصہ دیکھا ہے۔کل آپ نے جو کچھ کہا سچ یہ ہے کہ مجھے یقین نہیں آیا ورنہ واقعی مجھ میں کوئی ایسی خوبی نہیں جس کی وجہ سے چاہی جاوں، سراہی جاوں۔میں اپنے بارے میں بہت سے یقین رکھتی ہوں اور ساری حقیقتیں آپ پر بھی روزروشن کی طرح واضح ہیں۔مجھے اسموکنگ کرتے ہوئے آپ دیکھ چکے ہیں۔میں آپ سے نکاح کر کے بھاگ گئی۔مانا کہ کسی کے ساتھ نہیں گئی مگر جا بھی سکتی تھی اگر وہ شخص راضی ہو جاتا تو۔'' عینی کا سر جھک گیا تھا۔

''تو آپ کسی اور سے محبت کرتی ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''نہیں محبت نہیں تھی، وہ بس ان دنوں مجھے وہم ہو گیا تھا محبت کا ورنہ محبت کبھی یوں بھی ختم ہوتی ہے جیسے کسی غبارے سے ہوا نکل جائے؟ جو بھی ہے میں اس وقت بھی خود غرض تھی اپنے آپ کو، اپنی ذات کو پوجنے والی خود پسند لڑکی اور شاید آج بھی ایسی ہی ہوں۔'' وہ تلخ ہو گئی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے قرت! آپ صرف اذیت پسند ہیں۔اپنے بارے میں

بے لاگ سچ بول کر آپ خود کو اذیت دیتی ہیں۔بس۔'' اس نے کہا تو عینی نے سر ہلا دیا۔

''پتا نہیں شاید ایسا ہو مگر میں ایسی کیوں ہو گئی اس لیے کہ۔'' اور اس نے الف سے یے تک سارے واقعات اور حالات زندگی شاذ کو سنا دیے۔

''ایک بات کہوں قرت!'' وہ ساری بات سن کر چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔

''ہم دونوں ایک ہی قسم کا نصیب لے کر دو مختلف جگہوں پر پیدا ہوئے ہیں۔

مگر ہم وہ عمل کیوں دہرائیں جو ہمارے والدین نے کیے اور جو ہماری آئندہ نسلوں کے گلوں کا طوق بن جائیں گے ؟ ابھی آپ بتا رہی تھیں کہ آپ کے والد صاحب آپ کو یاد کر کے بیمار رہنے لگے ہیں تو آپ کو چاہیے کہ ان کی خاطر لوٹ جائیں۔ان کے پاس جائیں،ان کی خدمت کریں،دعا لیں ان کی اور خود کو سزاوار ٹھہرائے جانے سے بچائیں۔اپنی اگلی نسل کو بچائیں۔''

شاذ کی باتوں وہ سر ہلانے لگی۔

''ہاں خرسند! میں واپس جاؤں گی۔کاش ہم اپنے ہر عمل سے پہلے یہ سوچ لیا کریں کہ اس کا کوئی نہ کوئی رد عمل بھی ہو گا اور وہ ہمارے حق میں، ہماری آئندہ نسل کے حق میں کیسا ثابت ہو گا۔ ''

''مجھے پرسوں کراچی واپس جانا ہے۔آپ چاہیں تو آپ بھی ساتھ چلیں۔'' شاذ نے کہا۔

''مگر کس حیثیت سے۔'' اس کے چہرے پر بڑا سا سوالیہ نشان تھا۔
''میرے خیال میں ہماری موجودہ حیثیت بہت کافی ہے۔'' اس نے دھیرے سے مسکرا کر ٹی وی پر نظریں جمائیں۔
''نہیں۔ فی الحال تو کافی نہیں۔'' عینی نے سر ہلایا۔
''کیا آپ دوبارہ ایسی لڑکی کو رخصت کروائیں گے جو ایک بار۔ ''
''پلیز، پلیز اب آپ اپنے لیے پھر وہ لفظ استعمال نہیں کریں گی۔ ''
''کیوں صحیح تو یہی ہے۔''
'' صحیح یہی ہے مگر آپ گھر سے نہیں حالات سے بھاگی تھیں پھر تو میری اور آپ کی کیٹگری بالکل ایک ہے۔ میں بھی اپنے گھر سے اپنے حالات سے فرار ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپ اپنی کزن کے گھر چلی گئی اور آف دی ریکارڈ رکھا اور میں آن دی ریکارڈ اپنی بہن کے پاس آیا تھا۔ یقین کیجئے، میں آپ کے دکھ کو سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میں اس دکھ سے گزرا ہوں۔ اپنے والدین ہر بچے کا آئیڈیل ہوتے ہیں۔ وہ یہ تسلیم کر ہی نہیں سکتے ہیں کہ ان کے والدین میں کوئی خامی یا کمزوری ہو سکتی ہے۔ وہ کسی کے منہ سے اپنے والدین کے لیے برے کلمات برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر والدین میں حقیقتاً کوئی برائی نظر آنے لگے اور وہ بھی شعور کی پہلی منزل پر اور انسان کے اندر سچ کو محسوس کرنے کی صلاحیت بہت پاور فل ہو تو یہ اس کا بہت بڑا دکھ ہوتا ہے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی لوگوں سے اپنے والدین کے متعلق بری رائے سنتا ہے۔ اس کا دل روتا ہے مگر وہ

اس سچ کو تسلیم کرتا ہے۔'' عینی بہت خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔
اور میں یہ کہوں گی خرسند کہ اپنے دکھ کو اتنے مکمل انداز میں شاید میں خود بھی نہیں سمجھ پائی تھی۔ ورنہ اگر میں سچ کو تسلیم کر لیتی تو شاید آج آپ کی طرح مسئلے سے نمٹنے کے لیے خود میدان میں اتر جاتی اپنے والدین سے مقابلے پر ڈٹ جاتی، مگر میں آخر دم تک جھوٹ پر گزارا کرتی رہی حتیٰ کہ آخر میں اپنی ماں سے اتنی شدید نفرت کا اظہار کے کر کے آئی ہوں کہ شاید ان کا دل تڑپ گیا ہو گا۔'' اس کی آواز بھرا گئی تو وہ خاموش ہو گئی پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد کہنے لگی۔
''مگر مجھے حیرت ہے کہ میرا اللہ پھر بھی مجھے اتنا اچھا ثمر دے رہا تھا میری تقدیر میں آپ جیسے شخص کا ساتھ لکھ رہا تھا۔ ''
''آپ سے ملنے کے بعد میں نے بھی یہی سوچا تھا۔'' شاز نے بے ساختہ اسے ٹوکا تھا ''میں نے آپ سے کبھی کوئی گلہ نہیں کیا۔ کیونکہ ہم لاکھ تدبیر کر لیں مگر تقدیر بنانے والا ہمیں ہماری تدبیروں سے زیادہ ہماری تقدیروں کے مطابق نوازتا ہے۔'' اور ہماری تقدیر میں اُس طرح نہیں۔اِس طرح ملنا لکھا تھا۔قرا!'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا ''میں پرسوں آپکے ساتھ چلوں گی کراچی ائیر پورٹ تک۔'' عینی مسکرائی تھی۔
''میں اس سے آگے آپ کو لے جا بھی نہیں سکتا کیونکہ مجھے بہت ضروری کسی سے ملنا ہے شمع کے رشتے کے سلسلے میں۔'' اس نے بھی مسکرا کر کہا۔
''اچھا؟ واقعی؟ یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔'' عینی دل سے خوش ہو کر

کہہ رہی تھی کیونکہ چند دنوں میں وہ شمع سے خاصی قریب آگئی تھی۔

"ویسے عجیب بات ہے، آپکی کزن آپ کے نکاح میں شریک نہیں تھی۔"

"سارے حالات دیکھنے کے بعد تو یہ سب عجیب نہیں لگنا چاہیے آپ کو۔ میرے نکاح میں تو آپی بھی شامل نہیں ہو سکی تھیں کچھ پرابلمز کی وجہ سے اور اس وقت ہمارے والدین کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ تھوڑا صبر کر لیتے۔" اس نے کہا تو عینی سر ہلا کر رہ گئی۔

اگلے دن اس نے افتخار علی کو اپنے جانے کے متعلق بتایا وہ بہت خوش ہوئے تھے۔

"تم فکر مت کرنا عینی! ہم سب تم سے پہلے وہاں موجود ہوں گے۔ حالات یقیناً ہمارے حق میں سازگار ہو جائیں گے۔ انشاءاللہ۔" انہوں نے کہا تھا اور زویا کے گھر سے واپس آکر وہ سیدھی مہر کے پاس آئی تھی۔

'میڈم! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ "

"ضرور کہو۔" مہر نے ہاتھ میں پکڑا میگزین بند کیا۔

"میں نے اپنے پیرنٹس کے بارے میں آپ سے ایک بڑا جھوٹ کہا تھا۔ وہ مرے نہیں زندہ ہیں۔" وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

"الحمداللہ۔" مہر کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔

"اور یہ کہ اب میں کل ان کے پاس واپس جا رہی ہوں۔" اس نے کہا۔

"بہت خوشی کی بات ہے۔" مہر بہت سہولت سے اس کی بات سن رہی تھیں۔

''ایک بات اور میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔'' اس کا سر تھوڑا اور جھکا۔
''ہوں شاید جو بات تم اب مجھے بتانے جا رہی ہو وہ میرے علم میں ہے۔''
مہر بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔
''جی؟'' اس کا سر جھٹکے سے اٹھا تھا۔ آنکھوں میں حیرت تھی۔
''شیزی مجھے سب بتا چکا ہے۔'' مہر نے کہا تو عینی نے گہری سانس لے کر اُن کی طرف دیکھا۔
''میں سوچا کرتی تھی عینی! کہ وہ کتنی بدنصیب لڑکی ہو گی جس نے میرے بھائی کے ساتھ زندگی گزارنے سے انکار کیا اور وہ بھی اسی طرح کہ۔۔۔۔۔۔۔ مگر آج میں سوچ رہی ہوں کہ یہ ہماری بدنصیبی ہوتی اگر تم ہمارے پاس نہ آ جاتیں۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارا دل رکھنا چاہ رہی ہوں بلکہ یہ واقعی سچ ہے۔ جانتی ہو، ایک اچھے انسان کی سب سے اہم صفت کیا ہوتی ہے کہ وہ سچائی کا علمبردار ہو اور تم جس طرح سچ بول کر بے دھڑک اپنی غلطیوں کو تسلیم کرتی ہو، وہ تمہارے اچھا انسان ہونے کی گواہی ہے۔ تم نے پہلی ملاقات میں کہا تھا کہ۔''
''ہو سکتا ہے میں نے آپ کا کوئی ناقابل تلافی نقصان کیا ہو۔'' لیکن تم نے اتنے دن یہاں گذار کے جس محبت سے ہمارے دلوں میں جگہ بنائی ہے، وہ ہر نقصان کی تلافی ہے عینی! اور اب میں چاہوں گی کہ تم مجھے ''آپی'' کہہ کر مخاطب کیا کرو۔'' مہر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر مسکرائیں اور عینی بالکل شاذ کے انداز میں ان کا ہاتھ تھام کر ان کے قریب

بیٹھ گئی۔

''تھینکس آپی! تھینکس گاڈ۔''



''آپ کو کس طرف جانا ہے؟'' عینی نے ائیر پورٹ سے باہر آتے ہوئے سر سری انداز میں شاذ سے پوچھا۔

''شادمان کالونی۔'' وہ ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑا رہا تھا۔

''واٹ؟ وہاں مجھے بھی جانا ہے۔''عینی حیرت سے اس کی طرف گھومی۔

''رئیلی؟ دیکھیں، قسمت ہمیں کس طرح ساتھ چلنے پر مجبور کر رہی ہے۔'' وہ مسکرا اٹھا۔

''چلیں پھر تو واقعی مجبوری ہے۔'' وہ بے نیازی سے ایک ٹیکسی روکنے لگی تو شاذ مسکراتے ہوئے کرایہ وغیرہ طے کرنے کے لیے آگے بڑھ گیا۔

''آپ کو کون سے گھر کے سامنے اتاروں۔ نمبر بتائیں۔'' شاذ نے پوچھا۔

''دو سو بارہ'۔'' عینی نے بتایا تو وہ پھر ہنس پڑا۔

''ہمیں ساتھ اترنا پڑے گا قرت''!

''مطلب۔'' وہ حیران ہوئی۔

''مجھے دو سو پندرہ میں جانا ہے، اسی گلی میں ہو گا نا؟'' شاز نے کہا تو وہ چند لمحے کے لیے ساکت رہ گئی۔

''دو سو پندرہ شمع کے رشتے کے سلسلے میں۔''

''ہاں کوئی شجاع احمد ہیں، آپ جانتی ہوں گی۔'' اس نے عینی کی طرف

دیکھا وہ لب بھینچ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

''شاید عنقریب میں آپ کا کوئی اور سچ سننے والا ہوں۔'' شاذ نے بغور اس کی بدلتی کیفیت نوٹ کی تھی۔

''یہ وہی ہے۔ بزدل۔'' عینی نے سر جھٹکا۔

''پھر تو میرا خیال ہے، میں صحیح جگہ پر آیا ہوں۔ ایک سمجھدار شخص ہماری شمع کے ساتھ سوٹ کرے گا۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''مجھے بزدلوں سے نفرت ہے۔'' عینی کا لہجہ بیزار تھا۔

''میں بزدل نہیں ہوں، آپ بھی یہ بات جانتی ہیں اور آپ کے لیے بس اتنا کافی ہے۔ دوسری بات جو شاید ذرا کڑوی ہو مگر ہے سچ کہ ہماری شمع کے لیے اس کی بزدلی سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ وہ اپنی ہستی اوروں کے لیے مٹا دینے والی لڑکی ہے۔ وہ بھی شجاع سے ایسی کوئی ڈیمانڈ نہیں کرے گی جس کے لیے شجاع کو اپنی ماں کے مقابل کھڑا ہونا پڑے۔ ویسے شجاع کی والدہ نے اسے خود پسند کیا ہے یقیناً وہ اس کی اس خوبی کی معترف ہوں گی۔ کیا سمجھیں؟'' شاذ نے تفصیلاً کہا تو وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

☆☆☆

عینی نے آہستگی سے ہاتھ کا زور ڈالا۔ اس کی توقع کے عین مطابق دروازہ کھل گیا۔ یہ وہ گھر تھا جس کے دروازے کبھی مقفل نہیں ہوتے تھے نہ چوروں کے خوف سے نہ مہمانوں کے ڈر سے! وہ اندر آ گئی ستھرے صحن

کے بیچوں بیچ کھڑی ہو کر وہ بہت زور سے چلائی تھی۔
''دادا جانی! دادا او!'' اور گھر کے اندرونی حصے میں ایک چل سی مچ گئی۔
''میری بچی! میرا بیٹا۔'' سب باہر آکر باری باری اسے لپٹا رہے تھے۔
''ماما کہاں ہیں۔'' اس نے احمر سے پوچھا تو انہوں نے انگلی سے ایک طرف خاموش کھڑی آنسو بہاتی عاصمہ کی طرف اشارہ کیا وہ چند لمحے انہیں دیکھتی رہی پھر دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔
''ایم سوری مام! ریئلی ویری سوری۔ مجھے معاف کر دیجئے۔'' وہ رو پڑی تھی۔
جذبی کی موت کے بعد آج پہلی بار وہ روئی تھی اور ایسا بلک بلک کے روئی کہ سب کو رلا گئی تھی۔
''بس کرو عینی بیٹا! طبیعت خراب کرو گی تم۔'' افتخار علی نے اسے عاصمہ سے الگ کیا اور ایک طرف بٹھا دیا۔
''یا اللہ! تیرا شکر ہے مالک! تو نے میرے گھر کی رونقیں لوٹا دیں۔''
ناصرہ بیگم کی آنکھیں تشکر کے احساس سے نم ہو گئیں۔

☆☆☆☆

''عینی بیٹا!'' احمر نے اسے آواز دی تو ناصرہ کی گود میں سر رکھے لیٹی عینی اٹھ بیٹھی۔
''جی ڈیڈ''!
''کچھ بات کرنا ہے تم سے۔ یہاں آو میرے پاس۔'' احمر نے اشارے

سے بلایا تو وہ اُٹھ کر ان کے پاس گئی۔

''یہاں بیٹھ جاو اور غور سے ساری باتیں سننا، جو کچھ میں کہوں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔'' وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عینی نے الجھ کر انہیں دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

''جو گزر گیا وہ اچھا تھا یا برا، اب میں دہرانا نہیں چاہتا۔ بیٹا! تمہاری ماں کی سمجھ میں عقل کی باتیں ذرا دیر سے آتی ہیں اور اب تمہاری ماں کو بہت سی باتیں سمجھ میں آگئی ہیں مگر اب دیر بھی ہو گئی ہے۔ میرے جانے کے بعد اپنی ماں کا خیال رکھنا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری شادی کے بعد تمہارے لیے کافی مشکل ہو جائے گی مگر پھر بھی اپنی مصروف زندگی سے وقت نکال کر کبھی کبھار ان لوگوں سے ملنے آجایا کرنا۔''

''ڈیڈ!'' آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' عینی نے درمیان میں ٹوک دیا۔

''پاک صاف ہونے! بیٹا میں زندگی میں آسائشات کا اس قدر متلاشی تھا کہ میری نظر سے زندگی کے اصل مقاصد دور ہو گئے تھے اور اب جب میں آسائشات سے دور ہوا تو بہت سے دھندلے ہوتے منظر واضح ہو رہے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کے لیے رکے پھر کہنے لگے۔

''آج میں نے خرسند اور اس کے گھر والوں کو شام کی چائے پر بلایا ہے۔ میں کم از کم تمہارے فرض سے سبکدوش ہو کر جانا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا، ان کی فیملی کے بارے میں اب تم ہم سے زیادہ جانتی ہو گی۔'' عینی نے زویا کو ساری صورت حال

سے باخبر کر دیا تھا اور احمر کو زویا نے ہی بتایا تھا۔

''ڈیڈ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' عینی کا ذہن اس ایک بات میں اٹکا ہوا تھا۔ احمر نے مسکرا کر اسے خود سے قریب کیا۔

''اپنے گناہوں کی سزا اگر یہیں بھگت لی جائے تو زیادہ بہتر ہوتا ہے نا میرے بیٹے! اور میں ایسا ہی کرنے جا رہا ہوں۔ بس میری ثابت قدمی کے لیے دعا کرنا۔'' اور عینی باوجود کوشش کے دوبارہ کوئی سوال نہ کر سکی۔

☆☆☆☆

''اگر آپ مائنڈ نہ کریں شیزی بھائی! تو ایک سوال کروں۔'' زویا نے کباب کی پلیٹ شاذ کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''پہلے آپ سوال کر لیں پھر سوچوں گا مائنڈ کرنا ہے۔ نہیں۔'' شاد نے مسکرا کر ایک کباب اپنی پلیٹ میں نکالا۔

''آپ کا نام کچھ عجیب سا نہیں ہے۔'' زویا نے کہا۔

''عجیب؟'' شاذ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''ہاں بھئی۔'' خرسند فارسی کا لفظ ہے جس کے معنی (شادمان خوش) ہے اور شاذ عربی کا لفظ ہے۔ تو دو زبان کے مجموعے والا نام تو عجیب ہوا ناں۔'' اس نے شاذ کی الجھن دور کی۔

''میرے نام کا تاثر بھی عجیب ہے اور میرے نام کے معنی بھی ''انوکھا خوش'' ہے اور آپ یقین کریں کہ میری ہر خوشی واقعی انوکھی ہوتی ہے۔ انوکھے انداز سے مجھے ملتی ہے۔'' اس نے اس طرف نگاہ کی جہاں ثمانہ اور

عینی باتوں میں مصروف تھیں۔

''ہاں خیر یہ تو میں مانتی ہوں۔'' زویا ہنس پڑی۔

''ویسے آپ نے اپنی زوجہ محترمہ کی کھنچائی نہیں کی؟اس نے پوچھا۔

''بہت وقت پڑا ہے، کبھی کر لیں گے۔'' اس نے مسکرا کر کباب کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔

''ایک بات ہے شیزی بھائی! یہ اس مختصر سے عرصے میں کافی چینج ہو گئی ہے۔مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ لڑکی خود کو بدل سکتی ہے وہ دوسروں کی باتوں پر دھیان دینے لگی ہے بلکہ عمل بھی کرنے لگی ہے۔ ''

'' تھینکس۔ویسے آپ نے کیسے اندازہ لگایا کہ عینی دوسروں کی باتوں پر نہ صرف دھیان دینے لگی ہے بلکہ عمل بھی کرنے لگی ہے۔ ''

''کل اس نے شام کی چائے خود بنائی تھی۔کہہ رہی تھی اب سب کچھ سیکھنا پڑے گا،خاص کر چائے بنانا کیونکہ کسی نے کہا ہے کہ ایک لڑکی کو کم از کم چائے تو اچھی بنانا آنی چاہیے۔'' زویا نے بتایا تو وہ ہنس پڑا۔

''رئیلی۔ویسے آپس کی بات ہے۔آج تو چائے انہوں نے نہیں بنائی ہے نا۔'' اس نے رازداری سے پوچھا تو زویا بھی ہنسنے لگی۔

''نہیں۔آج ہم لوگ کوئی رسک نہیں لینا چاہتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد عینی وہیں آکر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے قرت! آج آپ کچھ چپ چپ سی ہیں۔'' شاذ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں۔ایسا تو نہیں ہے۔'' پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہر گئی۔
''آپ کو جھوٹ بولنا نہیں آتا ہے۔'' وہ مسکرا رہا تھا اور عینی اسے دیکھ کر رہ گئی۔اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی زوردار دستک عینی ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی اور اب اندر داخل ہونے والے وردی میں ملبوس لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔گھر میں اچانک باتوں کی چہکار بند ہو گئی اور سناٹا طاری ہو گیا۔
''اچھا ابا جان! چلتا ہوں،اجازت دیجئے۔'' احمر باپ کے گلے لگے۔
''جاو بیٹے! اللہ کی امان میں دیا تمہیں۔یہ سر جو ندامت سے جھکا ہوا ہے۔واپسی پر اٹھا کر گردن تان کر آنا ہم تمہیں انشاءاللہ ایسے ہی منتظر ملیں گے۔'' شاہ حسنین نے ان کی پیٹھ تھپتھپائی۔پھر وہ سب سے باری باری مل کر اللہ حافظ کہہ کر عینی کے سر پر ہاتھ رکھ کر جانے کے لیے مڑے تو عاصمہ پر نظر پڑی جو سسک رہی تھیں۔
''سزا تو مجھے ملنی چاہیے تھی احمر! جیل تو مجھے جانا اہیے تھا۔میرے کیے کی سزا آپ کیوں بھگت رہے ہیں۔''
''سزا تو ہم دونوں کی ہے عاصمہ جدائی کی بھاری مشقت کم تو نہیں ہو گی۔میرا انتظار کرنا۔اللہ حافظ۔'' وہ الوداعی نظر سب پر ڈال کر آگے بڑھ گئے۔
''قرت!'' پتھر بنی عینی نے اپنے کندھے پر مضبوط گرفت محسوس کی تو رخ موڑ کر دیکھا۔
''حوصلہ رکھو!'' شاذ کی آنکھیں ہمیشہ کی طرح حوصلہ بڑھا رہی تھیں،

اعتماد بخش رہی تھیں۔

''ابھی بہت سے لوگوں کو تمہاری جانب سے ملنے والے حوصلے کی ضرورت ہے۔'' اس نے کہا تو عینی نے پلٹ کر دادو کے گلے لگ کر روتی ہوئی عاصمہ کو دیکھا۔

''ماما! آپ اس طرح کیوں رو رہی ہیں؟ ہم کوئی کم حوصلے والے بزدل لوگ تو نہیں ہیں۔ آپ کا شوہر، میرا باپ رنگے ہاتھوں کسی جرم کو انجام دیتے نہیں پکڑا گیا ہے بلکہ شیروں کی طرح بہادری سے سینہ ٹھونک کر اپنی غلطیوں کو تسلیم کر کے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے گیا ہے۔'' عاصمہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا عینی کا چہرہ شدت ضبط کا غماز تھا۔

''وہ ہمارے لیے مستقبل کی شاہراہ پر ڈھیروں دیے جلا کر گئے ہیں۔ امیدوں کے روشن دیے۔ اپنے آنسوؤں سے ان روشن دیوں کو مت بجھائیں پلیز۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ کمرے سے باہر کر صحن میں بچھے تخت پر بیٹھ گئی۔ سب ہی گم صم سے اپنی جگہ بیٹھے تھے۔ ماہ جبیں اور ثمانہ اندر عاصمہ کے پاس ہی تھیں۔

''قرت! تم رو رہی ہو۔'' شاذ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' عینی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں۔

''تم رو رہی ہو۔'' شاذ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"رونے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ نم آنکھیں، نرم دل ہونے کی نشانی ہیں اور دلوں کو نرم ہی رہنا چاہیے۔ اگر دل سخت ہو جائیں تو پھر ان میں پیار و محبت کا بیج نہیں بویا جا سکتا اور اگر دلوں میں محبت ناپید ہو جائے تو پھر انسان کی سمت بدلنے لگتی ہے۔ محبت وہ واحد طاقت ہے جو انسان کے قدم مضبوطی سے جما دیتی ہے اور وہ گمراہ نہیں ہوتا۔" عینی کو پتا نہیں چلا کہ کب اس کی آنکھیں نم ہونا شروع ہوئیں اور اس کا دامن گیلا ہونے لگا۔

"اس لیے رونے میں کوئی برائی نہیں۔ بس ان آنسوؤں کے پیچھے ناامیدی اور مایوسی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ ناامیدی ایمان کی کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔ اللہ سے ہمیشہ بھلائی اور اچھے وقت کی آس رکھنی چاہیے۔ وہ اپنے بندوں کو اسی چیز سے نوازتا ہے جو وہ اپنے اللہ سے توقع کرتے ہیں۔" وہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گیا۔ عینی نے دائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو صاف کیے۔

"آپ کی باتوں میں بہت اثر ہوتا ہے، جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ آپ کے ایمان کی مضبوطی اور اللہ سے اچھی امید رکھنے کی خوبی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔" وہ بولی تو شاذ مسکرا دیا۔

پتا ہے میں نے سوچا ہے کہ جب بھی میرا سامنا شجاع سے ہو گا تو اس سے ایک بات ضرور کہوں گی کہ میرے اندر بہت سی بری عادتیں تھیں مگر میں ایک بری لڑکی نہیں تھی۔ مجھے لوگوں کا طرزِ عمل برائی پر جمارہنے پر اکساتا تھا۔ نصیحت کے پلندے میری پیٹھ پر لادنے والے لوگ مجھ میں

کیڑے نکالنا فرض عین سمجھتے تھے۔ میری ذات کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے مگر مجھے کبھی یہ احساس نہیں دلا سکے کہ اس سارے عمل میں کہیں ان کی محبت کا دخل بھی ہے۔ میری سمت بگڑ گئی تھی۔ کسی کی محبت اسے درست کر سکتی تھی اور کسی کی محبت نے اسے درست کر دیا ہے۔'' وہ رک گئی۔

''دیکھنا قرت! کہیں میں مغرور نہ ہو جاوں۔'' شاذ مسکرایا تو وہ بھی ہنس دی۔

آپ کو معلوم ہے، میں نے اسموکنگ کرنا چھوڑ دیا ہے۔'' چند لمحے بعد وہ پھر گویا ہوئی۔

''مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے اسی دن سگریٹ کیس اور لائٹر ڈسٹ بن میں ڈال دیے تھے جس دن میں نے تمہارے ہاتھ سے سگریٹ چھین کر پھینکا تھا۔'' وہ بڑے یقین سے مسکرایا۔ تو وہ ہنس دی۔

''پھر کیا خیال ہے؟'' شاذ نے اسے دیکھا تو اس نے پوچھا۔

''کس بارے میں۔''

''اظہار محبت کے بارے میں؟'' اس کے ہونٹوں پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ در آئی تھی۔

''رہنے دیں۔ جب محبت کا یقین کامل ہوتا ہے تو اظہار کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔'' وہ بھی مسکرا دی۔

''رئیلی! میں پھر کہہ رہا ہوں قرت! آپ مجھے مغرور کر دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے دیں گی۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں غرور توڑ کر آئینہ بھی دکھادوں گی۔' اس نے بے نیازی سے کہا تو شاذ زور سے ہنس پڑا۔ ناصرہ نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ محبت اور اعتماد کے ساتھ۔

''اے اللہ! میرے احمر کو بھی جلد از جلد ہمارے درمیان لوٹادینا اور ہم سب کی خطاوں کو معاف فرمانا۔ بے شک تو سب سے بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔'' ان کی آنکھ سے دو موتی ٹپکے اور چہرے کی سلوٹوں میں گم ہو گئے۔

کن

فیکون

فاطمہ عنبرین